بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول الله ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ۱/۱٦ رقم: ۷۱، صحيح مسلم ۱/۳۳۳ رقم: ۱۰۳۷)

کتابُ النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ سادس)

کتاب الجنائز، کتاب الصوم، کتاب الزکوٰۃ

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : کتاب النوازل (جلد سادس)

○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

○ ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

○ ناشر : **المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد**

09412635154 - 09058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

○ صفحات : ۶۲۴

○ قیمت : ۴۰۰/روپے

ملنے کے پتے:

○ مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

○ کتب خانہ یحیوی محلہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبيآء: ۷]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۱/۴۹ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجة ۱/۴۳ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

اجمالی فہرست

کتاب الجنائز

کتاب الصوم

کتاب الزکوٰۃ

تفصیلی فہرست

کتاب الجنائز

میت کی رونمائی ۵۳

غسل میت سے متعلق مسائل ٦٦

کفن کے مسائل ۹۰

نماز جنازہ ۱۰۳

مسجد میں نماز جنازہ ۱۷۰

تدفین کے مسائل ۱۸۵

قبر پر کتبہ لگانا اور پختہ قبریں بنانا ۲۳۳

حادثاتی اموات اور شہید کے احکام ۲۵۳

ایصالِ ثواب اور زیارتِ قبور ۲۶۴

کتاب الصوم

رؤیتِ ہلال سے متعلق مسائل ۲۷۴

روزہ کے اہم مسائل ۳۲۳

مکروہاتِ روزہ ۳۷۵

مفسداتِ روزہ ۳۷۷

اعتکاف کے مسائل ۴۱۱

کتاب الزکوٰۃ

وجوبِ زکوٰۃ ۴۲۶

ادائے زکوٰۃ سے متعلق مسائل ۵۳۹

کتاب الجنائز

اَحکامِ میت

محض دماغی موت معتبر نہیں!

ســوال (۱) :-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے، نفخ روح سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے،اور اس روح کے نکل جانے سے موت واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن روح کیا ہے؟ یہ ایک سربستہ راز ہے،قرآن نے اسے ''امر رب'' قرار دیا ہے،بعض حضرات کے نزدیک یہ ایک لطیف نورانی شئ ہے جو جسم میں اس طرح موجود ہوتی ہے جیسے شاخ تازہ میں شادابی۔ یوں تو موت کی کچھ ایسی بدیہی علامتیں ہیں جنہیں دیکھ کر عام آدمی بھی بتا سکتا ہے کہ کون زندہ ہے اور کون مردہ؛ لیکن کچھ خاص حالات میں موت کی شناخت بہت مشکل ہوجاتی ہے، اور ماہر اطباء بھی موت کے وقوع کا فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، مثال کے طور پر زہر کے استعمال، حادثات میں لگنے والی گہری چوٹ، یا کسی اور سبب سے مریض طویل سکتہ میں مبتلا ہوجاتا ہے اور موت کی ظاہری علامتیں طاری ہوجاتی ہیں، لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان ابھی زندہ ہے۔

عام طور پر دل کی حرکت، دوران خون اور سانس کی آمد ورفت کا رک جانا موت کی علامت سمجھا جاتا ہے، لیکن جدید میڈیکل سائنس نے ایسے آلات ایجاد کرلئے ہیں جو ایک عرصہ تک مصنوعی طور پر دل کی حرکت اور سانس کی آمد ورفت کو قائم رکھتے ہیں، یہیں سے جدید میڈیکل سائنس میں دماغی موت کا تصور ابھرا ہے، اب یہ بات ممکن ہوگئی ہے کہ کچھ خاص وقت کے لئے قلب کو حرکت سے روک دیا جائے اور مصنوعی قلب اور پھیپھڑے کے ذریعہ دوران خون اور سانس کی آمد ورفت کا کام لیا جائے، اس تجربہ نے اس تصور کو جنم دیا ہے کہ اصل موت قلب اور سانس کا

رکنا نہیں ہے، بلکہ دماغ کے اس حصہ کا مرجانا ہے جسے جذع المخ (Brain Stem) کہتے ہیں، دماغ کا یہی حصہ فکر وشعور کا مرکز ہے، اور یہی نظام جسمانی کو کنٹرول کرتا ہے، اگر دماغ کو چار پانچ منٹ تک خون کی سپلائی بند ہوجائے تو وہ زندہ نہیں رہتا، بلکہ پگھلنا شروع ہوجاتا ہے، دماغ کے مرنے کے بعد مصنوعی آلات کے ذریعہ قلب کی حرکت اور دوران خون کو جاری رکھا جاسکتا ہے، لیکن یہ وقتی عمل ہوگا، جو بالآخر چند گھنٹوں یا چند دنوں سے زیادہ جاری نہیں رہ سکے گا، اب انسان کے اندر زندگی لوٹنے کا سوال باقی نہیں رہتا ہے۔اس کے برخلاف اگر دماغ زندہ ہو اور قلب کی حرکت محدود مدت کے لئے بند ہوگئی ہو لیکن خارجی عمل کے ذریعہ خون کی سپلائی برقرار رکھی جائے تو انسان زندہ رہے گا، اس تجربہ کی وجہ سے آج کے اطباء یہ سمجھتے ہیں کہ نفس انسانی کا مرکز انسانی دماغ ہے۔

انسان کی حیات وموت کا سوال فقہ کے کئی مسائل سے تعلق رکھتا ہے، یہ سوال کہ کس وقت انسان کو مردہ قرار دیا جائے، فقہی نقطہ نظر سے خاصی اہمیت کا معاملہ ہے، اس سلسلہ میں تین قسم کے سوالات زیادہ اہمیت کے ساتھ سامنے آتے ہیں: پہلی قسم میں میراث، عدت اور حقوق سے متعلق سوالات پیدا ہوتے ہیں، کہ ان کا نفاذ کس وقت سے ہوگا؟

دوسری قسم کے مسائل اعضاء کی پیوندکاری سے متعلق ہیں، طبی تحقیق کے مطابق انسان کے مرنے کے بعد بھی کچھ وقفہ تک اعضاء میں زندگی باقی رہتی ہے، چنانچہ اگر دماغ مرچکا ہے تو مصنوعی آلات تنفس کے ذریعہ قلب کی حرکت اور سانس کی آمد ورفت کو اتنی دیر باقی رکھا جاسکتا ہے جس میں اعضاء میں حیات عضوی باقی رہے، اور انہیں قابل استفادہ حالت میں نکالا جاسکے۔

تیسری قسم کے مسائل اس بات سے متعلق ہیں کہ اگر کوئی مریض مصنوعی آلات تنفس (Ventilaor) پر ہے، جو کافی گراں طریقۂ علاج ہے، تو کیا اس سے یہ آلات شرعاً ہٹائے جاسکتے ہیں؟ اگر مشین پر رہتے ہوئے اس کے تنفس اور حرکت قلب کا فطری نظام بحال ہوجاتا ہے، تو بلاشبہ مشین ہٹالی جائے گی، اسی طرح اگر مشین پر رہتے ہوئے حرکت قلب ختم ہوجاتی ہے اور موت واقع ہوجاتی ہے، تو مشین کا ہٹالیا جانا طے ہے، لیکن پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب

ڈاکٹر مریض کی زندگی سے مایوس تو نہ ہوا ہو، لیکن مشین کے ذریعہ ہی اس کی سانس کی آمد ورفت اور دل کی حرکت جاری ہو، اور مشین ہٹالینے پر یہ دونوں موقوف ہو جاتے ہوں، ایسی صورت میں کب مشین ہٹانے کی اجازت ہوگی؟

اس تفصیل کی روشنی میں دماغی موت کے سلسلہ میں چند اہم سوالات آپ کے سامنے پیش ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ ان سوالات کے بارے میں اپنی شرعی تحقیق کی روشنی میں جوابات سپردِ قلم فرمائیں؟

(۱) اطباء کا یہ تصور کہ اصل موت دماغی موت ہے۔ شرعاً کہاں تک درست ہے؟ یعنی اگر دماغ مر چکا ہو؛ لیکن مصنوعی آلاتِ تنفس کے ذریعہ قلب کی حرکت اور سانس کی آمد ورفت باقی رکھی گئی ہو تو ایسے شخص کو مردہ قرار دیا جائے گا یا زندہ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کی نظر میں جب تک جسم کے کسی بھی حصے کے ساتھ روح کا رشتہ برقرار رہے، ایسے شخص پر مردہ کے احکامات جاری نہیں ہو سکتے؛ لہٰذا اطباء کا یہ تصور کہ اصل موت دماغی موت ہے، اسلام کی نظر میں ناقابلِ قبول ہے، اور جو شخص دماغ کے اعتبار سے مفلوج ہو چکا ہو؛ لیکن اس کے سانس کی آمد ورفت فطری یا مصنوعی طور پر باقی ہو، تو ایسے شخص کو شرعاً زندہ ہی مانا جائے گا، یعنی ایسی حالت تک پہنچنے کے باوجود اس کی بیوی اس کے نکاح سے باہر نہ ہوگی، اسی طرح اس کی وراثت تقسیم نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ جائز ہوگی۔

الموت في الاصطلاح: هو مفارقة الروح للجسد، وقال الغزالي: ومعنى مفارقتها للجسد انقطاع تصرفها عن الجسد بخروج الجسد عن طاعتها.

(الموسوعة الفقهية ۲٤٨/۳٩)

الموت انسحاب الروح من البدن عند مايصبح البدن غير أهل لبقاء الروح فيه. (لغة الفقهاء ٤٦٨)

أجرى اللّٰه تعالىٰ العادة بأن يخلق الحياة ما استمرت هي في الجسد، فإذا فارقته توفت الموت الحياة، وقالوا: الحياة للروح بمنزلة الشعاع للشمس، فإن اللّٰه تعالىٰ أجرى العادة بأن يخلق النور والضياء في العالم مادامت الشمس طالعة كذلک يخلق الحياة للبدن مادامت الروح فيه ثابتة. (شرح الفقه الأكبر ١٢٤)

قال الحافظ شمس الدين ابن القيم بعد ما ساق أقوال الناس في حقيقة الروح على اختلاف مذاهبهم، وتباين آراءهم، وذكر عدة مذاهب وزيفها، ثم قال: والصحيح أن الروح جسم مخالف بالماهية لهٰذا الجسم المحسوس، وهو جسم نوراني علوي خفيف حي متحرک ينفذ في جوهر الأعضاء، ويسرى فيها سريان الماء في الورد، وسريان الدهن في الزيتون، والنار في الفحم، فما دامت هذه الأعضاء صالحة لقبول الآثار الفائضة عليها من هذا الجسم اللطيف بقي هذا الجسم اللطيف متشابكا بهذه الأعضاء، وأفادها هذه الأثار من الحس والحركة والإرادة، وإذا فسدت هذه الأعضاء بسبب استيلاء الأخلاط الغليظة عليها وخرجت عن قبول تلک الآثار فارق الروح البدن، وانفصل إلى عالم الأرواح، قال: وهذا القول هو الصواب في المسألة، وهو الذي لايصح غيره، وكل الأقوال سواه باطلة، وعليه دل الكتاب والسنة وإجماع الصحابة وأدلة العقل والفطرة. (فتح الملهم، باب ما يقول المسلم عند مصيبة نصيبه / الدليل على مشروعية تغيض بصر الموت ٢/٦٩ ٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مابعد الموت کے احکام کا نفاذ کب ہوتا ہے؟

سوال (۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موت کے احکام یعنی وصیت کا نفاذ، میراث کا اجراء اورعدت کا آغاز وغیرہ کب سے معتبر سمجھے

جائیں گے، جس وقت دماغ مراہے اس وقت سے، یا قلب کی طبعی موت کے وقت سے، یا جس وقت مشین ہٹانے کے بعد قلب کی حرکت اور سانس کی آمد ورفت موقوف ہوئی ہے اس وقت سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موت کے احکام اس وقت سے جاری ہوں گے جب کہ قلب ودماغ دونوں کی حرکت بند ہوجائے، اور موت کے آثار وعلامات پوری طرح ظاہر ہوجائیں، اس سے قبل موت کے احکام جاری نہ ہوں گے، البتہ جو مریض گہری بے ہوشی میں ہو اور اس پر طویل عرصہ (چوبیس گھنٹے سے زائد) گزر جائے، تو اس حالت میں اس کو فرائض شرعیہ کا مکلّف نہیں کہا جائے گا، یعنی نماز، روزہ وغیرہ کی ادائے گی کا مطالبہ اس سے نہ ہوگا۔

الموت انسحاب الروح من البدن عند مایصبح البدن غیر أهل لبقاء الروح فیه. (لغة الفقهاء ٤٦٨)

نظراً لتعذر کنه إدراک الموت فقد علق الفقهاء الأحکام الشرعیة المترتبة علیه بظهور أمارته في البدن، فقال ابن قدامة: إذا اشتبه أمر المیت اعتبر بظهور أمارات الموت. (الموسوعة الفقهیة ٣٩/٢٤٨)

وذکر الفقهاء من أمارات انتهاء الحیاة شخوص البصر، وانقطاع النفس، وانفراج الشفتین، وسقوط القدمین، وانفصال الزندین، ومیل الأنف، وامتداد جلدة الوجه، وانخساف الصدغین، وتقلص الخصتین مع تدلي جلدتهما.

(الموسوعة الفقهیة ١٨/ ٢٦٦) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر تصویر والے کمرے میں موت آ گئی تو کون سے فرشتے روح نکالنے آئیں گے؟

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: حدیث میں ہے جس گھر میں کتا یا تصویریں ہوں اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے، اس حدیث کو سامنے رکھ کر ہم لوگوں یہ خلجان ہورہا ہے کہ بعض نیک لوگ متقی پرہیزگار لوگ ایسے کمرے میں لیٹے ہوتے ہیں، بیماری کی حالت میں یا ہسپتال میں کہ چاروں طرف اس کمرے یا گھر میں تصویریں ہوتی ہیں، یا مورتیاں ہوتی ہیں، اسی حالت میں اگر اس گھر یا کمرہ میں موت آجائے تو روح نکالنے کون سے فرشتے آئیں گے؟ تصویر کی وجہ سے رحمت کے فرشتے تو آئیں گے نہیں، پھر ان بزرگ کا خاتمہ کیسے ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتا اور تصاویر عام ملائکہ رحمت کے وصول سے مانع ہیں؛ لیکن مخصوص فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں یا جن کو روح نکالنے کا کام سپرد ہوتا ہے ان کے لئے یہ چیزیں دخول سے مانع نہیں ہیں؛ اس لئے تصویر کی جگہوں پر ایمان دار اور متقی شخص کی روح نکالنے کے لئے متعینہ فرشتوں کی آمد پر کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے۔

عن أبي طلحة رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير. (صحيح البخاري رقم: ٥٩٤٩، صحيح مسلم رقم: ٢١٠٦، كذا في مشكاة المصابيح ٢/٣٨٥)

قال الملا علي القاري في شرحه أي لا تدخل ملائكة الرحمة لا الحفظة وملائكة الموت، وفيه إشارة إلى كراهتهم ذٰلك أيضًا لكنهم مأمورون، ويفعلون مايؤمرون. (مرقاة المفاتيح، اللباس / باب التصاوير ٨/٣٢٣ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کا دماغ نہ مرا ہو اور قلب کی حرکت اور سانس کی آمدورفت بند ہوجائے؟

سوال (۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اگر دماغ نہیں مرا ہے، یعنی جذع المخ کام کررہا ہے، لیکن قلب کی حرکت پوری طرح بند ہوگئی ہے اور سانس کی آمد ورفت ختم ہوچکی ہے تو ایسی حالت میں اس شخص پر زندہ کے احکام جاری ہوں گے یا مردہ کے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً تو یہ بات قابل تصور نہیں ہے کہ کسی شخص کی حرکتِ قلب (فطری یا مصنوعی) بند ہوجائے، اور پھر بھی اس کا دماغ کام کرتا رہے، لیکن اگر بالفرض کسی شخص میں یہ کیفیت پائی جائے تو جب تک اس کا دماغ کام کرے گا اسے بھی مردہ تصور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ دماغ کا متحرک رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ روح کا رشتہ بدن سے برقرار ہے۔

الحياة في اللغة نقيض الموت، والحي من كل شيء نقيض الميت، وهي عبارة عن قوة مزاحية تقتضي الحس والحركة، وفي حق اللّٰه تعالىٰ هي صفة تليق به جل شانه. (الموسوعة الفقهية ١٨/٢٦٤)

الموت في الاصطلاح: هو مفارقة الروح للجسد. قال الغزالي: ومعنى مفارقتها للجسد انقطاع تصرفها عن الجسد بخروج الجسد عن طاعتها.

(الموسوعة الفقهية ٣٩/٢٤٨)

الموت انسحاب الروح من البدن عند مايصبح البدن غير أهل لبقاء الروح فيه. (لغة الفقهاء ٤٦٨)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روح نکلنے کے بعد میت کو کس طرح لٹانا چاہئے؟

سوال (۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں ایک مسئلہ کو لے کر لوگوں میں فتنہ پیدا ہوگیا، وہ یہ ہے کہ جب کسی آدمی کا

انتقال ہوجائے تو اس میت کو گھر میں لٹائے رکھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہمارے بنگال کے مختلف مدارس سے فتوی لیا گیا، تو دو طرح کا فتوی ہمارے سامنے آیا بعض مفتیان کرام نے یہ فتوی دیا کہ اس میت کو لٹانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کا پیر جنوب کی جانب اور سر شمال کی جانب کرکے دائیں کروٹ پر لٹایا جائے گا صرف یہی سنت طریقہ ہے، اور جو دوسرا طریقہ ہے یعنی قبلہ کی طرف پیر سیدھا کرکے چت لٹانا خلاف سنت ہے، اور ان حضرات نے اس پر استدلال میں ان عبارتوں کو پیش کیا ہے جو ہدایہ وغیرہ میں محتضر یعنی قریب المرگ کے بارے میں ہیں، جب کہ سوال کیا گیا ہے میت کو لٹانے کے سلسلہ میں، اور بعض مفتیان کرام نے یہ فتوی دیا ہے کہ ایک ہی طریقہ کو جو سنت قرار دیا گیا ہے، وہ صرف محتضر کے لئے ہے، رہا میت تو اس کو دونوں طریقہ سے لٹانا صحیح ہے، کوئی طریقہ خلافِ سنت نہیں ہے، اور ان حضرات نے استدلال میں جن عبارتوں کو پیش کیا ہے وہ صراحۃً میت کے بارے میں ہیں، ان حضرات کے فتوی کو بعینہٖ میں یہاں پر اردو میں ترجمہ کررہا ہوں۔

آدمی کے انتقال کے بعد اس کو لٹانے کا کوئی متعین طریقہ نہیں ہے، جیسا کہ لٹانے میں سہولت ہو اس طرح لٹایا جاسکتا ہے۔

والأصح أنه يوضع كما تيسر. (البحر الرائق ۲/ ۳۰۰)

البتہ بعض علماء کرام کے نزدیک اس میت کے پیر قبلہ کی جانب سیدھی کرکے چت لٹانا افضل ہے۔

كيفية الوضع عند بعض أصحابنا الوضع طولاً كما في حالة المرض إذا أراد الصلاة بإيماء. (البحر الرائق ۲/ ۳۰۰)

اور بعض علماء کے نزدیک میت کے پیر جنوب کی جانب اور سر شمال کی جانب کرکے دائیں کروٹ پر لٹانا افضل ہے۔

ومنهم من اختار الوضع كما يوضع في القبر. (البحر الرائق ۲/ ۳۰۰، وكذلك في الشامي ۱/ ۵۷۳)

میت کو قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر چت لٹانا سنت طریقہ کے خلاف نہیں ہے۔ **كما مر في البحر والشامي ۵۷۳/۱۔**

اب آپ حضرات سے میرا سوال یہ ہے کہ (۱) ان دونوں فتاوی میں سے کونسا صحیح ہے؟ کیا اول الذکر حضرات کا مختصر والی عبارت کو استدلال میں پیش کرنا صحیح ہے؟ جب کہ میت کے بارے میں صریح عبارت موجود ہے، جیسا کہ ثانی الذکر حضرات نے پیش کیا ہے

(۲) کیا میت کو قبلہ کی جانب پیر کر کے چت لٹا دینا سنت طریقہ کے خلاف ہے؟ مدلل ومحقق تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت کو قبر میں لٹانے کا جو طریقہ بالاتفاق مسنون ہے، وہی طریقہ میت کو تدفین سے پہلے رکھنے میں بھی سنت ہے، اور اس کے خلاف کرنا خلافِ سنت کہلایا جائے گا، خود سائل نے ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے یہی بات نقل کی ہے اور یہی ہمارے زمانہ میں رائج ہے، اس میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور فقہاء نے جو گفتگو کی ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو نزع کے عالم میں ہو تو اس میں افضل اگرچہ اسی کو کہا ہے کہ اس کو شمال جنوب لٹا کر چہرہ مغرب کی طرف کیا جائے؛ لیکن کسی مصلحت سے اس کے خلاف کرنے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن روح نکلنے کے بعد صحیح بات یہی ہے کہ اس کو ایسے ہی لٹایا جائے گا جیسے قبر میں رکھا جاتا ہے۔

عن إبراهيم النخعي قال: يستقبل بالميت القبلة، وعن عطاء بن أبي رباح نحوه بزيادة: ''على شقه الأيمن''. (فتح القدير ۱۰٤/۲ دار الفكر بيروت)

يوجه إلى القبلة مضطجعاً على شقه الأيمن؛ لأنه السنة المنقولة هذا إذا لم يشق عليه وإلا ترك على حاله، وجعل رجلاه إلى القبلة، والمختار في زماننا أن يلقى على قفاه وقدماه إلى القبلة، قالوا: هو أيسر لخروج الروح، ويرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء هو السنة تفكر. (مجمع الأنهر ۱۷۸/۱-۱۷۹ دار إحياء التراث العربي، ۲٦۳/۱-۲٦٤ فقيه الأمة ديوبند)

وإنما يوجه إلى القبلة على يمينه؛ لأنه السنة المنقولة، واختار مشايخنا بما وراء النهر الاستلقاء على ظهره وقدماه إلى القبلة؛ لأنه أيسر لخروج الروح.

(البحرالرائق ۲/ ۱۷۰ کوئٹہ)

والثاني إذا قرب من الموت يضجع على الأيمن واختير الاستلقاء …… .

والرابع في اللحد يضجع على شقه الأيمن، ووجهه إلى القبلة، هكذا توارثة **السنة**. (البحرالرائق ۲/ ۱۷۰ کوئٹہ)

يوجه المحتضر القبلة على يمينه هو السنة، وجاز الاستلقاء على ظهره وقدماه إليها، وهو المعتاد في زماننا، ولكن يرفع رأسه قليلاً ليتوجه للقبلة، وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح. (شامي ۳/ ۷۷-۷۸ زكريا)

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتبارا بحال الوضع في القبر؛ لأنه أشرف عليه، والمختار في بلادنا الاستلقاء؛ لأنه أيسر لخروج الروح، والأول هو السنة. (فتح القدير ۲/ ۱۰۳، الفقه الحنفي وأدلته ۱/ ۲۸٤ - ۲۸۵، حلبی كبير ٥٧٦، أحكام الجنائز ٥، كتاب الفتاوى ۳/ ۱۳۷، كتاب المسائل ۱/ ٥٤٤، فتاوى محمودیه جدید ۸/ ٤۸۱-٤۸۳، إمداد الأحكام ۲/ ٤۲۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۲/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روح نکلنے کے بعد میت کولٹانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

سوال (٦) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے بنگال میں ایک گاؤں ہے مجیدہ، چندروز قبل وہاں ایک آدمی کا انتقال ہوا، خروج روح کے بعد گھر والوں نے اس کا سر شمال کی طرف، دونوں پیر جنوب کی طرف رکھ کر دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے لٹا دیا تھا اور موت کے بعد مردہ آدمی کو لٹانے کا یہی طریقہ پورے بنگال میں

رائج ہے، پھر اسی محلّہ کا ایک عالم آ کر اسے سر مشرق کی جانب اور دونوں پیر قبلہ کی جانب کر کے لٹا دیا اور اس کا یہ طریقہ سنت ہونے کا لوگوں میں اعلان کیا، جب کہ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۸۷ میں اس طریقہ کو بے اصل اور غلط لکھا ہے، یہاں ایک بات یہ بھی واضح رہے کہ پہلے جس طریقہ پر لٹایا گیا تھا اس میں کوئی پریشانی بھی نہیں تھی، پھر جب اس عالم کی بات دوسرے محلّہ کے ایک اور عالم نے سنی تو اس نے پہلے عالم کی بات کی مخالفت کی اور کہا کہ پہلے جس طریقہ پر لٹایا گیا تھا وہ ٹھیک تھا اور وہی سنت طریقہ ہے؛ لیکن پہلے عالم نے دوسرے عالم کی اس بات کا انکار کیا، تو دونوں میں شدید اختلاف ہوا، ایسی صورت میں دوسرے عالم نے بنگال کے جو بڑے بڑے مدارس ہیں مثلاً معماری، قرض گرام، سامتا، پنڈوا وغیرہ سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں فتویٰ منگوایا، تو ہر مدرسہ والوں نے دوسرے عالم کے موافق یعنی سر شمال کی طرف اور پیر جنوب کی طرف منہ قبلہ کی طرف کر کے دائیں کروٹ پر لٹانا سنت ہونے کا فتوی دیا ہے۔ اور فتح القدیر کی یہ عبارت: **عن إبراهيم النخعي قال: يستقبل بالميت القبلة" وعن عطاء بن رباح نحوه بزيادة" على شقه الأيمن، ما علمت أحداً تركه من ميت؛ ولأنه قريب من الوضع في المعتبر و من اضطجاعه في مرضه، والسنة فيهما ذلک، فكذا فيما قرب منهما.** (فتح القدير ۲/ ۱۰۵) بھی اسی کی طرف مشیر ہے، اس کے باوجود بھی وہ پہلے عالم ماننے کے لئے تیار نہیں ہے؛ لہٰذا مزید معلومات کے لئے ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ روح نکلنے کے بعد میت کو لٹانے کا سنت طریقہ کیا وہی ہے جو یہاں رائج ہے اور جس کے سنت طریقہ ہونے کا فتویٰ یہاں کے مدرسہ والوں نے دیا ہے، یا اور کوئی طریقہ سنت ہے؟ جو بھی طریقہ سنت ہو اس کے متعلق فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں صریح جزیہ ملے تو اسے بھی ضرور نقل فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے علاقوں میں انتقال کے بعد میت کو شمالاً جنوباً

لٹا کر قبلہ رخ رکھا جاتا ہے یہی طریقہ مسنون ہے، اس کے برخلاف میت کا سر مشرق کی طرف کر کے اور پیر قبلہ کی طرف کرنا قریب الموت کے لئے تو مختار ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اس میں خروج روح میں سہولت ممکن ہے؛ لیکن بعد الموت سنت یہی ہے کہ میت کو ایسے رکھا جائے جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے؛ کیوں کہ موت کے بعد علت استلقاء یعنی تسہیل خروج روح پائی ہی نہیں جارہی ہے اور چونکہ حالت موت دفن سے پہلے اور دفن کے بعد یکساں ہے؛ اس لئے وضع فی القبر کی تمام جزئیات قبل الدفن حالت کے لئے بھی دلیل بنیں گی، اس کے لئے صراحۃً الگ سے جزئیہ کی ضرورت نہیں اور ان دلائل کے سامنے آنے کے بعد مذکورہ عالم صاحب کا ضد کرنا مناسب نہیں، انہیں حق بات کی طرف رجوع کر لینا چاہئے اور اس معمولی سے مسئلہ کو نزاع کا سبب نہیں بنانا چاہئے۔

عن إبراهيم النخعي قال: يستقبل بالميت القبلة، وعن عطاء بن أبي رباح نحوه بزيادة ''على شقه الأيمن ما علمت أحداً تركه من ميت''؛ ولأنه قريب من الوضع في القبر ومن اضطجاعه في مرضه، والسنة فيهما ذلک، فكذا فيما قرب منهما. (فتح القدير ٢/ ١٠٤)

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتباراً بحال الوضع في القبر؛ لأنه أشرف عليه. (هداية ١/ ١٧٨)

يوجه إلى القبلة مضطجعاً على شقه الأيمن؛ لأنه السنة المنقولة هذا إذا لم يشق عليه وإلا ترک على ماله، وجعل رجلاه إلى القبلة، والمختار في زماننا أن يلقى على قفاه، وقدماه إلى القبلة قالوا: هو أيسر لخروج الروح، ويرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء هو السنة. (مجمع الأنهر قديم ١/ ١٧٨)

وإنما يوجه إلى القبلة على يمينه؛ لأنه السنة المنقولة، واختار مشايخنا بما وراء النهر الاستلقاء على ظهره، وقدماه إلى القبلة؛ لأنه أيسر لخروج الروح. (البحر الرائق ٢/ ١٧٠ كوئٹه)

والثاني: إذا قرب من الموت يضجع على الأيمن واختير الاستلقاء ......

والرابع: في اللحد يضجع على شقه الأيمن، ووجهه إلى القبلة، هكذا توارثه السنة. (البحر الرائق ۱۷۰/۲، شامي ۷۷/۳-۷۸ زكريا، حلبي كبير ٥٧٦، بدائع الصنائع ۲۲/۲، الجوهرة النيرة ١٤٦/١، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ٥٠٠/١، كتاب الفتاوى ١٣٧/٣، كتاب المسائل ٥٤٤/١، كفايت المفتي ٤٢/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روح نکلنے کے بعد میت کے سر کے نیچے تکیہ لگانا؟

سوال (۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بالغ مرد یا عورت کی روح نکلنے کے بعد سر کے نیچے اگر کوئی تکیہ لگادے تو ناجائز وحرام تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے سر کے نیچے تکیہ رکھنے کی ممانعت کہیں نظر سے نہیں گذری؛ تاہم اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ میت کا چہرہ قبلہ رو رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۴۲/۵)

ثم إذا ألقى على القفا يرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلى القبلة دون السماء. (البحر الرائق / كتاب الجنائز ١٧٠/٢، مجمع الأنهر ١٧٨/١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۰/۲۶ھ

مرتے وقت دودھ بخشوانا؟

سوال (۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے مرنے کے وقت یا مرجانے کے بعد اس کے کان میں دودھ بخشوانا، اور مہر دین معاف کروانا کیسا ہے؟ یا بچوں کی پرورش کے لیے قسم کھانا کیسا ہے یا میں دوسری شادی نہیں کروں گا یہ سب باتیں کیسی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی میں یا مرنے کے بعد دودھ بخشوانے کی رسم بے اصل ہے کیونکہ بچپن میں ماں جو بچے کو دودھ پلاتی ہے اس احسان کا بدلہ اولاد کبھی ادا نہیں کرسکتی ہے پھراس کے بخشنے کا کیا مطلب؟ اور جو شوہر مرجائے تو بیوی کو سامنے لاکر اس سے دین مہر معاف کرانا ایک جبریہ رسم ہے، اس زبردستی کی معافی سے دین مہر معاف نہیں ہوسکتا، اسی طرح بچوں کی پرورش کی قسم کھانا یا بیوی کی وفات پر یہ قسم کھانا کہ میں شادی نہ کروں گا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، شریعت میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے ایسی چیزوں سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۳/۴۴۸، اغلاط العوام ۲۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹے سے ناراضگی کی حالت میں باپ کا انتقال ہوجائے تو بیٹا کیا کرے؟

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد صاحب کا چند دن پہلے انتقال ہوگیا، وہ مجھ سے ناراض تھے، جب سے وہ اللہ کو پیارے ہوئے ہیں، مجھے بہت یاد آتے ہیں، اور خواب میں ڈراؤنی شکل میں آتے ہیں، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ ابا کی ناراضگی کی وجہ سے پوری زندگی مجھ پر پھٹکار پڑے گی، اس سے کس طرح نجات پاسکتا ہوں؟ یہ گناہ کیسے صاف ہوسکتے ہیں، اور میرے ابا اب مجھ سے کس طرح خوش ہوسکتے ہیں، اس کا جواب دے کر میری پریشانی دور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والد صاحب کی وفات کے بعد اب اُن کو خوش کرنے اور اس گناہ کے معافی کی صورت یہ ہے کہ آپ اپنے جرم اور غلطی کی اللہ سے توبہ واستغفار کریں،

اور والد صاحب کی مغفرت وبخشش کے لئے اللہ سے دعا کریں، اور وسعت ہوتو ان کی جانب سے صدقہ وخیرات کرکے یا تلاوتِ قرآن کے ذریعہ ان کے لئے ایصال ثواب کریں، اس عمل سے امید ہے کہ آپ کے والد آپ سے خوش ہوجائیں گے، اور اللہ آپ کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن العبد ليموت والداه أو أحدهما وأنه لهما لعاق فلا يزال يدعو لهما ويستغفر لهما حتى يكتب اللّٰه باراً. (شعب الإيمان للبيهقي ٦/٢٠٦، ٦/٢٠٢ رقم: ٧٩٠٢ دار الكتب العلمية بيروت، مشكوٰة المصابيح، الآداب / باب البر والصلة ٤٢١)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجة رقم: ٤٢٥٠، مشكوٰة المصابيح ٢٠٦)

وفي المرقاة تحته: اعلم أن التوبة إذا وجدت بشروطها المعتبرة فلا شک في قبولهما وترتب المغفرة عليها لقوله تعالىٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (مرقاة المفاتيح، الدعوات / باب الاستغفار والتوبة ٥/٢٧٠ بيروت)

ويغفر مادون ذٰلک لمن يشاء من الصغائر والكبائر مع التوبة. (شرح العقائد النسفية ١١٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۴/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زہر کھا کر مرنے والا ایمان پر مرتا ہے یا نہیں؟

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص زہر کھا کر مرتا ہے تو کیا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں، کیا ایسے شخص کی مغفرت کی کوئی صورت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زہر کھا کر خودکشی کرنا اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے اس کی سزا ملے گی۔ اوراس کے بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ لیکن اس کی وجہ سے آدمی دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوتا، اوراس کی مغفرت ہوسکتی ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تردى من جبل فقتل نفسه فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبدا، ومن تحسى سُمًّا فقتل نفسه فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً. (صحيح البخاري رقم: ٥٧٧٨، صحيح مسلم رقم: ١٠٩، سنن الترمذي رقم: ٢٠٤٤، سنن أبي داؤد رقم: ٣٨٧٢، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٨ رقم: ٣٧٢٨ بيت الأفكار الدولية)

قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: اللّٰهم وليديه فاغفر. (صحيح مسلم ٧٤/١)

من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى عليه به يفتى (درمختار) لأنه فاسق، وإن كان باغيا على نفسه كسائر فساق المسلمين. (درمختار مع الشامي ١٠٨/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۷/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خودکشی کرنے والے کے حق میں والدین کا دعاء مغفرت کرنا؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا زہر کھانے والے شخص کے حق میں اس کے والدین کی دعا قبول ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خودکشی کرنے والے کے حق میں اس کے والدین کی

دعاء مغفرت قبول ہونے کی قوی امید ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خودکشی کرنے والے کے حق میں دعاء مغفرت فرمائی تھی۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم : اللّٰهم وليديه فاغفر. (صحيح مسلم ٧٤/١)

وزاد في المستدرك : ورفع يديه. (المستدرك للحاكم ٨٦/٤، رقم: ٦٩٦٣)

ففيه حجة لقاعدة عظيمة لأهل السنة أن من قتل نفسه أو ارتكب معصية غيرها ومات من غير توبة فليس بكافر، ولا يقطع له بالنار؛ بل هو في حكم المشيئة. (شرح النووي على مسلم ٧٤/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۷/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خودکشی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب کرنا؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا خودکشی کرنے والے شخص کے اقرباء کے لئے مرنے والے کو ثواب پہنچا کر اس کے گناہ عظیم کو معاف کرانے کی کوئی صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے شخص کے حق میں اس کے رشتہ دار ایصالِ ثواب کریں اور مغفرت کی دعا کریں، تو انشاء اللہ قبولیت کی امید ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۰۶/۶، ۴۸۷/۱۷، احسن الفتاویٰ ۱۹۶/۴، کفایت المفتی ۱۷۵/۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ﴾ [النساء: ١١٦]

قال النبى صلى الله عليه وسلم: اللّٰهم وليديه فاغفر. (صحيح مسلم ٧٤/١)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۷/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا خودکشی کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی؟

سوال (۱۳) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص خودکشی کر کے مرجاتا ہے یا وہ ایسی جگہ مرا ہوا پایا جائے کہ اس پر خودکشی کا شبہ کیا جاتا ہے، ویسے تو علماء دین کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے والے کی بخشش نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کے لئے اس کے رشتہ دار وغیرہ قرآن اور دعاء مغفرت کرتے ہیں تو اس کو یہ ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ اور موجب عذاب ہے، مگر خودکشی کرنے والے کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی صحیح نہیں؛ بلکہ اگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے، تو گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد کبھی نہ کبھی اس کی بخشش ہو ہی جائے گی اور اس کے اعزاء واقارب جو ایصالِ ثواب کریں گے وہ بھی اس کو پہنچے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴۸/۱۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ۱۱٦]

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اللّٰهم ولیدیہ فاغفر. (صحیح مسلم ۷٤/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقطوع اللحیہ اور نابینا قیامت میں قبر سے کس حال میں اُٹھیں گے؟

سوال (۱۴) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دوسرے یہ کہ جب انسان قیامت کو اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو کس حال میں اٹھیں گے؟ یعنی جو دنیا میں داڑھی رکھتے تھے تو قبر سے اٹھنے کے بعد ان کے چہروں پر داڑھی ہوگی یا نہیں؟ اور جو لوگ ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوئے یا کسی وجہ سے ان کی بینائی سلب ہوگئی، تو قیامت میں کس حالت میں ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نصوص سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں لوگ اسی طرح ننگے بدن، ننگے پاؤں اور بلا ختنہ اٹھائے جائیں گے، جیسا کہ ان کی حالت ان کی ماں کے پیٹ سے پیدائش کے وقت تھی، نیز اتنی بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو عضو پیدا ہونے کے بعد کاٹ دیا گیا ہے، وہ بھی لوٹا دیا جائے گا؛ البتہ بینائی اور داڑھی کے بال لوٹائے جانے سے متعلق کوئی صریح حدیث نظر سے نہیں گذری۔ ملا علی قاریؒ نے بلا ختنہ کی حالت میں اُٹھائے جانے کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب ختنہ کی کھال کٹنے کے باوجود لوٹائی جائے گی تو دیگر بال ناخن اور دانت بھی لوٹا دئے جائیں گے، مگر یہ صرف قیاس ہے، حدیث کا مضمون نہیں ہے کہ اسے حتمی قرار دیا جاسکے، اس لئے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ میدانِ محشر میں جمع ہونے والوں کے داڑھی ہوگی یا نہیں؛ البتہ اہل جنت کی صفات میں ''جُردٌ مُردٌ'' کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت کے جسم پر بال اور چہرے پر داڑھیاں نہ ہوں گی۔ (ترمذی شریف مع العرف الشذی ۲/۵۱)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنھما عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إنکم محشورون حفاۃ عراۃ غرلاً ثم قرأ: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ (صحیح البخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء / باب: واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلاً ۱/۴۷۳ رقم: ۳۳۴۹، صحیح مسلم، کتاب الجنة / باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامة رقم: ۲۸۶۰، مشکوۃ المصابیح، باب الحشر ۲/۴۸۳)

قال ابن عبد البر: یحشر الآدمي عاریاً ولکل من الأعضاء کان لہ یوم ولد فمن قطع منہ شيءٌ یرد حتی الأقلف. (فتح الباري ۱۱/۳۸۴)

قال العلماء في قولہ: غرلاً إشارۃ إلی أن البعث یکون بعد رد تمام الأجزاء والأعضاء الزائدۃ في الدنیا إلی البدن، وفیہ تاکید لذٰلک فإن القلفة کانت واجبة الإزالة في الدنیا فغیرھا من الأشعار والأظفار والأسنان ونحوھا

أولیٰ. (مرقاة المفاتيح ٥/ ٢٣٦، تفسير مظهري ٦/ ٢٤٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۶/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں مرنے والے کافر کا ٹھکانہ کیا ہے؟

سوال (۱۵) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب رمضان المبارک میں جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، تو جب کافر رمضان المبارک میں مرتا ہے تو اس کا ٹھکانا کہاں ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں جو جہنم کے دروازے رمضان میں بند ہونے کی بات کہی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ رمضان کی برکت سے لوگوں کو اعمالِ صالحہ کی زیادتی کی توفیق ہوتی ہے اور جہنم سے بچاؤ کے اعمال زیادہ کئے جاتے ہیں، اس حالت کو جہنم کے دروازے بند ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار، وصفدت الشياطين.

(صحيح البخاري رقم: ١٨٩٨، صحيح مسلم رقم: ١٠٧٩)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أتاكم شهر رمضان، شهر مبارك فرض اللّٰه عليكم صيامه تُفتح فيه أبواب السماء، وتُغلق فيه أبواب الجحيم، وتُغلُّ فيه مردة الشياطين، للّٰه فيه ليلة خير من ألف شهر، من حُرم خيرها فقد حُرم. (سنن النسائي ٢/ ١٢٩، بيهقي في شعب الإيمان رقم: ٣٦٠٠، الترغيب والترهيب مكمل: ١٥٠٩)

غلقت أبواب جهنم وهو كناية عن امتناع ما يدخل إليها؛ لأن الصائم يتنزه عن الكبائر ويغفرله ببركة الصيام الصغائر. (مرقاة المفاتيح ٢/ ٢٩٢)

اور مرنے کے بعد کفار کی ارواح کا ٹھکانا مقام ''سجین'' ہے، جو جہنم سے الگ کوئی مقام ہے، جہاں عذاب کے اثرات عالم برزخ میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ﴾ [التطفیف: ۷] **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۲/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر ولادت ہوتے ہی زچہ کی روح نکل جائے تو کیا رحم کی صفائی کرانا ضروری ہے؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ولادت ہوتے ہی زچہ کی روح پرواز کرگئی، معالج کا کہنا ہے کہ رحم کی صفائی ضروری ہے ورنہ نجاست نکل نکل کر کفن وغیرہ کو آلودہ کرتی رہے گی، آیا صفائی کرادی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رحم کی صفائی کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ آداب کے مطابق غسل دیتے وقت میت کے پیٹ اور رحم پر ہلکا ہلکا ہاتھ پھیر دیا جائے؛ تاکہ نجاست نکل جائے اور اگر پھر بھی خون نہ رکے تو شرم گاہ پر روئی یا کپڑا وغیرہ رکھنے کی بھی گنجائش ہے۔

أخرج البیهقي عن ابن سیرین قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من غسل میتاً فلیبدأ بعصره. (السنن الکبریٰ للبیهقي ۲۴۳/۵ رقم: ۶۷۲۴)

وأخرج ابن أبي شیبة عنه بقوله: عصرة خفیفة. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۳۷/۷ رقم: ۱۱۰۴۳)

ویمسح بطنه رفیقًا وما خرج منه یغسله...... ولا بأس بأن یجعل القطن علی وجهه وفي مخارقه کدبر وقبل وأذن وفم. (درمختار کراچی ۱۹۸/۲، زکریا ۸۸/۳-۸۹)

وعـن أبـي حـنيفة أنه يجعل القطن والمحلوج في منخريه وفمه، وبعضهم قـالـوا: يـجعل في صماخ أذنيه. وفي الخانية: قال بعضهم: يجعل في دبره أيضاً.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ۷/۳ رقم: ۲۰۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۵/۱۱/۱۴۱۳ھ

پیدا ہوتے ہی مرجانے والے بچہ پر نماز وغسل کا حکم؟

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں پر جب بچہ وغیرہ کا انتقال ہوجاتا ہے یا مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تو اس کو پرانے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیتے ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے یا بچہ پیدا ہوا اور رویا پھر اس کے بعد مرگیا، تو اس صورت میں بچہ کا نام رکھ کر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جو بچہ مردہ پیدا ہوا ہو اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور رونے کی آواز نکالنے کے بعد مرگیا تو اس کو غسل دیا جائے گا، نماز پڑھی جائے گی اور نام بھی رکھا جائے گا، اور باقاعدہ کفن بھی دیا جائے گا۔

أخرج الترمذي عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الطفل لا يصلى عليه، ولا يرث ولا يورث حتى يستهل صارخاً.

(سنن الترمذي، الجنائز / باب ما جاء في ترك الصلاة على الطفل حتى يستهل ۲۰۰/۱ رقم: ۱۰۳۷)

أخرج البيهقي عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه كان لا يصلي على السقط حتى يستهل صارخاً. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۳۰۷/۵ رقم: ۶۸۹۱)

وأخرج ابن حبان وابن ماجة عنه مرفوعاً قال: إذا استهل الصبي صلي

عليه وورث . (صحيح ابن حبان، الفرائض / ذكر الأخبار بأن من استهل من الصبيان عند الولادة ٤٥٣/٥ رقم: ٦٠٤١، سنن ابن ماجة، الجنائز / باب ما جاء في الصلاة على الطفل ١٠٨/١ رقم: ١٥٠٨)

وروي عن أبي حنيفة أنه قال: إذا استهل المولود سمي وغسل وصلي عليه...... ويكفن. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٠/٣ رقم: ٣٥٩٩ زكريا)

ومن ولد فمات يغسل ويصلي عليه ويرث ويورث ويسمیٰ إن استهل.

وفي الشامي: أي ويكفن. (شامي ٢٢٧/٢ كراچی، شامي ١٢٩/٣ زكريا) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲۱/۲۷/ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کی رونمائی

میت کا چہرہ دیکھنے کے لئے ایک جانب سے داخل ہوکر دوسری جانب سے نکلنا؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کی نماز سے قبل میت کا چہرہ دکھانے کا عام رواج ہے، اور لوگ جنازہ کی چارپائی سے ایک طرف سے ہوکر چہرہ دیکھ کر دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں، یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیوں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے، اور یہ جنازہ کی طواف کی شکل بن جاتی ہے، اگر مجمع زیادہ ہوا اور لوگ ایک طرف سے آکر اسی طرف سے لوٹیں گے، تو کیا پریشانی کا باعث نہیں ہوگا؟ برائے کرم رہنمائی کریں کہ میت کا چہرہ دیکھنے کا کیا طریقہ کار ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نظم وانتظام کو باقی رکھنے کے لئے چہرہ دیکھنے والے لوگ چارپائی کے ایک طرف سے آکر دوسری طرف نکلتے رہیں، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ صورت طواف کے مشابہ نہیں ہے، اور طواف کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ہے۔

الطواف لغة: الدوران حول الشيء، وشرعاً هو الدوران حول البيت الحرام. (الموسوعة الفقهية ۲۹/ ۱۲۰، قواعد الفقه ۳۶۵، غنية الناسك قديم ۵۷، بدائع الصنائع ۲/ ۳۰۷، انوار مناسك ۱۳۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کے لئے متوفی بیوی کا چہرہ دیکھنا اور غسل دینا؟

سوال (۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے معاشرہ میں خاص طور سے ایک بات بہت کثرت سے دیکھی وسنی جاتی ہے، کہ عورت کے انتقال کے بعد اس کا شوہر اس کی شکل نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی اس کے جنازہ کو کاندھا دے سکتا ہے؛ کیوں کہ عورت اس کے نکاح سے باہر ہوجاتی ہے، اس کے لئے نامحرم ہوجاتی ہے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ نیز یہ بھی بتائیے کہ متوفی بیوی کو غسل دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انتقال کے بعد شوہر بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے، اور اس کے جنازہ کو کاندھا بھی دے سکتا ہے؛ البتہ اس کو غسل دینا اور اس کے بدن کو چھونا اس کے لئے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۴۷)

عن الشعبي قال: إذا ماتت المرأة انقطع عصة ما بينها وبين زوجها، وعنه قال: لا يغسل الرجل امرأته. (المصنف لابن أبي شيبة ۱۴٦/۷ رقم: ۱۱۰۹۱)

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح وهي لا تمنع من ذٰلک. (تنوير الأبصار) **وقال الشامي: أي من تغسيل زوجها ......، بخلاف ما إذا ماتت فلا يغسلها لانتهاء ملک النكاح لعدم المحل فصار أجنبياً.**

(شامي ۹۰/۳-۹۱ زكريا، شامي ۸۵/۳-۸٦ بيروت، مجمع الأنهر ۲٦٦/۱ مكتبه فقيه الأمت، طحطاوی ۳۱۳، بهشتی زیور ۵۴/۲، امداد الاحكام ۴۳٦/۲)

ولا يحل له أن يمسّ وجهها ولا كفها بخلاف النظر. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۹۵/۱۸ رقم: ۲۸۱۴۷ زكريا)

ولنا ما روي عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن امرأة تموت بين رجالٍ، فقال: "تُيممَ بالصعيد" ولم يفصل بين

أن يـكـون فيهم زوجها أو لا يكون. ولأن الـنـكـاح ارتـفـع بموتها فلا يبقى حل الـمـس والنظر؛ كما لو طلقها قبل الدخول، ودلالة الوصف أنها صارت محرمة عـلـى التـأبيد، والحرمة على التأبيد تنافي النكاح ابتداءً وبقاءً، وإذا زال النكاح صـارت أجنبية فبطل حل المس والنظر. (بـدائـع الصنائع، كتاب الصلاة / باب المرأة تغسل زوجها ۲/ ۳۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۳/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر متوفیہ بیوی کے ساتھ کیسا معاملہ کرے؟

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شوہر بیوی کی میت کو چھو سکتا ہے یا نہیں؟ دیدار کر سکتا ہے یا نہیں؟ جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟ قبر میں اتارنے میں مدد کر سکتا ہے یا نہیں؟ جنازہ کی نماز کے لئے اجازت شوہر دے گا یا باپ بھائی یا اولاد؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر متوفیہ بیوی کو دیکھ سکتا ہے اور جنازہ کو کاندھا دے سکتا ہے اور ضرورت ہو تو قبر میں اُتارنے میں کفن کے اوپر سے ہاتھ لگا کر مدد بھی کر سکتا ہے، مگر بلا حائل اس کے بدن کو چھونا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ (بہشتی زیور تاج ۱۴۱)

ذو الـرحـم المحرم من غيرهم، وكذا ذو الرحم غير المحرم أولىٰ من الأجنبي، فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٦٦، البحر الرائق ۲/ ۱۹۳ کوئٹہ)

اور متوفیہ کی نماز جنازہ کی اجازت اولاد اور باپ وغیرہ کا حق ہے، اگر متوفیہ کا کوئی ولی نہ ہو تو شوہر کا حق ہوگا؛ لیکن اگر متوفیہ کی اولاد اسی شوہر سے ہو تو اولاد کے لئے اپنے باپ (شوہر) کو اجازت کا حق دینا از روئے سنت واجب ہے۔

وهٰذا يفيد أن الحق للإبن عندهما إلا أن السنة أن يقدم هو أباه ويدل عليه قولهم سائر القرابات أولىٰ من الزوج إن لم يكن له منها ابن فإن كان فالزوج أولىٰ منهم لأن الحق للإبن وهو أن يقدم أباه ولا يبعد أن يقال: إن تقديمه على نفسه واجب بالسنة. (شامي ٢/٢٢١ كراچى، شامي ٣/١٢١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۳/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر محرم عورت کا مرد کی میت کو دیکھنا؟

سوال (۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس طرح عورت کی میت کو دیکھنا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے، کیا مرد کی میت کو غیر محرم عورت کے لئے دیکھنا جائز ہے؟ ابھی حال میں میرے دوست کی موت ہوئی تو دور دور تک کی عورتوں کو میت کی صورت دکھائی، کسی کو ایسا کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر محرم عورتوں کے لئے جس طرح بحالت حیات اجنبی مردوں کو بالقصد دیکھنا منع ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی دیکھنا منع ہے، اس لئے آئندہ ان چیزوں پر پابندی اور روک لگانے کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۲۶۷، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۹۲)

قال تعالىٰ: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ [النور، جزء آيت: ٣١]

وفي حديث أم سلمة رضي اللّٰه عنها فقلت يا رسول اللّٰه! أليس هو أعمىٰ لا يبصرنا؟ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه.

(سنن أبي داؤد رقم: ٤١١٢، سنن الترمذي رقم: ٢٧٧٨، مشكوٰة المصابيح ٢٦٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا غیر مسلم عورت مسلمان میتہ عورت کا چہرہ دیکھ سکتی ہے؟

سوال (۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے پڑوس میں غیر مسلم رہتے ہیں، ہماری والدہ کا جب انتقال ہوا تو ہمارے پڑوس کی غیر مسلم عورتیں ان کا چہرہ دیکھنے کے لئے ہمارے گھر آئیں، جب انہوں نے چہرہ دیکھنا چاہا تو بعض عورتوں نے انہیں چہرہ دیکھنے سے منع کردیا کہ تم سے پردہ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ غیر مسلم عورت کو مسلم میت عورت کا چہرہ دکھا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا غیر مسلم عورت سے پردہ ہے، عدت میں غیر مسلم عورت سے پردہ کیا جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان عورتوں کا غیر مسلم عورتوں سے پردہ کرنا کم از کم مستحب ضرور ہے؛ لہٰذا مسلم میت کا چہرہ دیکھنے سے کافر عورتوں کو روکنے کی گنجائش ہے، اور عدت یا بلا عدت کسی بھی حال میں غیر مسلم عورتوں کے سامنے بے پردگی یعنی بال اور زینت کے مواقع ظاہر کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

لا يحل للمسلمة أن تنكشف بين يدي يهودية أو نصرانية أو مشركة إلا أن تكون أمة لها. (شامي ۹/۵۳٤ زكريا)

وقال ابن حجرؒ: الأصح تحريم نظرها إلى ما لا يبدو في المهنة من مسلمة غير سيدتها ومحرمها ودخول الذميات على أمهات المؤمنين الوارد في الأحاديث الصحيحة دليل لحل نظرها منها ما يبدو في المهنة، وقال الإمام الرازي: المذهب أنها كالمسلمة والمراد بنسائهن جميع النساء وقول السلف محمول على الاستحباب وهٰذا القول أرفق بالناس اليوم فإنه لا يكاد يمكن احتجاب المسلمات عن الذميات. (روح المعاني ۱۸/۲۱۱ أشرفية، معارف القرآن ٦/٤٠٤)

وحديث ثوبان يدل على أن الملائكة تحضر الجنائز، والظاهر أن ذٰلک

عـام مـع المسلمين بالرحمة و مع الكفار باللعنة. (مـرقـاة المفاتيح / باب المشي بالجنازة والصلاة عليها ٤/ ١٦٠ رشيدية رقم: ١٦٧٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱؍۷؍۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بالغ لڑکے کی میت کو اَجنبی دیکھ سکتی ہے؟

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر میت مرد ہو جو بالغ بھی ہو اور اس کو اجنبی بالغہ عورت دیکھتی ہے، تو کیا حکم ہے؟ ہمارے علاقہ میں بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں، جب کہ زندہ ہونے کی حالت میں عورت کا مرد کو بغیر شہوت کے دیکھنا علماء جائز قرار دیتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بالقصد اجنبی مردوں کو دیکھنا عورت کے لئے فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے، اگر اتفاق سے مرد پر نظر پڑجائے یا کسی ضرورت سے اسے دیکھنا پڑے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن انتقال کے بعد اس طرح کی کوئی ضرورت نہیں پائی جاتی، اس لئے بہرحال اجنبی عورتوں کو میت کا چہرہ دیکھنے سے منع کیا جائے گا۔

مستفاد: عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل والمرأة إلى عورة المرأة. (صحيح مسلم / الحيض ١/ ١٥٤ قم: ٣٣٨، كذا في المستدرك للحاكم أبي عبد الله ١/ ٢٣٥ رقم: ٥٦٠، الفتاویٰ التاتارخانية ٨/ ٩٠ رقم: ٢٨١٣١ زكريا)

فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام، وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فمنع من الشابة إلا النظر لا المس لحاجة كقاض وشاهد يحكم. (شامی زكريا ٩/ ٥٣٢)

وفـي الهـداية: أن نظر المرأة إلى الرجل الأجنبي بمنزلة النظر إلى محارمه، ولا تمس شيئاً منها . (هداية، فتاوی دار العلوم ٢٦٧/٥، فتاوی رحيميه ٩٢/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آخری دیدار کیلئے نماز جنازہ کے بعد میت کا منہ دیکھنا؟

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مقامات پر کسی بھی شخص کے انتقال پر بہت سی عورتیں میت کے گھر بطور تعزیت جمع ہوجاتی ہیں، جس کی وجہ سے میت کے بہت سے مرد اعزہ واحباب ورشتہ دار میت کے مکان پر میت کا آخری دیدار نہیں کر پاتے؛ لیکن جب جنازہ عیدگاہ پہنچ جاتا ہے تو نماز جنازہ سے پہلے میت کے آخری دیدار کے لئے چہرہ کھول دیا جاتا ہے، جو لوگ میت کے مکان پر خواتین کے ہونے کی وجہ سے چہرہ دیکھنے سے محروم رہ جاتے ہیں، وہ اور نماز جنازہ میں شریک ہونے والے دیگر حضرات بھی اس موقع پر چہرہ دیکھ لیتے ہیں، واضح رہے کہ یہ عمل (دیدار) ضروری تصور نہیں کیا جاتا، اور چہرہ صرف مرد میت کا دیکھا جاتا ہے، شرعی طور پر اس کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل بات تو یہ ہے کہ چہرہ دیکھنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ اس کے لئے باقاعدہ اہتمام کیا جائے؛ تاہم اگر کوئی چہرہ دیکھنا چاہے تو نماز جنازہ سے قبل دکھانے کی اجازت ہے، نماز کے بعد نہ دکھایا جائے؛ کیوں کہ اس میں دفن میں تاخیر لازم آتی ہے، اور جہاں یہ رونمائی باقاعدہ رسم کی صورت اختیار کرلے وہاں اس پر روک ٹوک کرنی چاہئے۔

ولا بـأس بأن يرفع ستر الميت ليرى وجهه وإنما يكره بعد الدفن. (الفتوی الهندية ٣٥١/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کے بعد میت کی اجتماعی رونمائی کا اہتمام کرنا؟

سوال (۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر رام پور میں میت کا چہرہ دیکھنا نماز جنازہ کے بعد ایک رواج بن گیا ہے کہ میت کا ولی نماز جنازہ کے بعد اعلان کرتا ہے کہ: ''جس کو دیکھنا ہے دیکھ لیں'' اور باقاعدہ میت کا چہرہ دکھلایا جاتا ہے، جب کہ کچھ لوگ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوتے، وہ صرف اِسی غرض سے باہر کھڑے رہتے ہیں کہ ہم نماز کے بعد میت کا چہرہ دیکھیں گے۔ اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کر کے مع حوالہ کے جواب سے نوازدیں؛ تاکہ اس رواج سے لوگ بچ سکیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی حکم یہ ہے کہ انتقال کے بعد میت کی جلد از جلد تجہیز وتکفین اور تدفین کی جائے، بلا کسی خاص وجہ کے ہرگز تاخیر نہ کی جائے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں میت کی رونمائی کی رسم جس کی وجہ سے خواہ مخواہ نماز جنازہ اور تدفین میں تاخیر ہوتی ہے، ممنوع اور قابلِ ترک ہے، علماء کو اس پر نکیر کرنی چاہئے۔

قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أسرعوا بالجنازۃ، فإن تک صالحۃ فخیر تقدمونہا إلیہ، وإن تک سوی ذٰلک فشر تضعونہ عن رقابکم. (سنن أبي داؤد ۱/۴۵۳)

عن عائشۃ رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہا قالت: قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من أحدث في أمرنا ہٰذا ما لیس منہ فہو رد. (صحیح البخاري ۱/۳۷۱، أحسن الفتاوی ۴/۲۱۹، فتاویٰ محمودیہ ۹/۷۹ ڈابھیل، کفایت المفتی ۴/۴۴، إیضاح المسائل ۷۳، فتاوی رحیمیہ ۵/۹۰)

ویبادر إلی تجہیزہ ولا یؤخر. (الفتاویٰ الہندیۃ ۱/۱۵۷)

کما قال الشامي: ویسرع في جہازہ لما رواہ أبوداؤد عنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما عاد طلحۃ بن البراء وانصرف، قال: ما أری طلحۃ إلا قد حدث فیہ الموت فإذا مات فأذنوني حتی أصلي علیہ وعجلوا بہ؛ فإنہ لا ینبغي لجیفۃ مسلم

أن تحبس بين ظهراني أهله. (شامي / صلاة الجنازة ۸۳/۳ زكريا)

نیز بعض دفعہ میت پر آثارِ آخرت کا ظہور ہونے لگتا ہے، خدانخواستہ صورت میں تغیر آجائے یا کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو ایک مسلمان کی ہتک حرمت اور افشاء عیب لازم آتا ہے، جو شرعاً ممنوع ہے۔

كما قال الشامي: وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يجب ستره أن يستره ولا يحدث به؛ لأنه غيبة وكذا إذا كان عيباً حادثاً كسواد وجهٍ ونحوه.

(شامي / باب صلاة الجنازة ۹۵/۳ زكريا)

لہٰذا یہ رسم قابلِ ترک ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۷۴، احسن الفتاویٰ ۲۱۹/۴، فتاویٰ رحیمیہ ۱۱۰/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۷/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد قریبی رشتہ دار کا کفن کھول کر دیکھنا؟

سوال (۲٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد انفرادی طور سے کسی خاص رشتہ دار یا قریبی کا کفن کی گرہ کھول کر چہرہ کے دیکھنے کی کہاں تک گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انفرادی طور پر صرف قریبی افراد کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ (کفایت المفتی ۵۰/۴)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي صلي اللّٰه عليه وسلم، قال لهم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه. (سنن ابن ماجة / باب النظر إلى الميت ١٠٦)

سـألت يوسف بن محمد عمن يرفع الستر عن وجه الميت ليراه؟ قال: لا بأس به. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۷۸ رقم: ۳۷۵۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کے بعد لائن سے میت کا چہرہ دکھانا؟

سوال (۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے جنازہ کی نماز کے بعد باقاعدہ اہتمام سے لائن بنا کر اور بغیر لائن اجتماعی طور پر سے جنازہ میں اکثر شرکت کرنے والوں کا میت کا چہرہ کھول کر منہ دیکھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دکھانے کی مذکورہ رسم کا التزام بے اصل اور ممنوع ہے، جس کا ترک لازم ہے۔

قـال الـنبي صـلـى اللّٰه عليه وسلم: أسرعوا بالجنازة، فإن تک صالحة فخير تقدمونها إليه، وإن تـک سوى ذٰلک فشر تضعونه عن رقابكم. (سنن أبي داؤد ۱/۴۵۳)

عـن عـائشة رضـي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري ۱/۳۷۱)

ويبـادر إلـى تجهيزه ولا يؤخر. (الـفتـاویٰ الهندية ۱/۱۵۷، أحسن الفتاوى ۴/۲۱۹، فتاویٰ محمودیہ ۹/۷۹ ڈابھیل، كفايت المفتی ۴/۴۴، فتاوی رحیمیہ ۵/۱۰۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کے بعد دور سے آنے والے رشتہ دار کو میت کا چہرہ دکھانا؟

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کے لئے مع حوالہ مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کا حوالہ دیں، اگر مکروہ ہے تو وہ مکروہِ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نیز کوئی آدمی دور سے سفر کر کے ایسے وقت پہنچا ہے کہ جنازہ کی نماز ہو چکی ہے، یا میت کو قبر میں اُتارا جارہا ہے، تو ایسے وقت میں جب کہ اسے قبر میں رکھ دیا گیا ہو کفن کھول کر دکھانا جائز ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد باقاعدہ عمومی طور پر چہرہ دکھانا ممنوع ہے؛ اس لئے کہ اس کی وجہ سے بلاوجہ دفن میں تاخیر ہوتی ہے، اور اگر میت میں تغیر آجائے تو ایک مسلمان کی ہتکِ عزت و ہتکِ حرمت بھی لازم آجاتی ہے، جو کسی طرح مناسب نہیں۔ نیز سلفِ صالحین سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے؛ البتہ اگر اتفاقاً کسی قریبی عزیز کے اُسی وقت آنے کی وجہ سے چہرہ دکھایا جائے جس کی بنا پر دفن میں تاخیر لازم نہ آئے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اور ایسے شخص کے لئے قبر میں رکھنے کے بعد بھی دکھانا منع نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد باقاعدہ چہرہ دکھانے کا اہتمام ثابت نہیں؛ البتہ ضرورت کی بنا پر کسی قریبی عزیز کو دکھانا منع نہیں، عام یا غیر متعلق آدمی کو نہ دکھایا جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۴۷، احسن الفتاوی ۲۱۹/۴، کفایت المفتی ۴۴/۴)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة فإن تک صالحة فخير تقدمونها إليه، وإن تک سوی ذٰلک فشر تصنعونه عن رقابكم. (صحيح البخاري ١٧٦/١ رقم: ١٣١٥، صحيح مسلم ٩٤٤، إعلاء السنن ٢٤٥/٨)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي صلي اللّٰه عليه وسلم، قال لهم النبي صلی اللّٰه عليه وسلم: لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه. (سنن ابن ماجة / باب النظر إلى الميت ١٠٦)

ويسرع في جهازه لما رواه أبو داؤد عنه صلی اللّٰه عليه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال: ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فإذا

مـات، فـأذنـونـي حتى أصلي عليه عجلوا به، فإنه لاينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (شامي ۳/۸۳ زكريا)

سألت يوسف بن محمد عمن يرفع الستر عن وجه الميت ليراه؟ قال: لا بأس به. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۷۸ رقم: ۳۷۵۸ زكريا)

ويبـادر إلـى تجهيزه ولا يؤخر، فإن مات فجاءة ترك حتى يتيقن بموته. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۳/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں میت کی زیارت کرانا؟

سوال (۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں میت لے جانے کے بعد ان کے باہر سے آئے ہوئے رشتہ دار اور عام لوگ جو کہ مرد ہوں یا عورت، ان کو قبرستان میں میت کی صورت دکھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز قبرستان کے بیرونی حصہ میں میت کی زیارت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح میت کا چہرہ دکھلانا بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کوئی تاکید واہتمام منقول نہیں ہے، کفن کا بندھن باندھنے کے بعد چہرہ کھولنا مناسب نہیں ہے، بعض مرتبہ اسی وقت سے آثار برزخ شروع ہوجاتے ہیں، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

كما قال الشامي: ويسرع في جهازه لما رواه أبوداؤد عنه صلى الله عليه وسلـم لـمـا عاد طلحة بن البراء وانصرف، قال: ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت فإذا مات فأذنوني حتى أصلي عليه وعجلوا به؛ فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (شامي / صلاة الجنازة ۳/۸۳ زكريا)

كـمـا قال الشامي: وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يجب ستره أن يستره ولا يحدث به؛ لأنه غيبة وكذا إذا كان عيباً حادثاً كسواد وجهٍ ونحوه.

(شامي / باب صلاة الجنازة ۳/ ۹۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۳/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل میت سے متعلق مسائل

کیا حضور ﷺ نے کسی صحابی کو غسل دیا ہے؟

سوال (۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کسی حدیث پاک یا کلام پاک کی آیت میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو غسل میت دیا ہے یا نہیں، اگر دیا ہے تو کس صحابی کو دیا؟ ان کا نام تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو غسل دینے کے متعلق کوئی صراحت دستیاب نہیں ہوسکی؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل میت کی ترغیب دی ہے، اور میت کو غسل دینے والے کے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی ہے۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من غسل میتاً خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه. (مجمع الزوائد ۳/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۳/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو غسل کب دیا جائے؟

سوال (۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا صبح ۵/ بجے انتقال ہوگیا بعد نماز ظہر تدفین ہے، کیا زید کو عین ظہر کے وقت نہلائیں یا سویرے نہلا کر کفنا دیں؟ ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ دفن کرنے سے ایک گھنٹہ پہلے نہلانا شروع کرتے ہیں، ہمارے امام صاحب کا کہنا ہے کہ میت کو جتنی جلدی ہوسکے، نہلا کر کفنا کر پاک صاف

کرکے رکھنا چاہئے ،اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ شرعاً امام صاحب کاقول بہتر ہے کہ میت کوغسل فوراً دے دینا چاہئے، یاجورواج عین تدفین کے وقت غسل دینے کا ہے اس کو باقی رکھنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انتقال کے بعد تجہیز وتکفین میں جلد کرنے کے حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ میت کوجلدی نہلا کر جلد ہی دفن کر دیا جائے ؛لیکن بعض مرتبہ نماز میں دیر ہوتی ہے، اور جلد نہلا کر رکھ دینے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ میت کے بدن سے کوئی رطوبت نکلے اور کفن خراب ہو جائے ،اس لئے اگر نمازِ جنازہ کے مقررہ وقت سے کچھ دیر پہلے نہلایا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

عن الحصين بن وحوح أن طلحة بن البراء مَرِضَ، فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: إني لا أرى طلحة إلا قد حدث به الموت، فآذنوني به، حتى أشهده وأصلي عليه، وعجلوا؛ فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الجنائز / باب ما يستحب من التعجيل بتجهيزه إذا بان موته ٣٨٦/٣ رقم: ٦٤١٢ مكتبة دار الباز مكة المكرمة، ٨٩/٤ رقم: ٦٦٢٠ دار الحديث القاهرة)

قال الطيبي: إن المؤمن عزيز مكرم، فإذا استحال جيفة ونتناً استقذرته النفوس، وتنفر عنه الطبائع، فينبغي أن يسرع فيما يواريه. (شرح الطيبي ٣٤١/٣ بحواله: بذل المجهود ٤٣٧/١٠ جديد)

ويبادر إلى تجهيزه ولا يؤخر. (١٥٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روح قبض ہوتے ہی غسل دیں یا تدفین کے وقت؟

سوال (۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: روح قبض ہونے کے فوراً بعد میت کو غسل دے دینا چاہئے یا دفن کے وقت غسل دیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب موت کا یقین ہو جائے تو فوراً تجہیز و تکفین شروع کر دینی چاہئے۔

مستفاد: عن الحصین بن وحوح أن طلحة بن البراء مَرِضَ، فأتاه النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یعوده، فقال: إني لا أری طلحة إلا قد حدث فیه الموت، فآذنوني به، وعجلوا؛ فإنه لا ینبغي لجیفة مسلم أن تحبس بین ظهراني أهله.

(أخرجه أبوداؤد في کتاب الجنائز، باب تعجیل الجنازة وکراهیة حبسها ۲/ ٤٥٠ رقم: ٣١٥٩)

ویبادر إلی تجهیزه ولا یؤخر. (الفتاویٰ الهندیة ١/ ١٥٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۵/۱۱/۱۴۱۳ھ

میت کو بیری یا نیم کے پتوں میں پکائے ہوئے پانی سے غسل دینا؟

سوال (۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مردہ کو بیری کے پتوں میں پکایا ہوا یا نیم کے پتوں کے پانی سے نہلانا کیسا ہے؟ حالاں کہ اس وقت اچھے سے اچھے صابن آ گئے ہیں کہ انسان کے جسم سے میل کچیل ایک بار استعمال کرنے سے صاف ہو جاتا ہے، بہتر کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیری کے پتوں میں پکے ہوئے پانی سے میت کو غسل دینا صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس سے بدن کا میل کچیل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے، اگر یہ میسر نہ ہوں تو صابن لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بہتر یہی ہے کہ بیری کے پتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے؛ تاکہ سنت کی موافقت ہو سکے۔

عن محمد عن عطية قالت: دخل علينا رسول الله ﷺ ونحن نغسل ابنته فقال: إغسلنها ثلاثا أو خمسا أو أكثر من ذٰلک بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافوراً. (صحيح البخاري ١٦٧/١ رقم: ١٢٤٠)

عن الحسن أنه قال في الميت: اغسله بسدر، فإن لم يوجد سدر فخطمي، فإن لم يوجد خطمي فبأشنان. (المصنف لا بن أبي شيبة، الجنائز، في الميت إذا لم يوجد له سدر يغسل بغيره: خطمي أو أشنان ١٣٥/٧ رقم: ١١٠٢٩)

عن الحسن قال: يغسل أول غسلة بماء قراح والثانية بماء سدر. (المصنف لابن أبي شيبة ١٣١/٧ رقم: ١١٠١٩)

عن إبراهيم قال يوضأ الميت وضوءه للصلاة ثم يغسل بماء، ثم يغسل بسدر ماء، ثم يغسل بماء. (المصنف لابن أبي شيبة ١٣٤/٧ رقم: ١١٠٢٤)

ويصب عليه ماء مغلى بسدر إن تيسر وإلا فبماءٍ خالصٍ مغلى إن وجد وإلا فبالصابون ونحوه. (شامي ١٩٦/٢ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے تخت کو لوبان وغیرہ سے دھونی دینا؟

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جس تخت پر میت کو غسل دیا جائے اس کو لوبان یا کسی خوشبودار چیز کی دھونی دینا قرآن و حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس تخت پر میت کو غسل دیا جاتا ہے اس کو دھونی دینے کا ذکر صراحۃً کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا؛ لیکن حضرات فقہاء نے تعظیم میت اور بدبو وغیرہ

سے بچنے کی غرض سے میت کی چار پائی یا تختہ کو دھونی دینے کی صراحت فرمائی ہے۔ بریں بنا غسل کے وقت تختہ کو دھونی میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ کوئی لازم نہیں ہے اسے ضروری یا واجب نہ سمجھا جائے۔

ويوضع كما مات كما تيسر في الأصح على سرير مجمر وتراً إلى سبع فقط (درمختار) وتحته في الشامية: أي أنه يوضع على السرير عقب تيقن موته، وقيده القدوري بما إذا أرادوا غسله، والأول أشبه، في الزيلعي قوله: مجمر، فيه إشارة إلى أن السرير يجمر قبل وضعه عليه تعظيما، وإزالة للرائحة الكريهة منه.

(درمختار مع الشامي ۳/۸٤-۸۵ زكريا)

فيوضع كما مات على سرير مجمر أي مبخر إخفاء لكريه الرائحة وتعظيما للميت بنحو عود ثم المتبادر إن فعل ذٰلک قبل وضعه عليه، وقيل: عند إرادة غسله إخفاء للرائحة الكريهة. عيني. وظاهر كلام المؤلف الثاني.

(طحطاوي على مراقي الفلاح ٥٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تختے کو لوبان کے بجائے اگربتی کی دھونی دینا؟

سوال (۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نہلانے کے تختے اور چار پائی کفن کو جو لوبان کی دھونی دی جاتی ہے، کیا لوبان کی دھونی نہ دے کر اگربتی کی دھونی بھی دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بظاہر لوبان کی تخصیص کی صراحت نظر سے نہیں گذری، اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حکم لوبان کا ہے وہی حکم اگربتی کا ہے؛ اس لئے کہ مقصود خوشبو پھیلانا ہے، جو اگربتی سے حاصل ہے۔

ويوضع على سرير مجمر ككفنه، وفي الشامي: أي مبخر إخفاء للرائحة الكريهة، وفي الطحطاوي: أي مبخر بنحو عود. (حاشية الطحطاوي ٥٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردے کو نہلاتے وقت خوشبو ملنا؟

سوال (۳٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردہ کو نہلاتے وقت عرقِ گلاب یا عطر یا اس جیسی خوشبو لگانا کیسا ہے؟ یا قبر میں مردہ کے اوپر ڈالنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو نہلاتے وقت پانی میں کافور ملانے کا ثبوت ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے عرقِ گلاب یا کوئی بھی خوشبو پانی میں ملانا جائز ہوگا، اور نہلانے کے بعد میت کے بدن پر عطر وغیرہ خوشبو لگانا بھی ثابت ہے؛ لیکن مردے کو قبر میں رکھنے کے بعد اوپر سے خوشبو چھڑکنا ثابت نہیں ہے، اور اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

عن أم عطية قالت: لما ماتت زينب بنت رسول الله ﷺ، قال لنا رسول الله ﷺ: إغسلنها وترا ثلاثا أو خمسا واجعلن في الخامسة كافوراً أو شيئا من كافور، إلى آخر الحديث. (صحيح مسلم ٣٠٥/١، صحيح البخاري ١٦٧/١ رقم: ١٢٣٩)

عن خالد بن أبي بكر قال: سمعت سالمًا وعبيد الله بن عبد الله إذا ذكر لهما طيب الميت قالا: إجعلوه بينه وبين ثيابه. (المصنف لابن أبي شيبة ١٥٦/٧ رقم: ١١١٢٩ قديم ٢٥٥/٣)

أخرج البخاري تعليقاً، فقال: وحنّط ابن عمر رضي الله عنهما ابناً لسعيد بن زيد......الخ. (صحيح البخاري ١٦٧/١)

ووصله الإمام مالک عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر حنّط ابناً لسعيد بن زيد . (الموطأ لإمام مالك، الطهارة / باب ما لا يجب منه الوضوء ٥٢ رقم: ١٨)

ويوضع الحنوط في رأسه ولحيته وسائر جسده. وفي السغناقي: الحنوط عطر مركب من أشاء طيبة. وفي القدوري: ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران وغير الورس في حق الرجل. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠/٣ رقم: ٣٦٥٣ زكريا)

ثم يمسح به أي بماء زمزم وجهه ورأسه ويصب على رأسه قليلاً منه إن تيسر له ذٰلک والتوضأ بماء زمزم والاغتسال به جائز. (مناسك الملا على قارى ٦٣٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو کافور لگانا؟

سوال (۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کافور ملنے کا کیا مسئلہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے اعضاءِ سجدہ پر کافور لگانے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس کا اہتمام کرنا مسنون ہے۔

عن أم عطية قالت: لما مات زينب بنت رسول اللّٰه ﷺ قال: إغسلنها وترا ثلاثا أو خمسًا واجعلن في الخامسة كافوراً أو شيئا من كافور. (صحيح مسلم ٣٠٥/١، صحيح البخاري ١٦٨/١، الموطأ لإمام مالك ٧٧)

عن علقمة عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: الكافور يوضع على مواضع السجود. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٧٥/٥ رقم: ٦٨٠٦)

والكافور على مساجده كرامة لها وتحية، وفي الشامية: مواضع سجوده وهو الجبهة والأنف والبدن والركبتان والقدمان، وسواء فيه المحرم وغيره ويغطي رأسه. (شامي ۲/ ۱۹۷ کراچی، شامي ۳/ ۸۵ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/ ۲۹ زکریا)

فإنه كان يسجد بهذه الأعضاء فتختص بزيادة كرامة وصيانة لها عن سرعة الفساد. (شامي ۳/ ۸۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/ ۲/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کے سر پر اور مرد کی داڑھی پر عطر کی جگہ کافور ملنا؟

سوال (۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو نہلانے کے بعد سر اور داڑھی پر عطر لگاتے ہیں، میت عورت ہے تو صرف سر پر عطر لگاتے ہیں باقی اعضاء مساجد پر کافور لگاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میت کے سر اور داڑھی یا عورت میت کے سر پر عطر کی جگہ کافور لگا سکتے ہیں؟ کیا سر پر کافور لگانے سے عطر کی سنت ادا ہوجائے گی یا عطر ہی لگانا چاہئے؟ بہشتی زیور حصہ ۲/ ۷۹ عبارت کا کیا مطلب ہے؟ ''کافور سر اور داڑھی اور سجدہ کے موقعوں پر مل دو''؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کافور بھی ایک خوشبو ہے؛ لہٰذا خوشبو لگانے کی سنت اس سے بھی ادا ہوجائے گی، اور خاص طور پر اعضاء سجدہ، سر اور داڑھی پر کافور لگانے کی تاکید اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے یہ اعضاء جلدی کیڑوں کی غذا بننے سے محفوظ رہتے ہیں۔

ثم يوضع الحنوط على رأسه ولحيته، والكافور على مساجده، لما روي عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه قال: وتتبع مساجده بالطيب، يعني بالكافور، ولأن تعظيم الميت واجب، ومن تعظيمه أن يطيب لئلا تجيء منه رائحة منتنة

وليصان عن سرعة الفساد. (بدائع الصنائع ٢/ ٤٠)

ويجعل الحنوط في لحيته ورأسه وسائر جسده، وإن لم يكن حنوط لايضره ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس والكافور على مساجده، يعني جبهته وأنفه وكفيه وركبتيه وقدميه لفضيلتها، والرجل والمرأة في ذلك سواء. (الجوهرة النيرة ١/ ١٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے اعضاء مساجد پر کافور کے بجائے عطر لگانا؟

سوال (۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے سر اور داڑھی پر جو عطر اور اعضاءِ مساجد پر کافور لگاتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر اعضاءِ مساجد پر کافور نہ لگائیں؛ بلکہ عطر ہی لگادیں تو کیا کافور کی سنت ادا ہو جائے گی؟ یا کافور ہی لگانا مسنون ہے، مرد عورت دونوں کا حکم ایک ہے یا الگ؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعضاءِ مساجد پر کافور ملنے کا مقصد اُن اعضاء کی تعظیم وتکریم اور جلد از جلد کیڑوں کی غذا بننے سے بچانا ہے، اور یہ مقصد دوسری خوشبوؤں اور عطر سے حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے عطر ملنے سے کافور کی سنت ادا نہ ہوگی؛ لہٰذا جہاں تک ہوسکے کافور ہی ملا جائے۔

ويجعل الكافور على مساجد ليطرد الدود عنها، وفي الطحطاوي: هنا حكمة تخصيص الكافور، فتخصيص بزيادة إكرام لها، أي لما كانت هذه الأعضاء يسجد بها خصت بزيادة إكرام صيانة لها عن سرعة الفساد. (حاشية الطحطاوي ٥٧١)

عن علقمة عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: الكافور يوضع على مواضع السجود. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥/ ٢٧٥ رقم: ٦٨٠٦)

ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران وغير الورس في حق الرجل.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٩ زكريا)

وعن زفر رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال: يذر الكافور على عينيه وأنفه وفمه؛ لأن المقصود أن يتباعد الدود من الموضع الذي يذر عليه الكافور، فخص هذه المحال من بدنه لهٰذا. (بدائع الصنائع ٢/٤٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت (میت) کے اعضاءِ مساجد پر کافور لگانا؟

سوال (۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت اگر مرد ہے تو کافور کا یا عطر کا لگانا پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلی، گھٹنے اور پاؤں کے نیچے پر لگانا مسنون ہے؟ میت اگر عورت ہے تو عورت کے سجدے میں زمین پر دونوں ہاتھ کہنیوں تک رکھے جاتے ہیں، تو کیا کافور یا عطر عورت میت کی ہتھیلیوں پر لگائیں یا کہنیوں تک، ایسے ہی سجدے میں عورت دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال کر سجدہ کرتی ہے، تو کافور یا عطر دونوں پیروں پر لگائیں جو سجدے میں رکھے جاتے ہیں؟ یا جس طرح مرد میت کے پنجوں پر لگاتے ہیں ایسے لگائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے اعضاءِ مساجد پر کافور ملنے کا حکم اُن اعضاء کی تعظیم اور زیادتی احترام کی غرض سے ہے، اور اعضاءِ مساجد کی تشریح فقہاء نے ایسے الفاظ سے کی ہے جو مرد وعورت دونوں کے اعضاءِ مساجد کو شامل ہے؛ لہٰذا جن اعضاء سے عورت سجدہ کرتی ہے (یعنی پیشانی، ناک، ہتھیلی، کہنیوں سمیت پنڈلی گھٹنوں سمیت اور دونوں قدم) ان ہی اعضاء پر کافور ملنے کا حکم دیا جائے گا۔

عن أم عطية قالت: لما ماتت زينب بنت رسول اللّٰه ﷺ، قال لنا رسول اللّٰه ﷺ: إغسلنها وترا ثلاثا أو خمسا واجعلن في الخامسة كافوراً أو شيئا من

كافور، إلى آخر الحديث. (صحيح مسلم ۱/۳۰۵، صحيح البخاري ۱/۱٦۷ رقم: ۱۲۳۹)

ويـجـعـل الحنوط على رأسه ولحيته، والكافور على مساجده كرامة لها، وهـو الـجبهة والأنف واليـدان والـركبتـان والقدمان. (شـامـي ۳/۸۹ زكريا، حـاشية الطحطاوي ۵۷۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرابی کا میت کو غسل دینا؟

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو چند آدمی غسل دیں، جن میں ایک آدمی شراب پیئے ہوئے ہے اور وہ نشہ کی حالت میں ہے، یہ غسل ہوگا یا نہیں؟ اگر غسل ہوگا تو میت پر اس کا کیا اثر ہوگا؟ شرابی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غسل شریعت کے مطابق دیا گیا ہے تو وہ صحیح ہوگیا، شرابی کے شریک ہونے سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ صرف صلحاء لوگ ہی میت کو غسل دیا کریں۔

والأولىٰ كونـه أقـرب النـاس إليـه فـإن لـم يـحسن الغسل فأهل الأمانة والورع. (شـامـي ۲/۲۰۲ كـراچـی، ۳/۹۵ زكـريـا، البـحـر الرائق ۲/۱۷۵ كوئٹه، مراقي الفلاح على الطحطاوي ٤٦٩ مصر)

وفـي الهـنـدية: كذا في الزاهدي: وينبغي أن غاسل الميت على الطهارة.

(الـفتـاوىٰ الهـنـدية ۱/۱۵۹، كـذا في البحر الرائق ۲/۱۷۵، صغيري ۲۸۷، بهشتي زيور ۲/۵٤، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/۱۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۷ھ

کیا میاں بیوی ایک کے مرنے پر دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں؟

سوال (۴۲) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زوجہ کے مرنے کے بعد شوہر کو دیکھنے اور غسل وکفن دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ کیا زوجہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اس کو غسل وکفن وغیرہ دے سکتی ہے یا نہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا ہے، اس کا کیا جواب ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا؛ اس لئے کہ زوجیت باقی نہیں رہی اور بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے؛ کیوں کہ عدت کی بنیاد پر رشتہ زوجیت ابھی باقی ہے۔

أخرج ابن أبي شيبة عن الشعبي قال: إذا ماتت المرأة انقطع عصمة ما بينها وبين زوجها. وأخرج أيضاً عن الشعبي قال: لا يغسل الرجل امرأته. (مصنف بن أبي شيبة، كتاب الجنائز / باب في الرجل يغسل امرأته ١٤٦/٧ رقم: ١١٠٩١-١١٠٩٢)

وإذا كان مع المرأة زوجها لم يحل له أن يغسلها. (الفتاویٰ التاتارخانية / الجنائز: غسل الميت ١٤/٣ رقم: ٣٦٠٦ زكريا)

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح وهي لا تمنع من ذٰلک. (تنوير الأبصار) **وقال الشامي: أي من تغسيل زوجها دخل بها أو لا كما في المعراج ...... وفي البدائع: المرأة تغسل زوجها لأن إباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى ما بقي النكاح، والنكاح بعد الموت باق إلى أن تنقضي العدة، بخلاف ما إذا ماتت فلا يغسلها لانتهاء ملک النكاح لعدم المحل فصار أجنبياً.** (شامي ٩٠/٣-٩١ زكريا، شامي ٨٥/٣-٨٦ بيروت، مجمع الأنهر ٢٦٦/١ مكتبه فقيه الأمت، طحطاوي ٣١٣، بهشتي زيور ٥٤/٢، امداد الاحكام ٤٣٦/٢)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پانی وغیرہ مہیا کراتے ہوئے غسل کرانے والی خواتین کا تعاون فرماتے رہے، اور بعض فقہاء حنفیہ نے اس واقعہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خصوصیت قرار دیا ہے؛ لہٰذا یہ واقعہ دوسروں کے لئے نظیر نہیں بن سکتا۔

قال في شرح المجمع لمصنفه: فاطمة رضي اللّٰه عنها غسلتها أم أيمن حاضنته صلى اللّٰه عليه وسلم ورضي عنها، فتحمل رواية الغسل لعلي رضي اللّٰه عنه على معنى التهية والقيام التامّ بأسبابه، ولئن ثبتت الرواية فهو مختص به؛ ألا ترى أن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه لما اعترض عليه بذٰلک أجابه بقوله: أما علمت أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "إن فاطمة زوجتک في الدنيا والآخرة" فادعاؤه الخصوصية دليل على أن المذهب عندهم عدم الجواز.

(شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۳/ ۹۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کو غسل دینے والی کوئی نہ ہو؟

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمر کی بیوی کا انتقال کسی ایسی جگہ ہوا جہاں صرف دو آدمی تھے، ایک عمر دوسرے امام صاحب، ان دو کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں ہے، ایسے وقت میں اس عورت کو غسل کون دے؟ امام صاحب یا اس کے شوہر؟ امام صاحب تو کہتے ہیں کہ عورت کے انتظار کی کوئی ضرورت نہیں، شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے، تو امام کا یہ قول درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں ضروری ہے کہ غسل دینے کے لئے

کسی عورت کا انتظام کیا جائے، اگر کوئی عورت نہ مل سکے تو مرحومہ کے شوہر کو غسل دینے کا حق نہیں ہے؛ بلکہ وہ ہاتھ پر کپڑا باندھ کر مرحومہ کو تیمّم کرائیں گے اور دفن کردیں گے اور شوہر کی موجودگی میں امام صاحب کو تیمّم کرانے کا حق نہ ہوگا۔

عن مكحول رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا ماتت المرأة مع الرجال ليس معهم امرأة غيرها، والرجل مع النساء ليس معهن رجل غيره، فإنهما يتيممان ويدفنان، وهما بمنزلة من لا يجد الماء.

(مراسيل أبي داؤد، كتاب الجنائز ١٧، وكذا في المعجم الكبير للطبراني ١٠٢/٧ رقم: ٦٤٩٧)

إذا كان للمرأة محرم يتيممها باليد وأما الأجنبي فبخرقة على يده ويغض بصره عن ذراعيها وكذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر. (الفتاوىٰ الهندية ١٦٠/١)

وإذا كان مع المرأة زوجها لم يحل له أن يغسلها. (الفتاوىٰ التاتارخانية / الجنائز: غسل الميت ١٤/٣ رقم: ٣٦٠٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سسرالی عورتیں میتہ کو غسل دے سکتی ہیں؟

سوال (۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زنانہ میت کو غسل دینا اور کفن پہنانا متوفیہ کے سسرالی رشتہ دار عورتیں مثلاً دیورانی، جٹھانی، ساس اور نند وغیرہ کرسکتی ہیں یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف میکہ ہی کی عورتیں اس کام کو انجام دے سکتی ہیں، سسرالیوں کی نہیں، مرادآباد وغیرہ میں پیشہ ور عورتیں اس کام کو انجام دیتی ہیں؛ لیکن ہمارے یہاں گھریلو عورتیں ہی اس کام کو انجام دیتی ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہر وہ عورت متوفیہ کو غسل دے سکتی ہے جو مسائلِ غسل

وغیرہ سے واقف ہو، اور وہ غسل شرعاً صحیح ہو جاتا ہے، مگر افضل یہ ہے کہ متوفیہ کی قریبی عزیز عورتیں اسے غسل دیں، بشرطیکہ وہ طریقۂ غسل سے واقف ہوں، ورنہ کوئی دین دار عورت نہلائے، خواہ وہ سسرال ہی کی کیوں نہ ہوں۔

ویستحب للغاسل أن یکون أقرب الناس إلی المیت فإن لم یعلم الغسل فأهل الأمانة والورع، کذا فی الزاهدی: وینبغی أن یکون غاسل المیت علی الطهارة. (۱/۱۵۹، شامي ۳/۹۵ زکریا، شامي ۳/۸۹ بیروت، طحطاوي ۳۱۲، البحر الرائق ۲/۱۷۵، صغیري ۲۸۷، بهشتي زیور ۲/۵٤)

السنة أن یغسل الرجال الرجال والنساء النساء. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/۱۳ رقم: ۳٦۰٤ زکریا)

عن أم عطیة قالت: توفیت ابنة النبي صلی اللّٰه علیه وسلم فقال لنا اغسلنها ثلاثاً، أو خمساً، أو أکثر من ذٰلک إن رأیتن فإذا فرغتن فاذنني فلما فرغنا آذناه فنزع من حقوه إزاره، وقال: اشعرنها إیاه. (صحیح البخاري، کتاب الجنائز / باب هل تکفن المرأة في إزار الرجل ۱/۱٦۸ رقم: ۱۲٤۳)

أخرج محمد بن الحسن الشیباني وقال: بلغنا عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه أنه قال: نحن کنا أحق بها إذا کانت حیة، فأما إذا ماتت فأنتم أحق بها، قال محمد: وبه نأخذ. (کتاب الآثار، کتاب الجنائز / باب غسل المرأة وکفنها ۲/۳۷ رقم: ۲۳۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۳/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا نفاس والی عورت میت کو غسل دے سکتی ہے؟

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت جو میت عورتوں کو غسل وکفن دیا کرتی ہے، حالتِ نفاس میں پیسوں کے لالچ میں

کسی میت عورت کوغسل وکفن دیا، تو کیا اس میت کا غسل وکفن صحیح ہوا یانہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ناپاک عورت نے غسل وکفن دیا ہے اس لئے یہ غسل ہی نہیں ہوا، اور ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کفن بدل دینا چاہئے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر تو یہ تھا کہ مذکورہ عورت کے علاوہ کوئی دوسری پاک عورت میت کوغسل وکفن دیتی؛ تاہم اس عورت کا دیا ہوا غسل وکفن بھی کراہت کے ساتھ درست ہے؛ لہٰذا غسل لوٹانے یا کفن بدلنے کی ضرورت نہیں۔

وینبغي أن یکون غاسل المیت علی الطهارة، ولو کان الغاسل جنبًا أو حائضًا أو کافرًا جاز ویکره. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۵۹)

ویکره أن یغسله جنب أو حائض. (شامي ۳/۹۵ زکریا، کذا في حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح ۱/۳۷۵ أحکام الجنائز) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردے کوغسل دینے کے بعد غسل کرنا؟

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردے کوغسل دینے کے بعد غسل دینے والی عورتوں یا مردوں کوغسل کرنا ضروری ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غسل کرنا ضروری نہیں، مگر مستحب ہے؛ لیکن جو ناپاک چھینٹیں بدن پر لگی ہوں، ان کا پاک کرنا ضروری ہے۔

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من غسَّل میِّتاً فلیغتسل. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في غسل المیت رقم: ۱۴۶۳)

ینـدب الغسـل من غسـل الـميت. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۳/۱۱۱ رشيدية، هكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في الغسل ۲/۱۱۲ بيروت، البحر الرائق ۲/۱۲۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب أحكام الجنائز ۱/۳٦٦ مصر، احكام ميت ٦۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۹/۱۴۱۷ھ

مردے کو نہلاتے وقت عضوِ مخصوص کو ہاتھ لگا کر دھونا؟

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معلوم یہ ہوا ہے کہ مردے کو نہلانے کے وقت مرد کے اگلے حصہ پیشاب گاہ کو بھی اسی طرح ہاتھ لگا کر دھونا ضروری ہے جس طرح پچھلے مقام کو نجاست وغیرہ لگنے کی وجہ سے دھویا جاتا ہے، آنجناب سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا واقعی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اور میت مذکر کے اگلے حصہ یعنی عضوِ مخصوص کو ہاتھ سے دھونے کا شریعت میں کیا درجہ ہے؟ فرض یا واجب، یعنی اگر ہاتھ لگا کر نہ دھوئیں؛ بلکہ اگلے حصہ پر صرف پانی بہادیں تو کیا نہلانے والا گنہگار رہوگا؟ اگلے حصہ پر ہاتھ لگانا خواہ وہ دستانے کی شکل میں ہاتھوں پر کپڑا وغیرہ باندھ کر ہی کیوں نہ ہو، بہت ہی بے حیائی کا کام معلوم ہوتا ہے، اور ہاتھ لگانے کی اس معنی کر کوئی خاص ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ کئی مرتبہ اچھی طرح پانی ڈال دینے سے پیشاب کے اثر کا زائل ہوجانا یقینی ہے۔ بہرحال یہ تو آنجناب ہی وضاحت فرمائیں گے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی شرم گاہ کے اگلے پچھلے حصہ سے نجاست کا ازالہ محض اوپر سے پانی ڈالنے سے نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ عین ممکن ہے کہ نجاست کھال کی ریخوں میں پھنسی رہ جائے، اس لئے ضرورتِ شرعی کی وجہ سے کپڑے وغیرہ کے دستانے پہن کر ہاتھ سے

شرم گاہ کے حصوں کو دھونا واجب ہے؛ تاکہ یقینی طور پر نجاست کا ازالہ ہوجائے، اور یہ کوئی بے حیائی نہیں؛ کیوں کہ شرعی ضرورت کی بناپر ایسا کیا جارہا ہے۔

أخرج الطبراني في المعجم الكبير عن محمد بن سيرين قال: غسلت أنس بن مالك فلمّا بلغت عورته قلت لبنيه: أنتم أحق بغسل عورته، دونكم فاغسلوها، فجعل الذي يغسلها على يده خرقة وعليها ثوب، ثم غسل العورة من تحت الثوب. (المعجم الكبير للطبراني ٢٤٩/١ رقم: ٧١٤)

أخرج البيهقي عن عبد اللّٰه بن الحارث بن نوفل أن عليا رضي اللّٰه عنه غسل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وعلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قميص وبيد علي رضي اللّٰه عنه خرقة يتبع بها تحت القميص. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الجنائز / باب ما ينهى عنه من النظر إلى عورة الميت ومسها بيده ليست عليه خرقة ٢٤٢/٥ رقم: ٦٧٢١)

يجب على الغاسل في استنجاء الميت على قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ أن يلف على يديه خرقة ليغسل سوئته. (فتح القدير ١٠٧/٢، بدائع الصنائع ٢٦/٢، الموسوعة الفقهية ٣١/١٣ ٥، الفتاوىٰ التاتارخانية ١٣٤/٢، الفتاوىٰ الهندية ١٥٨/١، حلبي كبير ٥٧٧)

وتغسل عورته بخرقة ملفوفة تحت الساتر. (طحطاوي على مراقي الفلاح ٢٠٩)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۶/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو غسل دیتے وقت کسی عضو پر صرف مسح کرنا؟

سوال (۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایکسیڈنٹ یا پوسٹ مارٹم کی بنیاد پر جہاں جہاں زخم ہے اس کو دھونا دشوار ہوجاتا ہے، تو کیا اس حصہ پر بجائے غسل کے مسح کرلیا جائے تو کافی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں مسح کرنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ پانی بہانا ضروری ہے۔

ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه، كذا في التاتار خانية ناقلا خانية عن العتابية. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۸)

وفي الفتاویٰ العتابية: ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسه كفى صب الماء عليه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۱۰ رقم: ۳۵۹۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غسل کے بعد میت کو کتنی دیر رکھا جائے؟

سوال (۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کی صفائی اور غسل وکفن کے بعد میت کو گھر میں کتنی دیر تک رکھنا چاہئے؟ میت کے رشتہ داروں کا انتظار کب تک کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انتقال کے بعد میت کو جلد از جلد کفن دفن کا انتظام کرنا چاہئے، قریبی اعزاء کے لئے کچھ دیر تو انتظار کی گنجائش ہے؛ لیکن بہت زیادہ تاخیر کرنا منع اور خلافِ سنت ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره. (مشكوة المصابيح الجنائز / باب دفن الميت ۱۴۹)

قال الملا علي القاري تحته: أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر، قال ابن

الهمام: يستحب الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت. (مرقاة المفاتيح / باب دفن الميت ٤/١٧٢ بيروت)

وكره تاخير صلوته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم. (درمختار مع الشامي ٣/١٣٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۲۶ھ

مخنث میت کو پاک کون کرائے؟

سوال (۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت مخنث کو تیمّم کون کرائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا مخنث شخص جس کے مرد وعورت ہونے کا کچھ پتہ نہ چل سکے اسے کوئی بھی قریبی رشتہ دار مرد وعورت تیمّم کرا سکتا ہے۔

ولو مات قبل ظهور حاله لم يغسل ويتيمم بالصعيد. (درمختار) وفي الشامي: أي بخرقة أن ييممه أجنبي، وبغيرها إن يممه ذو رحم محرم منه. (شامي ١٠/٠٥٤ زكريا)

والخنثیٰ المشكل المراهق لا يغسل رجلاً ولا امراةً ولم يغسلها رجلٌ ولا امرأة، وييمم وراء ثوبٍ، كذا في الزاهدي. (١٦٠/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۷/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سڑگل جانے کے بعد نعش کو غسل دینا؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ نعش کسی وجہ سے سڑگل جاتی ہے؛ پیلو لگ جاتا ہے، بدبو آنے لگتی ہے

کہ اس کے پاس بھی آدمی نہیں جاسکتا ہے، تو کیا اس حالت میں بھی غسل دینا اور نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کی میت پر اوپر سے پانی بہادیا جائے، اور کفن دے کر نماز جنازہ کا اہتمام کیا جائے، بلا تجہیز وتکفین اور بلا نماز جنازہ اس کو دفن کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱؍۵۶۰)

ولو كانت الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه، كذا في التاتار خانية. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۸)

والمنتفخ الذي تعذر مسحه يصب عليه الماء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / أحكام الجنائز ۱/ ٤۰۰ مصر، هٰكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز / فصل السلطان أحق بصلاته ۲/ ۳۲۰ رشيدية، احكام ميت ۱۹۸)

وفي الفتاویٰ العتابية: ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۱۰ رقم: ۳۵۹۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴؍۷؍۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردہ عورت کو نہلاتے وقت آسمان سے چھپانا؟

سوال (۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اگر میت عورت ہے تو اس کو بند کمرے میں نہلانا چاہئے جہاں سے آسمان نہ دکھائی دے، اگر کسی کے اندر گھر میں یا مکان میں ایسی جگہ نہ ہو اور وہ اپنی میت عورت کو گھر کے صحن میں چاروں طرف پردہ کرکے نہلانا چاہے، تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اکثر عورتوں کا کہنا ہے کہ عورت کو نہلاتے وقت آسمان سے پردہ ضروری ہے، کیا شرعاً یہ بات صحیح ہے؟ جب کہ بعض گھروں میں غسل خانوں پر چھت نہیں ہوتی، چاروں طرف پردہ کی دیوار ہوتی ہے، کیا ایسے غسل خانوں میں عورت کا غسل صحیح ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نہاتے وقت مرد وعورت زندہ یا مردہ کے لئے آسمان سے پردہ کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے؛ بلکہ دیگر انسانوں سے پردہ کافی ہے، آسمان سے پردہ کرنے کی بات بے اصل اور جہالت پر مبنی ہے؛ لہٰذا ایسے غسل خانوں میں نہانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، جن پر چھت نہ ہو۔

مستفاد: أخرج البخاري عن أبي مرة مولى أم هاني بنت أبي طالب أنه سمع أم هاني بنت أبي طالب تقول: ذهبت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عام الفتح، فوجدته يغتسل وفاطمة تستره، فقال: من هذه؟ فقلت: أنا أم هاني.

(صحيح البخاري ۱/۴۲ رقم: ۲۸۰)

وأخرج أيضا عن ميمونة قالت: سترت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وهو يغتسل من الجنابة. (صحيح البخاري ۱/۴۲ رقم: ۲۸۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو غسل دینے اور کفنانے کے بعد بدن سے ناپاکی نکل گئی؟

سوال (۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مرتبہ میت کو کفنانے کے بعد پائخانہ پیشاب نکل آتا ہے، تو کیا کفن کو دھونا، پاک کرنا اور جسم کے صرف اس ناپاک حصہ کو دوبارہ دھونا ضروری ہے یا کفن دینے کے بعد ناپاکی نکلنے سے کوئی حرج نہیں؟ اسی حالت میں نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بعض مرتبہ جسم کے کسی حصہ کا خون بالکل بند نہیں ہوتا ہے، تو کیا اس حصہ پر کوئی روئی وغیرہ رکھ کر پٹی باندھ کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیں، کوئی حرج تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو غسل دینے کے بعد اس کے بدن سے پیشاب یا

پائخانہ یا خون وغیرہ نکلنا ناقضِ غسل نہیں ہے، حتی کہ اگر یہ نجاست کفن پر لگ جائے تو بھی اسی حالت میں نماز پڑھنا درست ہے؛ لیکن چونکہ دیکھنے میں نجاست کا نظر آنا ناگوار ہوتا ہے اور اس سے بوآتی ہے، اس لئے اگر خون نکلنے کی جگہ پر روئی وغیرہ رکھ کر پٹی باندھ دی جائے تو اس میں شرعاً حرج نہیں ہے۔

قال الحسن: يغسل ثلاثاً فإن خرج شيء غسل ما خرج ولم يزد على الثلاث. (المصنف لعبد الرزاق / باب عصر الميت ٣/ ٤٠٤ رقم: ٦٠٩٦، المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الميت يخرج منه ٧/ ١٣٦ رقم: ١١٠٣٦)

عن الخزانة: إذا تنجس الكفن بنجاسة الميت لا يضر دفعًا للحرج بخلاف الكفن المتنجس إبتداء وكذا لو تنجس بدنه بما خرج منه قبل أن يكفن غسل وبعده لا. (شامي / باب صلاة الجنازة ٣/ ١٠٣ زكريا)

وإذا غسل الميت ثم خرج منه شيء لا يعاد الغسل ولا وضوء عندنا...... إذا سال منه شيء بعد الغسل قبل أن يكفن غسل ما سال وإن سال بعد ما كفن لا يغسل. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ١٢، المحيط البرهاني ٣/ ٥٠، هداية ١/ ١٧٨، فتح القدير ٢/ ١٧ بيروت، تبيين الحقائق ١/ ٢٣٧، حاشية الطحطاوى ٤٦٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سردیوں میں میت کے اوپر لحاف ڈالنا؟

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جاڑوں میں ایک عورت کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد اس عورت کے اوپر سے لحاف اُتار دیا گیا، یہ کہہ کر کہ لحاف کے بوجھ سے عورت کو تکلیف ہوگی، امام صاحب نے اس میت عورت پر لحاف ڈال دیا یہ کہہ کر کہ ہمیں میت کا بھی اکرام کرنے کا حکم ہے، جاڑے کا موسم ہے اس لئے لحاف ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، کیا امام صاحب کا یہ کہنا اور عمل صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لحاف کے بوجھ سے میت کو تکلیف پہنچنے کی بات قطعاً بے اصل ہے، اور شرعاً سردی کے زمانہ میں غسل سے پہلے میت کو لحاف اڑھائے رکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات سردی کی وجہ سے میت کے اعضاء بہت زیادہ اکڑ جاتے ہیں۔

أخرج البخاري عن ابن المنكدر قال: سمعت جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: جيء بأبي يوم أحد، قد مُثِّل به حتى وضع بين يدي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقد سُجِّيَ ثوبًا...... الخ. (صحيح البخاري ١٧٢/١ رقم: ١٢٧٩)

وأخرج أيضا عن أبي سلمة أن عائشة زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أخبرته قالت: أقبل أبوبكر على فرسه من مسكنه بالسنح حتى نزل فدخل المسجد، فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة فتيمم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وهو مسجى ببرد حبرة، فكشف عن وجهه...... الخ. (صحيح البخاري ١٦٦/١ رقم: ١٢٢٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کفن کے مسائل

زمزم سے بھگوئے ہوئے کپڑے سے کفن دینا؟

سوال (۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حج پر جانے والوں کو ۲/ یا ۳/ میٹر کپڑا اس نیت سے دے دیتے ہیں کہ آبِ زمزم کے اندر ڈبو کر بھگو کر سوکھا کر واپس لے آئیں، پھر اس کپڑے کو مرنے کے بعد کفن کے اوپر ڈال دیتے ہیں کہ اس سے مردے کو عذابِ قبر سے خلاصی ہوتی ہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ عقیدہ ازروئے شرع کیسا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ بہت سے لوگوں کا کپڑا حاجی کے پاس جمع ہو جاتا ہے اور اسے زمزم میں دھو کر لانا مستقل ایک اہم کام ہے، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمزم کا پانی بابرکت ہے، وہ جس کپڑے پر لگ جائے وہ بھی بابرکت ہو جائے گا، اور برکت کی غرض سے اسے کفن میں بھی شامل کر سکتے ہیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے عذاب مرتفع فرمادیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۱/۳۶۲)

لیکن یہ عقیدہ رکھنا کہ آدمی خواہ کتنا ہی گنہگار ہو زمزم میں بھیگا ہوا کفن اس کے ساتھ رکھنے سے اسے بالکل عذاب ہی نہ ہوگا، اور لازمی طور پر اس سے عذاب ہٹ جائے گا، تو یہ بات بے اصل اور بے دلیل ہے۔ اسی طرح حج کے سفر پر جانے والوں کو باصرار کپڑے دے کر انہیں زمزم میں بھگو کر لانے کا مکلّف بنانا بھی التزام مالا یلزم ہے، ان باتوں میں پڑنے کے بجائے خود اپنے اعمال واخلاق سدھارنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور رہ گئی برکت کی بات تو اس کے لئے یہاں

سے کپڑے لاد کر لے جانا ہی ضروری نہیں؛ بلکہ حاجی سفر سے واپسی میں جو زمزم ساتھ لاتے ہیں اسی میں سے کچھ پانی لے کر کپڑے پر چھڑک لیا جائے، تو بھی برکت حاصل ہو جائے گی، اس لئے اس کے واسطے مزید تکلف کی ضرورت نہیں ہے، اسی بناپر دورِ صحابہ میں اس کے اہتمام کا ثبوت نہیں ملتا؛ بلکہ صرف زمزم کا پانی لانے کا ثبوت ملتا ہے۔

ولو وضع شعر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أو عصاه أو سوطه علی قبر عاص لنجا ذٰلک العاصي ببرکات تلک الذخیرة من العذاب ...... ومن هٰذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول به. (تفسیر روح البیان ۳/ ٤۷۹ تحت التوبة: ۸٤ دار الفکر بیروت، فتاویٰ محمودیه ۱۳/ ۸۲ میرٹھ)

ویستحب حمله إلی البلاد، فقد روی الترمذي عن عائشة رضي اللّٰه عنها "أنها کانت تحمله، وتخبر أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یحمله"، وفي غیر الترمذي: "أنه کان یحمله وکان یصبه علی المرضی ویسقیهم، وأنه حنک به الحسن والحسین رضي اللّٰه عنهما". (شامي باب الهدي / مطلب في کراهیة الاستنجاء بماء زمزم ٤/ ۵۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹیری کاٹ کے کپڑے میں کفن دینا؟

سوال (۵٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹیری کاٹ کے کپڑے کا میت کو کفن دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر میت زندگی میں زیادہ تر اسی قسم کے کپڑے پہنتا ہو، تو ایسے ہی سفید کپڑے کفن میں استعمال کرنا بہتر ہے؛ اس لئے کہ اچھا کفن دینے کی ترغیب وارد ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه يحدث حديث :...... فيه وقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا كفن أحدكم أخاه فليحسن كفنه. (صحيح مسلم في الجنائز / باب في تحسين كفن الميت ۹٤ رقم: ۹٤۳، شامی ۹٦/۳ زكريا)

عن أبي قتادة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا ولى أحدكم أخاه فليحسن كفنه. (سنن الترمذي، الجنائز ۱۹٤/۱ رقم: ۱۰۰۰، سنن ابن ماجة، الجنائز / باب ما يستحب من الكفن ۱۰٦/۱ رقم: ۱٤۷٤)

عن أبي قتادة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من ولى أخاه فليحسن كفنه فإنهم يتزاورون فيها. (شعب الإيمان للبيهقي / باب في الصلاة على من مات ۱۰/۷ رقم: ۹۲٦۸)

وكل ما يباح للرجل لبسه في حال الحياة يباح تكفينه بعد الوفاة وما لا يباح له لبسه حال الحياة لا يباح تكفينه بعد الوفاة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين ۱٦۱/۱)

لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحياة، وأحبه البياض أو ما كان يصلي فيه. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز ۱۰۰/۳ زكريا)

قوله: ويحسن الكفن بأن يكفن بكفن مثله وهو أن ينظر إلى ثيابه في حياته للجمعة والعيدين. (شامي ۲۰۲/۲ کراچی، شامي ۹٦/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کو کفن میں سلا ہوا کرتا پائجامہ پہنانا؟

سوال (۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت عورت کے کفن میں سلا ہوا پائجامہ پہنانا اور اس کا جو سینہ بند ہوتا ہے، اس کو کم کرکے پائجامہ بنا کر مردے کو پہنانا کیسا ہے، مکروہ ہے یا سخت منع ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وسعت کی حالت میں عورت کا مسنون کفن: کرتا، تہبند، اوڑھنی، لفافہ اور سینہ بند پر مشتمل ہوتا ہے؛ لہٰذا اس میں سے بلاوجہ کسی چیز کا کم کرنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ اسی طرح عام حالات میں زندہ لوگوں کی طرح سلا ہوا پائجامہ یا کرتا وغیرہ کفن میں استعمال کرنا بھی خلافِ سنت ہے، ہاں اگر کوئی اور کپڑا میسر نہ ہو تو جو کپڑا بھی بدن کو ڈھانپ لے اسے کفن میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

عن ليلى بنت قائف الثقفية قالت: كنت فيمن غسّل أم كلثوم ابنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عند وفاتها، فكان أول ما أعطانا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الحقَاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الآخر. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في كفن المرأة ٢/ ٤٥٠ رقم: ٣١٥٧)

ولها درع أي قميص وإزار وخمار ولفافة وخرقة تربط بها ثدياها وبطنها. وفي الشامي: قالوا ويكره أن يكفن في ثوب واحد حالة الاختيار. (شامي ٢/ ٢٠٣ كراچي، شامي ٣/ ٩٦-٩٧ زكريا)

وكفن الضرورة لهما ما يوجد وأقله ما يعم البدن. (درمختار مع الشامي ٢/ ٢٠٤ کراچی، شامي ٣/ ٩٨ زكريا)

قوله إزار هو من القرن إلى القدم والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلاد خريص وكمين. (كذا في الشامي ٢/ ٢٠٢ کراچی، شامي ٣/ ٩٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۳/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے کفن پر رنگ دار خوشبو لگانا؟

سوال (۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ :یہ عبارت صحیح ہے یا نہیں جواب عطا فرمائیں؟ جب میت کو تولیہ وغیرہ سے صاف کر کے کفن پر رکھا جائے تو سر اور داڑھی پر (اور عورت کے سر پر) عطر لگا دیں، پھر پیشانی ناک دونوں گھٹنوں اور دونوں پیر پر کافور مل دیں، اس کے سوا کفن میں اور قبر میں کسی بھی طرح کی خوشبوئیں یا کوئی بھی دوسری چیز ڈالنا جائز نہیں ہے، یہ تمام رسمیں غلط ہیں، ان کی کوئی شرعی سند نہیں ہے؛ بلکہ بدعت ہے، بعضے بعضے کفن پر یا قبر میں خوشبوئیں چھڑکتے ہیں، یہ سب جہالت ہے، جتنا شرع میں آیا ہے اس سے زیادہ مت کرو۔ (شامی زکریا ۸۹/۳، بدائع الصنائع زکریا ۴۰/۲، فتاوی عالمگیری ۱۶۱/۱، آپ کے مسائل اوران کا حل ۱۰۸/۳، احسن الفتاوی ۲۷۳/۱، بہشتی زیور ۱۵۲/۲، مسائل جنازہ، از: مفتی ابوجندل قاسمی ۱۹، اسوۂ رسول اکرم ۵۵۷)

فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴۱۳/۵ پر سوال ہے کہ مردے کو قبر میں خوشبو لگانا کیسا ہے؟ جواب میں لکھا ہے کہ کچھ حرج نہیں، اور وہیں پر حاشیہ ۲ / پر فتاوی عالمگیری ۱۶۱/۱ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ فتاوی عالمگیری ۱۶۱/۱ میں قبر میں خوشبو لگانے کا تذکرہ نہیں ہے۔ کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے الإنسان مرکب من الخطأ والنسیان اور امام ترمذی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو؟ بھول اور غلطی تو ہوتی ہے، ان کے ماتحت مفتی عزیز الرحمٰن سے تسامح ہو گیا ہے۔ ادعني في دعائک ولا تنسني أبداً۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے کفن پر خوشبو لگانا فی نفسہٖ مستحسن ہے؛ البتہ ایسی خوشبو جس کا رنگ ظاہر ہو مثلاً زعفران وغیرہ، اس کو کفن پر لگانے سے منع کیا گیا ہے؛ لہٰذا جن کتابوں میں ممانعت ہے اس کا تعلق رنگ دار خوشبو سے ہے، اور جن کتابوں میں خوشبو کی اجازت ہے اس کا تعلق عام خوشبوؤں سے ہے؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

یبسط الثوب الأول علی بساط ثم یذر علیه الطیب، ثم یبسط علیه الثوب الثاني، ویجعل علیه الطیب، ثم الثالث کذلک وکلهن یبسط علی

الطول، ثم يجعل على الآخر الذريرة، وهو نوع من الطيب للرجال، وجعلها في الكفن جهل. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۸/۳ رقم: ۳٦٥۲ زكريا)

وصفة تكفين الرجل أن يبخر الكفن أولاً بالبخور الطيبة ويرش عليه الحنوط إن وجد، ويبسط اللفافة ثم الإزار وهو من القرن إلى القدم، ثم يجعل عليه الحنوط إن وجد ويطلى بالكافور مساجد. (رسائل الأركان / بيان السنة تكفين للرجل ١٥٤، بحواله: فتاویٰ محموديه ۷۸/۱۳ ميرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے سینہ پر کلمہ لکھنا اور جنازے پر کلمہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا؟

سوال (۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے سینہ پر کلمہ وغیرہ لکھنا، اسی طرح جنازے کے اوپر پھول کی چادر ڈالنا یا ایسی چادر ڈالنا جس پر کلمہ طیبہ وغیرہ ہو، کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے سینہ اور چہرہ پر کلمہ وغیرہ لکھنا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور کفن پر ایسی چادروں کا ڈالنا جن میں اللہ کا نام ہو ادب کے خلاف ہے، اس سے احتراز کریں۔

وقد افتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسٓ والكهف وغيرهما خوفًا من صديد الميت، وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح: أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذاک إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت. (شامي، كتاب الصلاة الجنازة / باب

الشهيد ۱۵۷/۳ زكريا، فتح القدير، فصل في الآسار وغيرها / فروع: تكره كتابة القرآن وأسماء اللّٰه تعالىٰ علی الدراهم ۱٦۹/۱ بيروت)

وفي فتاویٰ الإمام اللكنوي: الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه صورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هٰذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هٰذا الثواب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب اللّٰه من أسباب عذاب القبر. (فتاویٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل / ما يتعلق بتعظيم اسم اللّٰه ٤۰۳ بيروت، احكام ميت ۷۲-۷۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۲/۳ ۱۴۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کفن کی چادر پر آیۃ الکرسی لکھنا؟

سوال (۶۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے کفن پر جو چادر ڈالتے ہیں، جس پر آیت الکرسی وغیرہ لکھی ہوتی ہے، کیا اس چادر کا اوپر ڈالنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کفن کی چادر پر آیت قرآنیہ لکھنا سخت بے ادبی کا سبب ہے اور اسلاف سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اس کی اجازت نہیں۔

كتابة القراٰن على ما يفترش ويبسط مكروهة. (الفتاویٰ الهندية ۳۲۳/۵، احسن الفتاویٰ ۲۲۰/٤، شامی کراچی ۲٤٦/۲، زکریا ۱۵٦/۳-۱۵۷)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کفن پر اذکارِ الٰہی وآیاتِ قرآنیہ لکھنے سے سخت نکیر فرمائی ہے۔

وقد افتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسٓ والكهف وغيرهما خوفًا من صديد الميت، وما ذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه

مـمـا فيـه إهـانة، فـالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت. (شامي، كتاب الصلاة الجنازة / باب الشهيد ۱۵۷/۳ زكريا، فتح القدير، فصل في الآسار وغيرها / فروع: تكره كتابة القرآن وأسماء اللّٰه تعالىٰ على الدراهم ۱۶۹/۱ بيروت)

وفـي فتاوىٰ الإمام اللكنوي: الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه صورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهـانة بـالـقـرآن؛ لأن هٰذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هٰذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب اللّٰه من أسباب عذاب القبر. (فتـاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل / ما يتعلق بتعظيم اسم اللّٰه ۴۰۳ بيروت، احكام ميت ۷۲-۷۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

جنازہ کے اوپر قرآنی آیات لکھی ہوئی کالی چادر ڈالنا؟

سـوال (۶۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کے اوپر کالی چادر جس پر قرآن کریم کی آیتیں وغیرہ لکھی ہوتی ہیں ڈالنا کیسا ہے؟ کیا قرآنِ کریم کی آیتیں یا کلمہ وغیرہ لکھی ہوئی چادر ڈالنے سے آیتوں اور کلمہ کی توہین تو نہیں ہوتی ہے؟ کیا اس کی وجہ سے مردہ کی نجات یا عذاب میں کوئی فرق پڑسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنی آیات لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا مناسب نہیں ہے، اس طرح کی چادر ڈالنے سے میت کو عالم برزخ یا عالم آخرت میں کوئی نفع نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وہاں کی راحت کا تعلق آدمی کے ایمان وعمل سے ہے نہ کہ ظاہری لباس اور چادر سے، نیز اگر یہ چادر میت کے کفن سے بالکل لگی ہوئی ہو تو بسا اوقات میت کے بدن سے ناپاک مادہ نکلنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور لکھی ہوئی چادر کے ملوث ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے اس طریقہ کا ترک لازم ہے۔

وقـد أفتـى ابـن الـصـلاح بـأنـه لايجوز أن يكتب على كفن الميت ياسين

والکهف وغيرهما خوفاً من صديد الميت ......، وما ذاک إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه **حديث ثابت**. (شامي، كتاب الصلاة الجنازة / باب الشهيد ۱۵۷/۳ زكريا، فتح القدير، ۱٦۹/۱ بيروت)

وفي فتاوىٰ الإمام اللكنوي: الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه صورة الإخلاص، هل فيه بأس؟ الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هٰذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هٰذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب اللّٰه من أسباب عذاب القبر. (فتاوىٰ اللكنوي المسماة نفع المفتي والسائل / ما يتعلق بتعظيم اسم اللّٰه ٤۰۳ بيروت، احکام میت ۷۲-۷۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لکڑیوں پر سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک پڑھ کر میت کے ساتھ دفن کرنا؟

سوال (٦۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کے ساتھ جو سورۂ یاسین اور سورۂ ملک دولکڑیوں پر پڑھ کر اُن لکڑیوں کو مردے کے ساتھ رکھا جاتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دفن کرتے وقت دولکڑیوں پر سورۂ یٰس اور سورۂ ملک کو پڑھ کر دم کرنا اور ان لکڑیوں کو مردے کے ساتھ رکھنا بے اصل ہے، اور ان سے مردے کو کوئی فائدہ پہنچنے کی امید بھی نہیں ہے، مردے کو فائدہ اس وقت پہنچ سکتا ہے جب کہ کچھ سورتیں پڑھ کر ان کا ثواب میت کو پہنچا دیا جائے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴۲۹/۴)

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يسين خفف اللّٰه عنه وكان له بعدد من فيها حسنات. (شرح الصدور ۳۰٤)

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعا: من بر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو اللّٰه

احد ﷺ إحدى عشر ة مر ة، ثـم وهـب أجـره للأموات أعطى أجره بعد الأموات.

(شرح الصدور ۳۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

برہنہ مردہ عورت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

سوال (۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی برہنہ مردہ عورت کسی جگہ پڑی ہوئی مل جائے تو اس کی شناخت کیسے کی جائے کہ یہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرائن وحالات وغیرہ سے مسلم یا غیر مسلم جس جانب کا غلبۂ ظن ہوجائے، اسی کے مطابق معاملہ کیا جائے، اگر بالکل پتہ نہ چل سکے تو غسل وکفن دے کر بلانماز جنازہ کہیں دفنادیا جائے۔

العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح؛ لأنه يحصل به غلبة الظن. (شامي ۲/۲۰۰ كراچي، ۳/۹۳ زكريا)

لو اجتمع الموتىٰ المسلمون والكفار ينظر، إن كان بالمسلمين علامة يمكن الفصل بها يفصل، وعلامة المسلمين أربعة أشياء: الختان والخضاب ولبس السواد، حلق العانة، وإن لم يكن بهم علامة، ينظر، إن كان المسلمون أكثر، غسلوا وكفنوا ودفنوا في مقابر المسلمين وصلي عليهم وينوي بالدعاء المسلمون.

(بدائع الصنائع، صلاة الجنائز / باب شرائط وجوب الغسل ۲/۳۱، الدر المختار مع الشامي / باب صلاة الجنازة ۳/۹۳ زكريا، الفتاوىٰ الهندية / الفصل الثاني في الغسل ۱/۱۵۹ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۶/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لاش پھولنے کی وجہ سے اگر کپڑے اور زیور اُتارنا مشکل ہو تو کیا کریں؟

سوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک لاش دو روز کے بعد پانی کے ایک گڑھے سے ملی، لاش پھول چکی تھی، جو کپڑے پہنی تھی اور جو ناک کان پاؤں میں ہاتھوں میں زیورا ور چوڑیاں پہنے ہوئے تھی سب کھال میں گھس چکے تھے، جب نہلانے کا ارادہ کیا تو نہ کپڑے اتر سکے اور نہ ہی ہاتھ پاؤں ناک وغیرہ کا زیور نکل سکا، اگر کوشش کی تو کھال اتر کر ساتھ آ رہی تھی، چنانچہ نہ کوئی زیورا تارا نہ ہی کپڑے کاٹے جاسکے، اسی طرح کپڑوں اور زیور سمیت پانی بہا کر کفن پہنا کر نماز پڑھ کر دفنا دیا۔

معلوم یہ کرنا ہے کیا یہ صحیح کیا؟ یا کپڑوں کا زیور کا اور چوڑیوں کا اتارنا ضروری تھا، چاہے کھال پھٹ جائے؟ شرعاً جو شکل صحیح ہو تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اولاً یہ کوشش کی جائے کہ مذکورہ عورت کے لباس کو قینچی وغیرہ سے کاٹ کر اس کے بدن سے الگ کر دیا جائے، اور اگر ممکن ہو تو زیور کو بھی کاٹ دیا جائے؛ لیکن اگر صورت حال ایسی ہو کہ نہ کپڑا اتارا جاسکتا ہو اور نہ زیور کاٹا جاسکتا ہو، جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو مجبوراً ایسی لاش پر تین مرتبہ پانی بہا کر تجہیز وتکفین کر دی جائے۔

يجرد الميت إذا أريد غسله. (بدائع الصنائع ۲/ ۲٤ زكريا)

ينزع عنه الفرو والحشو والسلاح والخف. (إعلاء السنن ۸/ ۳۰٦ كراچی)

ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٥۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۷/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والد کی تجہیز وتکفین میں خرچ کیا ہوا پیسہ والدہ سے لینا؟

سوال (۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: میرے والد کا انتقال ہوگیا، اس وقت میں ہی گھر پر تھا، میں نے ان کی تجہیز وتکفین کا سامان خرید کر لگایا، اب میرے بھائی اور والدہ باصرار کہتے ہیں کہ والد کی تجہیز وتکفین میں جو کچھ خرچ کیا ہے، وہ لے لو، تو میرے لئے شرعاً وہ خرچہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر بھائی اور والدہ بخوشی دینا چاہتے ہیں، اور آپ کی طبیعت اس کے لینے پر آمادہ ہے، تو شرعاً یہ رقم لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الكفن من جميع المال. (المعجم الأوسط للطبراني ٥/ ٣٠٠ رقم: ٧٤٠١)

وأخرج البخاري تعليقاً فقال: وقال إبراهيم: يبدأ بالكفن، ثم بالدين، ثم بالوصية. (صحيح البخاري، الجنائز / باب الكفن من جميع المال ١/ ١٧٠)

قال الشامي: أما من له مال فكفنه في ماله، يقدم على الدين والوصية والإرث إلى قدر السنة، ما لم يتعلق به حق الغير كالرهن، والمبيع قبل القبض والعبد الجاني. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ٣/ ١١٨ رشيدية، البحر الرائق، كتاب الجنائز ٢/ ٣١١- ٣١٢ رشيدية، احکام میت ٥٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کے کفن دفن کا انتظام کس کے ذمہ ہے؟

سوال (٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مذکورہ مسئلوں میں اگر سسرالی رشتہ دار اور شوہر کو مذکورہ حقوق حاصل نہیں ہیں، تو پھر تجہیز وتکفین کے اخراجات شوہر کیوں برداشت کرے یا کون کرے؟ ایصالِ ثواب کے لئے بھی میکہ والوں کو ہی سب کچھ کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ بیوی کے مرنے کے بعد شوہر سے رشتہ ختم ہوجاتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی بہ قول یہ ہے کہ متوفیہ بیوی کے کفن دفن کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔

اور فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس پر زندگی میں نان نفقہ واجب ہوتا ہے، اسی پر مرنے کے بعد تجہیز وتکفین کا انتظام لازم ہوتا ہے۔

والفتویٰ علی وجوب کفنها علیه. (درمختار ۲۰۶/۲ کراچی، ۱۰۱/۳ زکریا)

واختلف في الزوج، والفتویٰ عی وجوب کفنها علیه عند الثاني، وإن ترکت مالاً (الدر المختار) ......، أنه یلزمه کفنها وإن ترکت مالاً وعلیه الفتویٰ.

(رد المحتار، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۱۱۹/۳ رشیدیة)

وفي الهندیة: یجب الکفن علی الزوج وإن ترکت مالاً وعلیه الفتویٰ.

(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز ۱۶۱/۱ رشیدیة، البحر الرائق ۳۱۱/۲ رشیدیة، امداد الفتاویٰ، کتاب الصلاة / باب الجنائز ۵۸۸/۱، احکام میت ۵۱)

ویکفن المیت من جمیع ماله قبل الوصایا والدیون والمواریث، ومن لم یکن له مال فکفنه علی من یجب له نفقته، إلا المرأة فإنه لا یجب کفنها علی زوجها عند محمد، خلافاً لأبي یوسف، فإن عنده یجب علیه الکفن وإن ترکت مالاً، وفي الکبریٰ: وبه یفتی. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الجنائز / التکفین ۳۱/۳ رقم: ۳۶۵۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ

نماز جنازہ کو ''نماز'' کہنے کی وجہ

سوال (٦٧): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ جب دعا ہے تو نماز کا لفظ کیوں بڑھا دیا، دعاء جنازہ بھی کہہ سکتے تھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کا اطلاق اس لئے کیا گیا؛ کیوں کہ نماز جنازہ بہت سے مسائل میں وقتیہ نمازوں سے مشابہت رکھتی ہے، مثلاً امام ہونا، وضو ہونا، ستر عورت ہونا، درمیان میں کلام نہ کرنا وغیرہ، جب کہ محض دعا کے لئے اس طرح کوئی شرط نہیں۔

وأما الشروط التي ترجع إلى المصلي فهي شروط بقية الصلاة من الطهارة الحقيقية بدنا وثوباً ومكاناً، والحكمية وستر العورة والاستقبال والنية. وأما شروط وجوبها فهي شروط بقية الصلوات. (شامي ۲۰۷/۲ کراچی، شامي / باب صلاة الجنازة ۱۰۳/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۵/۱۲۱/۴/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کب فرض ہوئی اور کس نے پڑھائی؟

سوال (٦٨): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ کب فرض ہوئی اور سب سے پہلے کس نے کس کی نماز جنازہ پڑھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ میں فرض ہوئی، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلے حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ پیش آیا، اس لئے اغلب یہی ہے کہ حضرت کلثوم کی نماز جنازہ سب سے پہلے پڑھی گئی ہو۔

وفي الأنوار الساطعة: شرعت صلاة الجنازة بالمدينة المنورة في السنة الأولیٰ من الهجرة. (أوجز المسالك ٤٢١/٢، ٣٨٨/٤ دار القلم بيروت)

أول من مات من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بعد قدومه المدينة بأيام قليلة: كلثوم بن الهِدم. (أسد الغابة ١٩٥/٤، الروض الأنف / أول من مات بعد الهجرة ٣٧٧/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹؍۱۲؍۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سب سے پہلے نماز جنازہ کس کی پڑھی گئی؟

سوال (٦٩): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ کی مشروعیت کس سن سے ہوئی ہے، اور سب سے پہلے کس کی نماز جنازہ ادا کی گئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ ہجرت کے بعد: ایک ہجری میں مشروع ہوئی؛ البتہ یہ صراحت نہ مل سکی کہ سب سے پہلے نماز جنازہ کس صحابی کی پڑھی گئی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی، اس لئے کہ ہجرت کے بعد وہ سب سے پہلے وفات پانے والی صحابی ہیں، جب کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد صحابہ میں سب سے پہلے انتقال فرمانے والے صحابی ''حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ'' ہیں،

اورانہیں پرسب پہلے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ (مستفاد: اوجز المسالک ۲/۴۲۱، اسد الغابہ ۴/۱۹۵، وفاء الوفاء ۱/۲۷۰، تاریخ طبری ۲/۸)

أول من مات من أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بعد قدومه المدينة بأيام قليلة: كلثوم بن الهِدم. (أسد الغابة ٤/١٩٥، الروض الأنف / أول من مات بعد الهجرة ١/٣٧٧)

قال البغوي: بلغني أنه أول من مات من الصحابة بعد الهجرة وأنه أول ميت صلى عليه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (الإصابة بيروت ١/٢٠٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۰/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردہ کوسامنے رکھ کرنماز جنازہ پڑھنے کا ثبوت

سوال (۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردہ کوسامنے رکھ کرنماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ اس کے ثبوت کیا ہیں؟ اگر ہوسکے تو اس کی شروعات کب سے ہوئی؟ ذرا تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث وآثار سے میت کے سینے یا درمیان کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھانے کا ثبوت ملتا ہے، فقہاء نے بھی اسی کوذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی شروعات دورِ نبوت سے ہی ہوئی ہوگی۔

عن أبي غالب قال: صليت مع أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه على جنازة رجل، فقام حيال رأسه، ثم جاؤا بجنازة امرأة من قريش، فقالوا: يا أبا حمزة! صل عليها، فقام حيال وسط السرير، فقال له العلاء بن زياد: هٰكذا رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قام على الجنازة مقامك منها، ومن الرجل مقامك

منه؟ قال: نعم، فلما فرغ قال: احفظوا. (سنن الترمذي، الجنائز / باب ما جاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة ١/ ٢٠٠ رقم: ١٠٣٩)

عن عبد اللّٰه بن بريدة عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم صلّى على امرأة فقام وسطها وبه نأخذ. (المصنف لعبد الرزاق ٣/ ٤٦٨، رقم: ٦٣٥٣)

عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدر الرجل ومنكب المرأة. (مصنف عبد الرزاق ٣/ ٤٦٨ رقم: ٦٣٥١)

عن الحسن أنه قال: يقوم الرجل من المرأة إذا صلى عليها عند صدرها. (مصنف عبد الرزاق ٣/ ٤٦٩ رقم: ٦٣٥٤)

يقوم الإمام عند الصلاة بحذاء الصدر من الرجل والمرأة هذا هو جواب ظاهر الرواية روى عن أنس أن رسول اللّٰه كان يقوم عند رأس الرجل وعجيزة المرأة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٤١ زكريا، **والحديث:** عند شرح معانى الآثار للطحاوي ٢/ ١٩ رقم: ٢٧٧٣، سنن الترمذي ١/ ٢٠٠، سنن أبي داؤد ٢/ ٤٥٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کس شخص پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؟

سوال (۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنی برائی یعنی کون سے گناہ ہو جانے کے باعث نماز جنازہ پڑھانے کی ممانعت آئی ہے؟ وہ بیان کیجئے، اور وہ باتیں بتایئے جن باتوں کے آدمی کے اندر پائے جانے سے نماز پڑھانا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال کا مقصد یہ ہے کہ کس شخص کی نماز جنازہ

پڑھانی درست ہے اورکس کی درست نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مسلمان کی (خواہ نیک ہو یا گنہگار) نماز جنازہ پڑھائی جائے گی، کسی گناہ کی وجہ سے نماز جنازہ ساقط نہیں ہوتی۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: صلوا علی کل بر وفاجر. (السنن الکبریٰ للبیهقي ۲۹/٤ رقم: ٦۸۳۲ بیروت، شامي ۱۰۲/۳ زکریا، ۲۰۷/۲ کراچی)

وفي سنن ابن ماجة وأبي داؤد: صلوا علی کل میت. (۱۰۹/۱رقم: ۱۵۲۵، د: ۳٤۳/۱ رقم: ۲۵۳۳)

البتہ بعض صورتوں میں زجر واہانت کے طور پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، مثلاً باغی اور ڈاکو جب کہ فوج کے مقابلہ میں مارے جائیں، یا اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کرنے والا شخص جب کہ اسے امام وقت قتل کرائے، تو ان صورتوں میں ان باغیوں ڈاکوؤں اور ماں باپ کے قتل کرنے والوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؛ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه تعالیٰ عنه – حدیثاً طویلاً – في صلاة عبد اللّٰه بن أبي ابن سلول وطرفه: وَلاَ تُصَلِّ عَلیٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَداً – إلی قوله – وَهُمْ فٰسِقُوْنَ. وَلاَ تَقُمْ عَلیٰ قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ. قال: فعجبت بعد من جرأتي علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یؤمئذ، واللّٰه ورسوله أعلم. (صحیح البخاري، الجنائز / باب ما یکره من الصلاة علی المنافقین ۱۸۲/۱ رقم: ۱۳۵۰ ف: ۱۳٦۰)

وهي فرض علی کل مسلم مات خلا أربعة: بغاة، وقطاع طریق إذا قتلوا في الحرب وکذا أهل عصبة ...... لا یصلی علی قاتل أحد أبویه إهانة له. (الدر المختار / باب صلاة الجنازة ۱۰۷/۳-۱۰۹ زکریا، ۲۱۰/۲-۲۱۲ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۴/۲۳ھ

رافضی کے جنازہ میں شرکت کرنا؟

سوال (۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رافضی کے عقائد پر واقف ہوتے ہوئے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کا حکم بیان فرمائیں، نیز جو لوگ عقائد سے تو واقف نہیں ہیں، مگر یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ رافضی ہے تو ایسے لوگوں کا رافضی کی نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا اور دفن وایصال ثواب وغیرہ میں شریک ہونا اور اس کو اچھا بتانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شیعہ اپنے عقائد کی بنا پر کافر ہو، اس کی نماز جنازہ میں شرکت ناجائز ہے، اور اس میں شرکت کرنے والے گنہگار رہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۲۰)

قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۱۷]

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ [التوبة: ۸٤]

والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع. (روح المعاني ۱۰/۱۵۵ بيروت)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه أنه قال: لما مات عبد اللّٰه بن أبي بن سلول دُعيَ له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليصلي عليه، فلما قام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وثبتُ إليه، فقلت: يا رسول اللّٰه!...... قال: فصلى عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ثم انصرف، فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآيتان من براءة: ﴿وَلاَ تُصَلِّ عَلىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَداً - إلى قوله - وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز / باب ما يكره من الصلاة على المنافقين ۱/۱۸۲)

وشـرطهـا ستة: إسـلام الميت وطهارته. (الـدر الـمـختـار / صلاة الجنازة ٢٠٧/٢ كراچی، ١٠٣/٣ زكريا، كذا في البحر / فصل: السلطان أحق بصلاته ٣١٤/٢ رشيدية)

والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر. (الدر المختار / صفة الصلاة ٥٢٢/١ كراچی)

أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب أي ولا يغسل ولا يكفن ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم. (رد الـمحتار مع الدر المختار / قبيل مطلب في محل الميت ٢٣٠/٢ كراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۶/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بدعتی کے جنازہ میں کندھا دینا اور نماز جنازہ پڑھنا؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بدعتیوں کی میت میں شرکت کرنا، اور جنازہ کو کندھا دینا اور نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بدعتی لوگ ہمارے جنازہ میں شرکت کرنے سے کتراتے ہیں، تو ہمیں اس معاملہ میں کیا رویہ اپنانا چاہئے؟ یہ مسئلہ دعوت کا کام کرنے والوں کو معلوم ہوجائے تو عمل کرنا آسان ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدعتی شخص کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو کندھا دینا درست ہے، اور حسبِ تحریر سوال چوں کہ بدعتی لوگ خود ہی صحیح العقیدہ لوگوں سے میل جول رکھنا نہیں چاہتے، اس لئے قطع تعلق کا گناہ اہلِ بدعت پر ہی ہوگا، صحیح العقیدہ لوگوں پر نہ ہوگا۔

قوله فرض كفاية بالإجماع: فيكفر منكرها لانكاره الإجماع كذا في البدائع والقنية، والأصل نيته، قوله تعالى: ﴿وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ﴾ وقوله صلى الله عليه وسلم: صلوا على كل بر وفاجر. (حاشية الطحطاوي على المراقي ٥٨٠)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجر، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد ١/٣٤٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۵/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مخنث کی نماز جنازہ

سوال (۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مخنث ہیجڑے اگر انتقال کر جائیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر پڑھی جائے گی تو بالغ کی نماز جنازہ کی دعا کے ساتھ یا نابالغ بچوں کی دعا کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مخنث کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اگر بالغ ہے تو بالغ کی دعاء اور اگر نابالغ ہے تو لڑکے کی دعا پڑھنی چاہئے، اگر لڑکی کی دعاء پڑھ دے تب بھی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۳۶۸)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صلوا على كل بر وفاجر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٢٩ رقم: ٦٨٣٢ بيروت، شامي ٣/١٠٢ زكريا، شامي ٢/٢٠٧ كراچی)

فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى ...... لقوله النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: "صلوا على كل بر وفاجر". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / الجنائز، فصل: وأما بيان من يصلى عليه ٢/٤٧ رشيدية)

وحاصله أنه كالأنثى في جميع الأحكام إلا في مسائل. (الأشباه والنظائر / أحكام الخنثى ٣/٣٧٩ كراچی، بحواله حاشية: فتاویٰ محمودیه ٨/٦٤٣ ڈابھیل)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أنه كان يصلي على المنفوس الذي لم يعمل خطيئة قط، ويقول: اللّٰهم اجعله لنا سلفاً وفرطاً. (السنن الكبریٰ للبیهقي، کتاب الجنائز / باب السقط، يغسل ويكفن ويصلي عليه إن استهل ۹/٤ رقم: ٦٥٨٥ مكتبة دار الباز مكة المكرمة)

ولا يستغفر للصبي ولكن يقول: اللّٰهم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا أجراً وذخراً. (هداية / الجنائز ۱۶۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جذامی، سودخور، زانی اور شرابی کی نماز جنازہ کا حکم؟

سوال (۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو جذام کا مرض ہوتے ہوئے بعد وفات نماز جنازہ پڑھائی جائے یا نہیں؟ اور اس کو قبرستان میں دفن کیا جائے یا نہیں؟ اسی طرح سودخور کی نماز جنازہ پڑھائی جائے یا نہیں اور شرابی زانی یا جس کا سر نہ ہو، قتل کیا گیا ہو، اُن لوگوں کی اگر امام نے نماز جنازہ پڑھادی تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ امام نے جذامی کی نماز جنازہ پڑھادی اس وجہ سے کچھ لوگ بدظن ہوگئے ہیں اور امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جذامی شخص کی وفات پر نماز جنازہ ضرور پڑھی جائے گی، یہی حکم سودخور اور دیگر گناہوں میں مبتلا شخص کا بھی ہے؛ لہٰذا جن امام صاحب نے ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھائی ہے ان پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں، اور نہ اس سبب سے امام صاحب سے بدظنی کرنے کی گنجائش ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صلوا على كل بر وفاجر. (السنن الكبریٰ للبیهقي ۲۹/٤ رقم: ٦٨٣٢ بيروت)

عن عمرو بن يحيىٰ رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: صلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم على ولد الزنا وأمه ماتت في نفاسها. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الجنائز / باب الصلاة على ولد الزنا والمرجوم ۳/٤ ٥٣ رقم: ٦٦١٢ المكتب الإسلامي)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى على زانية ماتت في نفاسها وولدها. (رواه الطبراني في الكبير، مجمع الزوائد للهيثمي / باب الصلاة على أهل لا إله إلا اللّٰه ۳/۱ ٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس نے زندگی بھر کبھی نماز، روزہ، زکوٰۃ ادا نہ کیا ہو، اس کی نمازِ جنازہ کا حکم

سوال (۷٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید جب سے بالغ ہوا اس نے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی، نہ فرض نہ نفل اسی طرح جمعہ وعیدین وغیرہ، اسی طرح نہ اس نے کبھی رمضان المبارک کے روزے رکھے، اور نہ ہی کبھی زکوۃ دی، اور نہ اس کی زبان سے کبھی ذکر واذکار سنا گیا اس سے جب کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھ لو تو وہ جواب دیتا ہے پڑھ لی حالانکہ درحقیقت وہ نماز نہیں پڑھتا ہے، اور بلوغ سے پہلے کا حال معلوم نہیں ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اگر اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے تو اس کی میت کو کیا کیا جائے، شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بر تقدیر صحت سوال زید چونکہ مسلمان ہے، اس لئے اس کی نماز جنازہ بہر حال پڑھی جائے گی، اس کی بدعملی کی وجہ سے اسے نماز جنازہ سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: الصلاة واجبة علی کل مسلم برا کان أو فاجرا، وإن عمل الکبائر. (سنن أبي داؤد / باب في الغزو مع أئمة الجور ۱/ ۳۵۰، مشکوة المصابیح، باب الإمامة ۱۰۰)

فکل مسلم مات بعد الولادة یصلي علیه صغیراً کان أو کبیراً، ذکراً کان أو أنثی لقوله علیه السلام: صلوا علی کل بر وفاجر. (بدائع الصنائع / وأما بیان من یصلی علیه ۲/ ٤٧ رشیدیة، کذا في الطحطاوي علی مراقي الفلاح / فصل في الصلاة علیه ٥٨٠، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱٦۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۳/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”من مات وعنده جارية مغنية فلا تصلوا عليه“ کا حکم منسوخ ہے

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لکھنا ضروری یہ ہے کہ آپ کی تحریر کردہ کتاب ”اللہ سے شرم کیجئے“ دیکھی، آپ نے اس کتاب میں آٹھویں فصل میں کان کی حفاظت کے ذیل میں ص: ۹۷/ پر جو یہ حدیث لکھی ہے، ”من مات وعنده جارية مغنية“ (یعنی جس کے پاس گانے والے باندی وہ اگر مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو) (قرطبی ۷/ ۵۱) کیا اس حدیث پر عمل منسوخ ہے، کیا یہ حدیث قابل عمل نہیں ہے؟

نیز یہ حدیث آج جدید ماحول کے اعتبار سے ٹیلی ویژن یا وی سی آر پر محمول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ چونکہ باندی وغلام کا دور ختم ہوگیا۔ اور آپ نے از خود اپنے قلم سے اسی باب کے تحت صفحہ ۹۹/ پر اشارہ بھی کیا، ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب اس حدیث کے عمل کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اور اس حدیث کی وعید کو ٹیلی ویژن رکھنے والوں پر محمول نہیں کرتے، برائے کرم تسلی بخش جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ صحیح ہے کہ اَب گانے بجانے والی باندی رکھنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم منسوخ ہوچکا ہے؛ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نیک وبد کی نماز جنازہ پڑھا کرو۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صلوا على كل بر وفاجر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٩/٤ رقم: ٦٨٣٢ بيروت)

لیکن اس حکم کی منسوخی کے باوجود گانے بجانے کی ممانعت اپنی جگہ برقرار ہے اور جو حکم گانے بجانے والی باندی کا ہے وہی حکم ٹیلی ویژن اور دیگر آلات فواحش کا ہے؛ کیوں کہ ان اَسباب کے گھر میں رہتے ہوئے ان سے بچنا محال ہے، اس حکم کی نظیر یہ ہے کہ شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرض لے کر ادا نہ کرنے والے شخص کی نماز جنازہ خود نہ پڑھاتے تھے؛ لیکن جب بعد میں وسعت ہوگئی تو نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم منسوخ کردیا گیا؛ لیکن قرض کی ادائیگی کا تاکیدی حکم آج بھی باقی ہے، اور وسعت کے باوجود قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول ممنوع ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا شهد جنازة سأل هل على صاحبكم دين؟ فإن قالوا نعم، قال: هل له وفاء؟ فإن قالوا: نعم، صلى عليه، وإن قالوا: لا، قال صلوا على صاحبكم، فلما فتح الله عزوجل عليه الفتوح، قال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن ترك دينا فعليّ، ومن ترك مالا فلورثته. (مسند أحمد ٢٩٠/٢)

نوٹ:- یہ وضاحت ''اللہ سے شرم کیجئے'' کتاب میں موقع پر آنی چاہئے تھی، اچھا ہوا آپ نے توجہ دلائی، اس پر احقر مشکور ہے۔ اور آئندہ اشاعتوں میں اس کی تصحیح کی کوشش کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۶/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسی میت کا حکم جس کا اسلام یا کفر معلوم نہ ہو؟

سوال (۷۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک عورت کو لے کر آیا اس کے ہاتھوں اور بانہوں پر گدے ہوئے نشان ہیں اور یہ نہیں معلوم ہے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ زید یہ کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے مگر وہ فاسق وفاجر ہے؛ کیوں کہ زید کو کسی نے نماز پڑھتے نہیں دیکھا، اس کی شہادت صحیح مانی جائے یا نہیں؟ اس عورت کا رات انتقال ہوگیا، اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اس عورت کا ایک مسلمان کے ساتھ رہنا نیز زید کا اس کے مسلمان ہونے کی تصدیق کرنا اس عورت کے مسلمہ ہونے پر غلبہ ظن پیدا کرتا ہے، اس لئے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کا ہاتھ گدوانا اگرچہ اس کے مسلمان نہ ہونے پر دال ہے؛ لیکن جاہل پسماندہ طبقوں میں عموماً مسلمان بھی اس عمل کو کرتے ہیں، اس لئے یہ اس کے کفر کی قطعی دلیل نہیں بنے گا۔ (امداد الاحکام ۲/۱ ۴۵، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۵/ ۳۰۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۱۲-۲۳۶)

كما في حديث عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عشر من الفطرة ...... حلق العانة. وفي رواية: الختان. (سنن أبي داؤد ۱/ ۸ رقم: ۵۳-۵٤)

لو لم يدرأ مسلم أم كافر ولا علامته فإن في دارنا غسل وصلى عليه، وإلا لا (درمختار) إن العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الأصح؛ لأنه يحصل به غلبة الظن كما في النهر عن البدائع، وفيها أن علامة المسلمين أربعة: الختان، والخضاب ولبس السواد وحلق العانة، قلت: في زماننا لبس السواد لم يبق علامة للمسلمين. (درمختار مع الرد المحتار / صلاة الجنائز، قبيل مطلب في الكفن ۲/ ۲۰۰ کراچی، شامي ۳/ ۹۳ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۰ھ

جس لاش کی حالت مشتبہ ہو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

سوال (۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مقامات ایسے ہیں خصوصاً پنجاب میں کہ جہاں مسلم لوگ مرد اور عورتیں اکثر ہندوانا لباس و پوشاک پہنتے ہیں، ایک جگہ سے ایک عورت مردہ ملی اس کی شناخت کیسے کریں کہ یہ مسلم ہے یا کافر؟ کیوں کہ لباس وغیرہ دونوں کا برابر اور ہر چیز میں برابر کچھ شناخت تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً کسی بھي علامت کے ذریعہ میت کا مسلمان ہونا معلوم کیا جائے گا، مثلاً زیر ناف بال مونڈنا یا صاف کرنا بھی من جملہ مسلمانوں کی علامتوں میں ہے۔ صورتِ مسئولہ میں اس امر کی تحقیق کرلی جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر یہ دیکھا جائے کہ لاش جہاں ملی ہے، وہاں اکثر آبادی مسلم ہے یا غیر مسلم؟ اگر آبادی مسلمانوں کی ہو تو اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جائے ورنہ چھوڑ دیا جائے۔

لو لم يدرأ مسلم أم كافر ولا علامته فإن في دارنا غسل وصلی عليه، وإلا لا (در مختار) إن العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الأصح؛ لأنه يحصل به غلبة الظن كما في النهر عن البدائع، وفيها أن علامة المسلمين أربعة: الختان، والخضاب ولبس السواد وحلق العانة، قلت: في زماننا لبس السواد لم يبق علامة للمسلمين. (درمختار مع الرد المحتار / صلاة الجنائز، قبيل مطلب في الكفن ۲/ ۲۰۰ کراچی، شامي ۳/ ۹۳ زکريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۹، إمداد الأحکام ۲/ ۴۵۱، کتاب المسائل ۲/ ۶۳، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/ ۳۰۷، أحسن الفتاویٰ ۴/ ۲۱۲-۲۳۶)

اختلط موتانا بكفار ولا علامة، اعتبر الأكثر، فإن استووا غسلوا، واختلف في الصلاة عليهم ومحل دفنهم الخ. (الدرالمختار)

قوله: اعتبر الأكثر ......: قال في الحلية: فإن كان بالمسلمين علامة، فلا

إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم، وإلا فلو المسلمون أكثر، صلى عليهم وينوي بالدعاء للمسلمين. (الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجنائز ٢٠٠/٢-٢٠١ كراچی، ٩٣/٣-٩٤ زكريا)

موتى المسلمين إذا اختلطوا بموتى الكفار أو قتلى المسلمين بقتلى الكفار، إن كان للمسملين علامة يعرفون بها، يميز بينهم وعلامة المسلمين الختان والخضاب ولبس السواد، فيصلى عليهم، وإن لم تكن علامة، إن كانت الغلبة للمسلمين يصلى على الكل وينوي بالصلاة الدعاء للمسلمين ويدفنون في مقابر المسلمين. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثاني في الغسل ١٥٩/١ رشيدية، وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: وأما شرائط وجوب الغسل ٣٢/٢ رشيدية) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۲/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دو لاشوں میں جب مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز کی علامت نہ ہو تو کیا معاملہ کیا جائے؟

سوال (۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دو لڑکیاں ایک مسلم اور ایک غیر مسلم دونوں کی مانگ میں سندور ہے، دونوں کی صورت بھی ایک ہے، اور قد بھی ایک ہے، یعنی کوئی شخص بھی ان کی شناخت نہیں کرسکتا کہ کون مسلم اور کون غیر مسلم؟ اور خدا نہ کرے ایسا ہو کہ اگر ان دونوں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا یا کوئی اور شکل ایسی بنی جس کی وجہ سے ان دونوں کا انتقال ایک ساتھ ہوا، اس وقت مسلم اور غیر مسلم کی شناخت کیسے کی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل کے بقول جب دونوں میں امتیاز کی کوئی علامت موجود ہی نہیں ہے تو یہ سوال ہی فضول ہے کہ ان میں شناخت کیسے ہوگی؟ ہاں ایسی صورت میں شرعی

حکم پوچھنے کی ضرورت ہے کہ ان کا کفن ودفن کیسے ہوگا؟ وہ یہ ہے کہ دونوں کو نہلا کر کفنایا جائے گا اور مسلمان عورت کا ارادہ کر کے نماز جنازہ پڑھی جائے گی، پھر دفن کردیا جائے گا۔

اختـلـط موتانا بكفار ولا علامة اعتبر الأكثر فإن استووا غسلوا. (درمختار ۲۲۰ کراچي، ۹۳/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۹/۹ھ

لاوارث عورتوں کی لاش کی شناخت کس طرح کی جائے؟

سوال (۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لاوارث عورتوں کی لاش کس طرح پہچانی جائے گی کہ مسلمہ ہے یا کافرہ ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاوارث عورتوں کی لاش پہنچاننے کی پوری کوشش کی جائے گی، اگر مسلمان عورتوں کی علامت یا قرینہ ظاہر ہوتو ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ ہوگا، اوراگر کافروں کی علامت ظاہر ہوتو اس کو کافروں کے حوالہ کردیا جائے گا، اوراگر کوئی بھی علامت دستیاب نہ ہوتو غالب گمان کا اعتبار رہوگا، اگر غالب گمان سے بھی کوئی فیصلہ نہ کیا جاسکے تو اسے غسل دے کر کسی کپڑے میں لپیٹ کر بغیر نماز پڑھے کسی گڑھے میں دفن کردیا جائے گا۔

لـو لم يدر أمسلم أو كافر ولا علامة فإن في دارنا غسل وصلى عليه وإلا لا قـوله فإن في دارنا أفاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة إن العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح؛ لأنه يحصل به غلبة الظن كما في النهر عن البدائع. (شامی ۹۳/۳ زکریا)

وإن كـانـا سـواء فـلا يـصـلـى عـليهم، و اختلف المشائخ في دفنهم، قال بعضهم: في مقابر المشركين، وقال بعضهم: في مقابر المسلمين، وقال بعضهم

یتخذ لهم مقبرة علی حدة. (الفتاویٰ الهندية ١٥٩/١، رشيدية، بدائع الصنائع ٣١/٢ رشيدية، احکام میت ٢٠٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم وغیر مسلم کی لاشیں جب مشتبہ ہوجائیں تو نماز جنازہ کس کی پڑھیں؟

سوال (۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلم وغیر مسلم مرد وعورت ایک بس پر سوار ہوکر کسی جگہ جارہے تھے، بس کے کھائی میں گرنے کی وجہ سے جملہ راکبین اس طرح سے ہلاک ہوگئے کہ کسی کی شناخت یعنی مسلم وغیر مسلم کی شناخت مشکل ہوگئی، اب مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ مسلم وغیر مسلم عورت کی شناخت کس طرح کریں گے؟ جنازے کی نماز پڑھیں گے یا جلادیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حتی الامکان علامت تلاش کی جائے، مثلاً ختنہ یا عورتوں کے لباس یا اور کوئی قرینہ، اگر ہر ممکن تلاش وتفتیش کے باوجود کوئی امتیازی علامت نہ پائی جائے تو بدرجہ مجبوری یہ حکم ہے کہ سب کو کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردیا جائے گا اور نیت صرف مسلمانوں کی کی جائے گی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۷۵، احسن الفتاویٰ ۲۰۲/۴)

إذا اختلط موتی المسلمین وموتی الکفار فمن کانت علیه علامة المسلمین صلی علیه و من کانت علیه علامة الکفار ترک فإن لم تکن علیهم علامة والمسلمون أکثر غسلوا وکفنوا وصلی علیهم وینوون بالصلاة والدعاء للمسلمین دون الکفار ویدفنون في مقابر المسلمین. (الأشباه والنظائر ١٨١، کذا في الدر المختار مع الرد المحتار ٩٣/٣-٩٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندو مسلم کی لاش جل کر کوئلہ بن گئی، اب نماز کس پر پڑھی جائے؟

سوال (۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکان میں ایک مالک مکان دوسرا نوکر، مالک مسلمان اور نوکر ہندو تھا، جو اسی میں رہتا تھا، دونوں اندر تھے، کسی نے آگ لگادی دونوں آگ میں جل گئے یعنی کھال گل گئی اور ڈھانچہ پڑا رہا، کچھ دنوں کے بعد وہ دونوں ڈھانچے نکالے گئے ان دونوں میں کس طرح تمیز کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں دونوں لاشوں کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا، نہ ان کو غسل دیا جائے گا اور نہ نماز پڑھی جائے گی۔

ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل ويكفن ويصلى عليه......، وإن وجد نصفه من غير الرأس أو وجد نصفه مشقوقاً طولاً، فإنه لا يغسل ولا يصلى عليه ويلف في خرقة ويدفن فيها. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۵۹ رشيدية، هكذا في البدائع الصنائع، كتاب الجنازة، فصل: وأما شرائط وجوبه ۲/۲۸ رشيدية، هكذا في الدر المختار / باب صلاة الجنائز ۳/۹۲ زكريا)

ألا ترى أن العظام لا يصلى عليها بالإجماع. (بدائع الصنائع ۲/۲۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے گوشت جسم کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کرنا؟

سوال (۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کی موت ہوگئی، اس کی موت جنگل میں ہوئی، کسی نے ماردیا، گھر والوں کو نہیں بتلایا گیا کہ فلاں جگہ لاش ہے، پندرہ دن کے بعد لاش کی ہڈیاں ملیں اس کے لڑکوں نے پہچانا کہ میرا باپ ہے، پولیس کو اطلاع کی پوسٹ مارٹم کے بعد ہڈیاں دفن کردیں، نماز جنازہ نہیں پڑھی، آپ

سے عرض ہے کہ اس کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریرِ سوال جب کہ میت کی صرف ہڈیاں دستیاب ہوئیں، گوشت پوست کچھ نہ تھا، تو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے؛ لہٰذا ہڈیوں کو نماز جنازہ کے بغیر دفنانا شریعت کے مطابق ہوا۔

ألا ترى أن العظام لا يصلى عليها بالإجماع. (بدائع الصنائع، شروط وجوب الغسل ۲/۲۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور اس میں شریک ہونا

سوال (۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دورانِ سفر کسی شخص کو شہید کردیا گیا، تو چند روز کی اطلاع کے بعد ان کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے یا نہیں؟ غائبانہ نماز جنازہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور غائبانہ نماز جنازہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز کیوں پڑھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے؛ لہٰذا حنفی شخص کے لئے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنا یا تو آپ کی خصوصیت تھی یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس کی میت کو حاضر کردیا گیا تھا، اس لئے آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ (مستفاد: مرقاۃ المفاتیح ۲/۳۵۵)

شرط صحتها شرائط الصلاة المطلقة وإسلام الميت وطهارته ووضعه إمام المصلي وبهٰذا القيد علم أنها لا تجوز على غائب. (حلبي، فصل في صلاة الجنائز،

الفصل الرابع في الصلاة على الميت ۵۸۳)

قال في الدر: (ووضعه) وكونه هو أو أكثره (أمام المصلي) وكونه للقبلة، فلا تصح على غائب...... وصلاة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على النجاشي لغوية أو خصوصية. (الدر المختار) قوله: أو خصوصية: أو لأنه رفع سريره، حتى رآه عليه الصلاة والسلام بحضرته، فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام، وبحضرته دون المأمومين، وهٰذا غير مانع من الاقتداء ......، من جملة ذٰلک: أنه توفي خلق كثير من أصحابه صلى اللّٰه عليه وسلم، من أعزهم عليه القراء ولم ينقل عليه أنه صلى عليهم، مع حرصه على ذٰلک، حتى قال: لا يموتن أحد منكم إلا آذنتموني به، فإن صلاتي عليه رحمة له. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۱۲۳/۳-۱۲۴ رشيدية)

وقال أبوحنيفة ومالک رحمهما اللّٰه تعالىٰ: هٰذا خاص به، وليس ذٰلک لغيره، قال أصحابهما: ومن الجائز أن يكون رفع له سريره فصلى عليه، وهو يرى صلاته على الحاضر المشاهد، وإن كان على مسافة من البعد، والصحابة وإن لم يروه فهم تابعون للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم، قالوا: ويدل على هٰذا أنه لم ينقل أنه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي على كل الغائبين غيره......، ويؤيده ما ذكره الواحدي بلا إسناد عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما، قال: كشف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن سرير النجاشي، حتى رآه وصلى عليه، وابن حبان عن عمران بن حصين رضي اللّٰه عنه، فصلونا خلفه ونحن لا نرى إلا أن الجنازة قدامنا، وأجيب أيضاً بأن ذٰلک خاص بالنجاشي؛ لإشاعة أنه مات واستئلاف قلوب الملوک الذين أسلموا في حياته؛ إذ لم يأت في حديث أنه صلى اللّٰه عليه وسلم، صلى على ميتٍ غائبٍ. (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، التكبير على الجنازة

٤/٨ ٢١-٢١٩ تاليفاتِ أشرفية، راجع للتفصيل: عمدة القاري، كتاب الجنائز / باب الرجل ينبغي إلى أهل الميت بنفسه، ذكر ما يستفاد منه، فرع ٢٢/٨ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۲/۴ھ

مختلف قسم کے جنازے جمع ہوجائیں تو نماز کس طرح پڑھیں؟

سوال (٨٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نماز جنازہ میں تین قسم کے جنازے ہوں مثلاً بالغ، عورت، بچی اور ایک بچہ، تو کیا ان کی نماز جنازہ ایک ساتھ ہی پڑھنا جائز ہے یا ہر ایک کی نماز جنازہ علیحدہ طور پر ادا کی جائے گی؟ اور اگر ایک ساتھ پڑھی جائے تو کیا ہر ایک کی دعا پڑھنی پڑے گی، یا صرف ایک ہی دعا سب کے لئے کافی ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مختلف قسم کے جنازے جمع ہوجائیں تو ہر ایک کی علیحدہ طور پر نماز جنازہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے؛ لیکن اگر سب کی نماز ایک ساتھ پڑھی جائے تو بھی درست ہے، اور اس صورت میں مردوں کے بعد عورتیں پھر بچوں کی میت رکھی جائے گی اور بالغوں کی دعا کے بعد نابالغ بچہ اور بچی کی دعا بھی پڑھی جائے گی۔

عن عكرمة مولى ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: صلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على قتلى أحد فصلى عليهم جميعهم، وقدم إلى القبلة أقرأهم للقرآن، وبه نأخذ. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الجنائز / باب إذا اجتمعت جنائز الرجال ٤٦٩/٣ رقم: ٦٣٥٦، سنن ابن ماجة / باب ما جاء في الصلاة على الشهداء ودفنهم ١٠٩/١ رقم: ١٥١٣)

عن أبي مالك رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجئي بتسعة، فصلى عليهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فرفعوا وترك حمزة، ثم جيء بتسعة فوضعوا، وصلى عليهم سبع

صـلـوات، حتـى صـلـى عـلـى سبعين، وفيهم حمزة رضي اللّٰه عنه في كل صلاة صلاها. (مراسيل أبي داؤد الملحق بسننه، في الصلاة على الشهداء ١٨ سعيد)

عـن يـحيـي بن صبيح قال: حدثني عمار مولى الحارث بن نوفل أنه شهد جـنـازة أم كلثوم وابنها، فجعل الغلام مما يلي الإمام، فأنكرت ذٰلک، وفي القوم ابـن عباس وأبو سعيد الخدري وأبو قتادة وأبوهريرة رضي اللّٰه عنهم، فقال: هٰذه السنة. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب إذا حضر الجنائز رجال ونساء من يقدم ٢/ ٤٥٥)

وإذا اجتـمعـت الـجـنائز فإفراد الصلاة على كل واحدة أولىٰ من الجمع وتـقـديـم الأفـضـل أفضل، وإن جمع جاز، قال الشامي: أي بأن صلى على الكل صلاة واحدة. (درمختار مع الشامي ٢/ ٢١٩ كراچی، ٣/ ١١٨ زكريا)

بـل يـقول بعد دعاء البالغين: اللّٰهم اجعله لنا فرطاً الخ. (الدر المختار ٢/ ٢١٥ كراچی، ٣/ ١١٣ زكريا)

إذا اجتـمـعـت الجنائز فالإفراد بالصلاة لكل منها أولىٰ ...... وإن اجتمعن وصلى مرةً واحـدة ...... فيـجعل الرجال مما يلى الإمام، ثم الصبيان بعدهم: أي بـعـد الـرجـال ثم الخناثى، ثم النساء، ثم المراهقات. (حـاشية الـطـحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته ٢ ٥٩-٥٩٣)

فـإذا اجتـمـعت الجنائز، فالإمام بالخيار إن شاء صلى عليهم دفعةً واحدةً وإن شـاء صـلـى عـلـى كل جنازة عـلى حدة......ثـم كيف تـوضـع الـجنائز إذا اجتـمعت؟ فنقول: لا يخلو إما إن كانت من جنس واحد أو اختلف الجنس......، وأمـا إذا اختـلف الـجـنس بأن كانوا رجالاً ونساءً، توضع الرجال مما يلي الإمام والـنساء خلف الرجال مما يلي القبلة ...... ولو اجتمع جنازة رجل وصبي وخنثى وامرأة وصبية، وضـع الـرجـل مـمـا يـلـي الإمام والصبي وراءه، ثم الخنثى، ثم

المرأة، ثم الصبية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما تصح به وما تفسده وما يكره ٥٦/٢ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/۱۴۲۰ھ

بالغ ونابالغ دونوں طرح کی اموات جمع ہوجائیں تو نماز جنازہ میں کیا دعاء پڑھیں؟

سوال (۸۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بالغ ونابالغ دونوں طرح کی اموات جمع ہوجائیں تو نماز جنازہ میں کیا دعاء پڑھیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بالغ اور نابالغ دونوں طرح کی اموات جمع ہوجائیں تو ایسی صورت میں بالغوں کی دعاء کے بعد نابالغوں کی دعاء بھی پڑھی جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۸۶/۸ ڈابھیل)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أنه كان يصلي على المنفوس الذي لم يعمل خطيئة قط، ويقول: "اللّٰهم اجعله لنا سلفاً وفرطاً وذخراً. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الجنائز / باب السقط يغسل ويكفن ويصلى عليه إن استهل ١٥٣/٤ رقم: ٦٧٦٤ بيروت، كذا في المصنف لابن أبي شيبة ١٠٥/٦ رقم: ٣٩٨٣٨)

عن إبراهيم الأشهلي عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا صلى على الجنازة قال: "اللّٰهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وأنثانا". قال يحيىٰ: وحدثني أبو سلمة بن عبد الرحمن عنه مرفوعاً، وزاد فيه: "اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان". (سنن الترمذي، الجنائز / باب ما يقول في الصلاة على الميت

١/١٩٨ رقم: ١٠٢٤، سنن أبي داؤد، الجنائز / باب الدعاء للميت ٤٥٦/٢ رقم: ٣٢٠١، كذا في المستدرك للحاكم، الجنائز ٥١١/١ رقم: ١٣٢٧ بيروت)

ولا يستغفر لصبي ويقول في الدعاء: ''اللّٰهم اجعله لنا فرطاً'' بعد تمام قوله: ''ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان''. (طحطاوي على المراقي ٥٨٧ دار الكتاب، حلبي كبير ٥٨٧ أشرفي، البحر الرائق ١٨٤/٢ كوئٹه)

ولا يستغفر لصبي ولكن يقول بعد دعاء المكلفين: ''اللّٰهم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا أجراً وذخراً واجعله لنا شافعاً ومشفعاً. (الدر المنتقىٰ مع مجمع الانهر ٢٧١/١ بيروت، درمختار ١١٣/٣ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۵/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے گاؤں والوں کا نماز جنازہ پڑھ کر میت کو دفن کرنا؟

سوال (۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی گاؤں میں ایک بالغ مرد کا انتقال ہوگیا، تو جس گاؤں میں انتقال ہوا، اسی گاؤں کے دس پانچ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیا اور میت کے گاؤں والے کسی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت پر نماز جنازہ پڑھنا فرضِ کفایہ ہے؛ لہٰذا اگر میت کے پڑوس اور گاؤں والے میت کے کفن دفن میں شریک نہ ہوسکیں اور دوسرے گاؤں کے تین چار پانچ دس آدمیوں نے مل کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیا ہے تو یہ درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳۰۲/۵)

عن أبي مليكة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

ما توفى الله نبيا قط، إلا دفن حيث تقبض روحه. (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ذكر موضع قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ٢٢٤/٢)

والصلاة عليه ...... فرض كفاية بالإجماع. (الدر المختار / صلاة الجنازة ١٠٢/٣ زكريا)

لأن المقصود يحصل بإقامة البعض فتكون فرض كفاية. (تبيين الحقائق / باب الجنائز ٢٣٨/١)

والصلاة على الجنائز فرض على الكفاية تسقط بأداء الواحد إذا كان هو الولي، وليس للقوم أن يعيدوا بعد ذٰلک، ولو أن جنازة تشاجر فيها قوم أيهم يصلي عليها فوثب رجل غريب فصلى عليها وصلى معه بعض القوم فصلا تهم تامة، وإن أحب الأولياء أعادوا الصلاة؛ لأن حق الصلاة على الجنازة للأولياء فلا يكون لغيرهم أن يبطل حقهم. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة / باب الصلاة على الجنازة ١٠٩/٢ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۳/۲۱ھ

ایک شخص کا دومرتبہ نماز جنازہ پڑھانا؟

سوال (۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی نے نماز جنازہ پیش امام کے ساتھ ادا فرمائی، اس کے بعد چند آدمی نماز سے رہ گئے تھے تو اس آدمی نے ان کو جمع کرکے دوبارہ نماز پڑھائی، تو اس طرح دوبارہ نماز پڑھانا کہیں ثابت ہے؟ اگر نہیں تو اس نے خلاف شریعت کام کیا، تو اس کے بارے میں کیا وعید ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ ایک ہی مرتبہ ایک شخص کا پڑھنا مشروع ہے، شخص مذکور کا یہ فعل شرعاً درست نہیں ہے، اسے اپنے فعل سے توبہ کرنی چاہئے۔

ولـذا قـلـنـا: ليـس لـمـن صلى عليها أن يعيد مع الولي؛ لأن تكرارها غير مشروع. (درمختار ۲/۲۲۳ كراچي، ۳/۱۲٤ زكريا)

فـإن صلى غيره أي غير من له حق التقدم أعادها إن شاء، ولا يعيد معه من صلى غيره. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل: السلطان أحق بصلاته ۵۹۱)

ولا يـصـلـى عـلـى ميت واحد إلا مرة واحدة والتنفل بصلاة الجنازة غير مشروع. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱٦۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۴/۲۱ھ

نماز جنازہ میں جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ پڑھتے یا پڑھاتے وقت جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ پڑھنے کے لئے جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔

الطهارة مـن الـنجاسة في ثوب وبدن ومكان، وستر العورة شرطٌ في حق الميت والإمام جميعاً. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجنائز ۲/۲۰۸ كراچی، كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة / بـاب الـجـنـائـز ۲/۵ ۲۱ رشيـدية، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب أحكام الجنائز، فصل: الصلاة عليه ۵۸۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جوتے چپل پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھنا؟

سوال (۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: جوتے چپل کے یقیناً پاک ہونے کی صورت میں نماز جنازہ جوتے چپل پر کھڑے ہوکر پڑھنا درست ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوتے چپل اگر اوپر سے پاک ہوں، تو ان پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھنا درست ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۱۹۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۸۳)

وذكر في المنية وشرحها: إذا كانت النجاسة على باطن اللبنة أو الآجرة وصلى على ظاهرها جاز. (شامي ۲/۳۸۷ زكريا)

ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت، وبهٰذا يعلم ما يفعل في زماننا من القيام على النعلين في صلاة الجنازة، لكن لا بد من طهارة النعلين، كما لا يخفى. (البحر الرائق، باب الجنائز ۲/۳۱۵ رشيدية، كذا في فتح القدير ۱/۱٦۹ دار الفكر بيروت)

ولو افترش نعليه وقام عليهما، جازت صلاته بمنزلة ما لو بسط الثوب الطاهر على الأرض النجسة وصلى عليه، فإنه يجوز. (مجموعة رسائل اللكنوي، غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، فصل: أحكام النعال المتعلقة بالصلاة ۱/۲۹ كراچی، بحواله حاشية: فتاویٰ محموديه ۸/۵۸۲ ڈابھيل) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲٦ھ

میت کی نماز جنازہ محلّہ کا امام پڑھائے یا جس محلّہ میں نماز ہو وہ پڑھائے؟

سوال (۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کی نماز جنازہ وہ امام پڑھانے کا حق دار ہے جس محلّہ کی میت ہے یا جس محلّہ میں نماز جنازہ ہورہی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ کے امام کو اس وقت امامت کا حق ہوتا ہے جب کہ جنازہ پڑھنے والے اسی محلّہ کے مقتدی ہوں اور دوسرے محلّہ میں جنازہ لے جانے کی صورت میں اسی دوسرے محلّہ کے نمازی زیادہ ہوتے ہیں جو کہ میت کے محلّہ کے امام کے مقتدی نہیں ہیں؛ اس لئے دوسرے محلّہ میں نماز ہونے کی صورت میں میت کے امام کا حق باقی نہیں رہتا؛ لہٰذا یہاں پر ولی جس کو نماز پڑھانے کی اجازت دے گا، وہی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۳۴۰)

عن عروۃ رضي اللّٰہ عنہ قال: لما قتل عمر ابتدر علي وعثمان للصلاۃ علیہ فقال لهما صهیب: إلیکما عني فقد ولیت من أمر کما أکثر من الصلاۃ علی عمر وأنا أصلي بکم المکتوبة فصلی علیہ صهیب. (المستدرك، کتاب معرفة الصحابة، مقتل عمر رضي اللّٰہ عنه علی الاختصار ۳/۹۹ رقم: ۴۵۱۷)

أخرج البخاري تعلیقاً: قال الحسن: أدرکت الناس وأحقهم علی جنائزهم من رضوہ لفرائضهم. (صحیح البخاري، کتاب الجنائز / باب سنة الصلاۃ علی الجنازۃ ۱/۱۷۶ تحت رقم الباب: ۵۶، کتاب الآثار، کتاب الجنائز / باب الصلاۃ علی الجنازۃ ۲/۷۸ رقم: ۲۳۹)

وله أي للولي – الإذن لغیرہ فیها – أي في الصلاۃ علی المیت؛ لأنه حقه فیملك إبطاله. (درمختار مع الشامي زکریا ۳/۱۲۲)

وذکر محمد في کتاب الصلاۃ: أن إمام الحي أولیٰ بالصلاۃ، وفي الخلاصة، الخانیة: إمام الحي أولی من الولي في الصحیح من الروایة، وروي ابن سماعة عن أبي یوسف أن الولي من الکل، وفي الظهیریة: ولا یتقدم إمام الحي إلا بإذن الأب، وعند عدم إمام الحي أبو المیت أولیٰ من سائر العصبات. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاۃ / باب من هو أولی بالصلاۃ علی المیت ۳/۵۹ رقم: ۳۷۱۳ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عورت کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق دار کون ہے؟

سوال (۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں اس بات پر جھگڑا ہے کہ اگر عورت مرجائے تو نماز پڑھانے کی اجازت اس کا بھائی دے گا یا اس کا خاوند یا بیٹا، زید کہتا ہے کہ اس کے بیٹوں کو اختیار رہے کہ وہ خود نماز پڑھائیں یا دوسرے کو اجازت دے کر نماز پڑھوائیں، مگر مندرجہ ذیل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۷۸/۵ سوال ۲۷۸۹ کے جواب میں لکھا ہے کہ: ولی عورت متوفیہ کا اس کا باپ اور اس کا بھائی وغیرہ عصبات میں سے ہے، شوہر ولی نہیں ہے۔ اور اسی فتاویٰ دارالعلوم ۳۰۲/۵ سوال ۲۸۴۸ کے جواب میں لکھا ہے: .... کہ اس صورت میں باپ احق ہے خود نماز جنازہ پڑھاوے یا کسی کو اجازت دے۔

درمختار میں ہے: **ثم الولي يترتب عصبه إلا نكاح.** نکاح کے وقت بیٹا تو نہیں ہوتا اور اگر بالغہ جس کے پندرہ سال یا اس سے زائد عمر کا لڑکا ہو وہ ایسا یعنی نکاح نہیں کرتی، بالفرض اگر وہ نکاح کرنا ہی چاہے تو بالغہ کا نکاح حدیث: **لا نكاح إلا لولي** کی وجہ سے ہوجاتا ہے، چاہے ولی کی اجازت نہ بھی ہو۔ جلد ہشتم سوال ۹۲۸ کے جواب میں ایسا ہی لکھا ہے اور جلد ہشتم فتاویٰ دارالعلوم دیوبند دیکھی گئی ولایت نکاح میں کہیں بھی ذکر نہیں کہ بیٹا ولی ہے۔

اسی فتاویٰ دارالعلوم ۱۶۹/۸ سوال ۱۰۹۶ کے جواب میں لکھا ہے۔ الجواب: نابالغ کے نکاح کی ولایت اور اختیار دراصل عصبات کو ہے (۱) باپ (۲) دادا (۳) بھائی۔ جلد ہشتم سوال ۸۷۵ اور سوال ۸۸۸ پر ثابت ہے کہ ولی بھائی ہے۔ صفحہ: ۱۴۱ سوال ۸۸۵ میں لکھا ہے کہ ہندہ نے زید سے اپنی شادی کردینے کی اجازت بموجودگی دوعورت اور ایک مرد کے اپنی ماں کو دی اور اس کا عقد کردیا گیا تو جواب میں لکھا ہے کہ نکاح ہوگیا، کیوں کہ وہ خود ہندہ اجازت دے چکی تھی، اور کسی ولی کی ضرورت نہیں تھی، اسی جلد کے صفحہ ۸۴ سوال ۹۵۵ اور سوال ۹۸۸ پر لکھا ہے کہ باپ بھی بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں کرسکتا۔ اسی جلد یعنی فتاویٰ دارالعلوم کے صفحہ ۱۰۶ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

ثم يقدم الأب ثم أبوه ثم الأخ الشقيق......، وإن لم تكن عصبة فالولاية لأم

(الدر المختار على هامش رد المحتار باب الولي ۱۹۲/۳-۱۹۵ زكريا)

الولي في النكاح إلا المال العصبة بنفسه بلا توسطة أنثى على ترتيب الإرث والحجب فيقدم ابن المجنونة على أبيها. (الدر المختار ۱۹۰/٤ زكريا)

ثم يقدم الأب ثم أبوه ثم الأخ الشقيق. (رد المحتار باب الولي ٤۲۷/۲-٤۲۸ كراچي، ۱۹۲/٤ زكريا)

خلاصہ سوال یہ کہ عورت اگر مر جائے تو اس کی نماز جنازہ باپ اور بیٹے کی اجازت سے ہوگی یا بھائی کی اجازت سے۔

فتاویٰ دار العلوم کی جلد پنجم پر لکھا ہے کہ عورت متوفیہ کا ولی، باپ یا بھائی ہیں کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ فتاویٰ دار العلوم ۱۶۹/۸ سوال ۱۰۹۶ پر لکھا ہے کہ (۱) باپ (۲) دادا (۳) بھائی ولی ہے۔ اسی جلد ہشتم کے اندر ولایت نکاح میں لڑکے کا ذکر بھی نہیں۔ (یہ کیوں)

یہ ماں کی ولایت کے لئے نہیں پوچھا گیا؛ بلکہ نماز جنازہ کی اجازت کے لئے دریافت کیا گیا ہے، بیٹا تو نکاح کے وقت ہوتا بھی نہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل تو یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق اولاً بیٹے کو، پھر باپ کو، پھر بھائی کو، پھر چچا کو ہونا چاہئے؛ لیکن حضرات فقہاء نے اس مسئلہ میں باپ کو بیٹے پر مقدم رکھا ہے، یعنی اگر باپ موجود ہو تو بیٹے کو چاہئے کہ وہ اسی سے نماز پڑھوائے یا اجازت دلوائے؛ تاکہ باپ کا احترام برقرار رہے، حتی کہ شامی میں لکھا ہے کہ اگر مرنے والی عورت ہو اور اس کا شوہر اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو شوہر نماز جنازہ کا حق دار ہوگا، کیوں کہ اصل ولایت بیٹے کو حاصل ہوگی، پھر وہ اپنے باپ (متوفیہ کے شوہر) کو آگے بڑھائے گا؛ تاکہ باپ کا احترام ملحوظ رہے جس کا لحاظ امامت میں مسنون ہے۔

ثم الولي بترتيب عصوبة الإنكاح إلا الأب فيقدم على الابن اتفاقاً، وتحته في الشامي: هو الأصح لأن للأب فضيلة عليه وزيادة سن، والفضيلة والزيادة تعتبر ترجيحاً في استحقاق الإمامة كما في سائر الصلوات .... ويدل عليه قولهم سائر القرابات أولى من الزوج إن لم يكن له منها ابن، فإن كان فالزوج أولى منهم؛ لأن الحق للإبن وهو يقدم أباه، ولا يبعد أن يقال إن تقديمه على نفسهٖ واجب بالسنة. (شامی ۱۲۰/۳-۱۲۱ زکریا)

عن الحسن قال: أولى الناس بالصلاة على المرأة الأب، ثم الزوج، ثم الابن، ثم الأخ. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجنائز / باب من أحق بالصلاة على الميت ٤٧٢/٣ رقم: ٦٣٧٠، فتح الباري، كتاب الجنائز / باب سنة الصلاة على الجنائز ٢٢٧/٣ تحت رقم: ١٣٢٢)

آپ نے سوال میں جو فتاویٰ دارالعلوم کے حوالے نقل کئے ہیں وہ سب صحیح ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لئے کہ جنازہ کے مسئلہ میں باپ کو احق کہا گیا ہے، جو اپنی جگہ صحیح ہے اور نکاح کے مسئلہ میں بیٹے کا ذکر نہیں کیا گیا، کیوں کہ نکاح نابالغہ کے وقت تو بیٹا موجود نہیں ہوتا؛ البتہ مجنونہ کے نکاح کے وقت اس کا بیٹا موجود ہوسکتا ہے اور بالغہ عاقلہ میں ولی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۲/۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرنے والے کا کوئی وارث نہیں تو امام اجازت کس سے لے گا؟

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرنے والے کا کوئی وارث نہیں تو امام کس طرح سے اجازت لے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کی صحت کے لئے وارث سے اجازت لینا

کوئی ضروری نہیں ہے، بریں بنا جو میت لا وارث ہوتو اس کی نماز امام صاحب بلا اجازت پڑھا سکتے ہیں، اس میں شرعا کوئی مضائقہ نہیں۔

عن عروۃ رضي اللّٰہ عنہ قال: لما قتل عمر ابتدر علي وعثمان للصلاۃ علیہ، فقال لهما صهیب: إلیکما عني فقد ولیت من أمر کما أکثر من الصلاۃ علی عمر، وأنا أصلي بکم المکتوبۃ فصلی علیہ صهیب. (المستدرك، کتاب معرفۃ الصحابۃ، مقتل عمر رضي اللّٰہ عنہ علی الاختصار ۹۹/۳ رقم: ۴۵۱۷)

وتقدیم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن یکون أفضل من الولي، وإلا فالولي أولیٰ. (شامي ۱۲۰/۳ زکریا، مراقي الفلاح ۵۸۹، سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر ۲۶۹/۲ بیروت)

ثم إمام الحي أي الطائفۃ وهو إمام المسجد الخاص بالمحلۃ وإنما کان أولیٰ؛ لأن المیت رضی بالصلاۃ خلفہ في حال حیاتہ، فینبغي أن یصلی علیہ بعد وفاتہ. (شامي ۱۱۹/۳ زکریا)

ثم إمام الحي لأنہ رضیہ في حیاتہ فهو أولیٰ من الولي في الصحیح. (مراقی الفلاح ۵۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ؟

سوال (۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ان تین وقتوں میں سجدہ کرنا منع ہے: طلوعِ آفتاب، زوالِ آفتاب اور بعد العصر، تو کیا اِن وقتوں میں جنازہ کی نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جنازہ پہلے سے تیار تھا، تو طلوع، غروب اور زوال

کے وقت نماز جنازہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر اسی وقت تیار ہوا تو کوئی کراہت نہیں، اسی وقت نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا، حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيّف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، الصلاة / باب الأوقات التي نهي عن الصلاة ٢٧٦/١ رقم: ٨٣١، سنن أبي داؤد، الجنائز / باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبها ٤٥٤/٢ رقم: ٣١٩٢)

ويكره صلاة الجنازة عند طلوع الشمس واستوائها وغروبها. (الفتاوىٰ التاتارخانية، الجنائز ٨٥/٣ رقم: ٣٧٨١ زكريا)

ومنع...... وصلاة جنازة حضرت قبلها، لأن ما وجب كاملاً لا يتأدى بالناقص، وأما...... الحاضرة فيها فلا يكره، أي تحريماً؛ لأنها وجبت ناقصة، أديت فيها كما وجبت. (سكب الأنهر على هامش منجمع الأنهر، الصلاة ١١٠/١ كوئٹه، كذا في الفتاوىٰ الهندية ٥٢/١، الدر المختار / كتاب الصلاة ٣٤/٢-٣٥ زكريا، طحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في أوقات المكروهة ١٤٩ مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکروہ اَوقات میں نماز جنازہ اور تدفین کا حکم؟

سوال (۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ وممنوعہ میں نماز جنازہ اور تدفین کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ وممنوعہ میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز

نہیں؛ البتہ ان اوقات میں دفن کرنا بلاشبہ درست ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت ۱/ ۲۰۰ سعيدية)

ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة ولا صلوة الجنازة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة و تكره فيها ۱/ ۵۲، وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة ۱/ ۴۳۲- ۴۳۴ رشيدية)

فالمراد من قوله "نقبر" الصلوة عليه للملازمة بينهما؛ ولأن الدفن غير مكروه. (بذل المجهود ۱۰/ ۴۷۶ رقم: ۳۱۹۲ بيروت، كذا في بدائع الصنائع، باب الجنائز / فصل: وأما بيان ما يكره فيها ۲/ ۵۷ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بوقتِ زوال نمازِ جنازہ اور خطبہ نکاح پڑھنا

سوال (۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بوقت زوال نکاح اور نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ براہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، نکاح کا خطبہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه تعالىٰ عنه: ثلاث ساعات كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أوأن نقبر فيهن موتانا: ...... وحين

يقوم قائم الظهيرة حتى تميل......الخ. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في كراهية الصلاة على الميت ۱/ ۲۰۰)

وكره تحريماً وكل ما لايجوز مكروه صلوٰة مطلقاً ولو قضاءاً أو على جنازة......، مع شروق واستواء. (درمختار ۱/ ۳۷۰ کراچی، ۲/ ۳۰ زکریا، طحطاوي ۱۸٦ ديو بند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۲/۷ھ

نماز جنازہ خطبہ اور سنتوں سے پہلے پڑھیں یا بعد میں؟

سوال (۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کی نماز کے بارے میں یہاں یہ معمول ہے کہ جنازہ کی نماز سنتوں سے قبل پڑھتے ہیں، بعد میں سننِ مؤکدہ، احقر سے پوچھا گیا تو احقر نے بتایا کہ سننِ مؤکدہ کے بعد ہے؛ لیکن کتاب دیکھی تو فتاویٰ عالمگیری میں یہ ہے کہ: **حضرت وقت صلاة المغرب جنازة تقدم صلاة الجنازة على سنة المغرب كذا في القنية.** (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الخامس في الصلاة على الميت)

ایسے ہی فتاویٰ دارالعلوم قدیم مرتبہ مولانا محمد اکمل صاحبؒ میں بھی حضرت اقدس مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا یہی فتویٰ ہے؛ لیکن پھر بھی احقر کو شرح صدر نہیں ہوا، اور وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ پہلے سننِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ گھر میں پڑھنا افضل تھا، اس لئے یہ مسئلہ بتایا گیا کہ پہلے جنازہ کی نماز پڑھ لو، بعد میں سنتیں پڑھنے کے لئے گھر میں جانا؛ کیوں کہ جنازہ پڑھنے کے لئے گھر سے آنا پھر مشکل ہے، اور اب چوں کہ لوگوں میں فرائض کے بارے میں بھی تہاون وتغافل ہے، چہ جائے کہ سننِ مؤکدہ؛ اس لئے حضرت تھانویؒ کا فتویٰ ہے کہ مسجد ہی میں سنتیں پڑھی جائیں، تو چوں کہ سنتیں مسجد میں پڑھنی ہیں؛ اس لئے اب مسئلہ یہ ہے کہ پہلے سننِ مؤکدہ پڑھ لو بعد میں جنازہ کی نماز پڑھو؛ کیوں کہ اگر جنازہ کی نماز پہلے پڑھ لی تو سنتیں پھر بعد میں بہت کم لوگ پڑھیں گے، جیسا کہ خطبہ عید سے پہلے نماز جنازہ، جب کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **تقدم صلاة الجنازة**

على الخطبة كذا في القنية. (باب صلاة العيدين) لیکن چوں کہ جنازہ پڑھ کر خطبہ کوئی نہیں سنے گا؛ اس لئے پہلے خطبہ پڑھ لو بعد میں جنازہ کی نماز پڑھو؛ لیکن امداد المفتیین میں یہ مسئلہ بھی اس کے خلاف ہے، اور عالمگیری کے موافق ہے؛ اس لئے احقر کو تشویش ہے، تشویش کی دو وجہیں ہیں: (۱) دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی کا عمل (۲) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کا فتویٰ جو ۱۹/ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کا ہے، نمبر الف ۴۳۹۰/۲ ہے، آپ کے بھی اس پر دستخط ہیں، اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب فرمائیں کہ کیا خطبہ وسننِ مؤکدہ سے پہلے جنازہ کو پڑھا جائے یا احقر کا خیال اس بارے میں صحیح ہے، امید ہے کہ بالتفصیل مع الدلائل وحوالہ جات دونوں مسئلوں کی ہر ایک شق کا جواب جلدی ارسال فرمائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس بارے میں آپ کا خیال صحیح ہے، نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنی چاہئے۔

درمختار میں ہے: **لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي الفتوىٰ على تاخير الجنازة عن السنة وأقره المصنف.** (درمختار على هامش الشامي ۱٦٧/۲ كراچي، ٤٧/۳ زكريا)

علامہ شامیؒ نے بھی اسی رائے کو مفتی بہ کہا ہے، نیز دیگر مصالح بھی اس کی مقتضی ہیں، مثلاً مسبوقین کی رعایت یا بعض لوگوں کا سرے سے سنت ہی چھوڑ دینے کا خطرہ وغیرہ۔

إن الفتوىٰ على تاخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة وهي سنة، فعلى هٰذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد. (البحر الرائق ٤٠/١، ٤، حلبي كبير ٦٠٧ لاهور)

البتہ عید کی نماز میں اگر جنازہ حاضر ہو تو خطبہ سے قبل نماز جنازہ پڑھنے میں حرج نہیں، جیسا کہ عالمگیری کے جزئیہ میں ہے۔ نیز مصلحت بھی اسی کی متقاضی ہے؛ کیوں کہ خطبہ کے بعد صف بندی مشکل ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۲/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز عید کے بعد خطبہ سے قبل نماز جنازہ پڑھنا؟

سوال (۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کی نماز میں سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب نے دعا کرلی، جب کہ خطبہ پڑھنا باقی ہے، درمیان میں جنازہ کی نماز پڑھائی اور تمام مقتدیوں نے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوکر نماز جنازہ ادا کی، نماز جنازہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا، کیا خطبہ نماز عید کا جزء ہے، اگر یہ جزء ہے تو اس کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا یا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کی نماز میں خطبہ سے پہلے نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور عیدین میں خطبہ سنتِ مؤکدہ ہے، درمیان میں نماز جنازہ پڑھنے سے اس کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (امداد الاحکام ۲/۴۴۷)

وتقدم صلاتها أي العيد على صلاة الجنازة إذا اجتمعا وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها. (الدر المختار ۳/۴٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۸/۱٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز کے وقت جنازہ آجائے تو سننِ مؤکدہ کب پڑھے؟

سوال (۱۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر فرض نماز کے وقت جنازہ آجائے تو نماز جنازہ سننِ مؤکدہ سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟ یہاں اس سلسلہ میں بعض علماء کرام یہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کو سنتوں پر مقدم کیا جائے، اور فتاویٰ دار العلوم اور عالمگیری کا حوالہ دیتے ہیں؛ لہٰذا اس سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ صحیح مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں نماز جنازہ سننِ مؤکدہ کے بعد

پڑھنا بہتر ہے، یہی قول درمختار میں مفتی بہ لکھا ہے، اور مصالح بھی اسی کی مقتضی ہیں؛ کیوں کہ نماز جنازہ سنتوں سے قبل پڑھنے میں مسبوقین کی نمازوں میں خلل پڑتا ہے اور بہت سے لوگ اس بنا پر سنت ہی کو ترک کردیتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۷۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۱۷)

عن الحسن و ابن سيرين قالوا: إذا حضرت الجنازة و الصلاة المكتوبة يبدأ بصلاة المكتوبة. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٤٨٥ رقم: ١١٣٢٩ بيروت)

قال في الدر المختار: ولكن في البحر قبيل الأذان على الحلبي الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة و أقره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلاة. (درمختار مع الشامي ٣/ ٤٧ زكريا)

إن الفتوىٰ على تاخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة و هي سنة، فعلى هٰذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد. (البحر الرائق ١/ ٤٤٠، حلبى كبير / صلاة الجنازة في المتفرقات ٧/ ٦٠ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/ ۱۰/ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ سنتوں کے بعد پڑھنا افضل اور مفتی بہ ہے

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ سنت پڑھنے سے قبل یا سنت پڑھنے کے بعد افضل ہے؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب نماز جنازہ سنت پڑھنے کے بعد ادا کی جاتی ہیں تو بہت سے نمازی بغیر نماز جنازہ پڑھے گھر چلے جاتے ہیں، صرف میت کے لواحقین اور رشتہ دار ہی نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے میت کو زیادہ نمازیوں کے ثواب سے محروم رہنا پڑتا ہے، خانۂ کعبہ اور مسجدِ نبوی میں فرض کے بعد فوراً نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے؛ تاکہ زیادہ نمازی میت کے حق میں نماز پڑھ سکیں اور ثواب پہنچائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ سنت پڑھنے کے بعد پڑھنا افضل ہے، اور

مفتی بہ قول یہی ہے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۱/۷۳۶)

والفتویٰ علی تاخیر الجنازة عن السنة. (شامي ٣/٤٧ زكريا)

اور سنت کے بعد نماز جنازہ پڑھنے میں صرف لواحقین اور رشتہ دار نماز جنازہ میں شریک رہتے ہیں، یہ ایسا عذر نہیں کہ جس کی بنا پر نماز جنازہ کو سنت پر مقدم کیا جائے؛ اس لئے کہ سنت سے پہلے پڑھنے کی صورت میں اکثر لوگ سنت چھوڑ دیتے ہیں، بعد میں نہیں پڑھتے، اور جو خانۂ کعبہ میں نماز جنازہ فرض نماز سے متصلاً پڑھی جاتی ہے وہ آپ کے ذکر کردہ علت کی بنا پر نہیں؛ بلکہ وہاں مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے سنتوں کے بعد پڑھنے کی شکل میں مجمع کو قابو میں رکھنا اور صفوں کو از سر نو درست کرنا مشکل ہے؛ اس لئے سنتوں سے قبل ہی ادا کرنا آسان ہوتا ہے۔

اسی طرح جہاں مجمع کثیر ہو، اور سنتوں کے بعد سب کو جمع کرنا مشکل ہو، تو یہاں بھی سنتوں سے قبل نماز جنازہ پڑھی جائے گی، جیسا کہ بعض شہروں کی بڑی مسجدوں میں جمعہ کی نماز کے بعد امام محراب سے آگے چند لوگوں کو ساتھ لے کر نماز جنازہ پڑھاتا ہے۔

عن الحسن وابن سيرين قالوا: إذا حضرت الجنازة والصلاة المكتوبة يبدأ بصلاة المكتوبة. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٨٥ رقم: ١١٣٢٩ بيروت)

قال في الدر المختار: ولكن في البحر قبيل الأذان على الحلبي الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة وأقره المصنف كأنه إلحاقاً لها بالصلاة. (درمختار مع الشامي ٣/٤٧ زكريا)

إن الفتوىٰ على تاخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة وهي سنة، فعلى هٰذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد. (البحر الرائق ١/٤٤٠، حلبي كبير / صلاة الجنازة في المتفرقات ٧/٦٠ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کے وقت نفل پڑھنا؟

سوال (۱۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نماز جنازہ کی جماعت کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ نیز تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اور اگر نفل پڑھنے کے بعد پوری نماز جنازہ مل سکتی ہو تب بھی نفل مکروہ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ پڑھنے والے لوگ اگر موجود ہوں تو کسی شخص کا انفرادی طور پر نفلوں میں مشغول رہنا کسی بھی طرح مکروہ نہیں ہے، بس اتنی بات ہے کہ اگر نفل میں مشغولی کی وجہ سے وہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکا تو ایک عظیم ثواب سے محرومی ہوگی، اور اگر نفل پڑھ کر جماعت میں شریک ہوگیا تو کوئی محرومی بھی نہیں ہے۔ (مستفاد امداد الفتاوی ۱/۷۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۷/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے پیر امام کے دائیں جانب کر کے نماز جنازہ پڑھنا؟

سوال (۱۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جنازہ کی نماز اس طرح پڑھائی گئی کہ اس جنازہ کے پیر امام کے دائیں طرف تھے اور سر امام کے بائیں طرف، اور امام اس کے پیر کی طرف کھڑا ہوا تھا، تو یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بے خبری میں میت کی نماز جنازہ اس طرح پڑھی گئی کہ اس کے پیر امام کے دائیں طرف اور سر بائیں طرف تھا، تو نماز بلا کراہت درست ہوگئی؛ البتہ بالقصد ایسا کرنا سخت مکروہ ہے؛ لیکن پھر بھی نماز جنازہ درست ہوجائے گی، دہرانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۸/۵۷۶ ڈابھیل)

وإذا أخطأوا بالرأس وقت الصلوٰة فجعلوه في موضع الرجلين فصلوا عليها جازت الصلوٰة، فإن فعلوا ذٰلک عمداً جازت صلاتهم وقد أساؤا ولا **تعاد.** (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٨٤ رقم: ٣٧٧٧ زكريا)

وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين وأساوا وإن تعمدوا وفسره في شرح المنية بأن وضعوا رأسه مما يلي يسار الإمام، فأفاد أن السنة وضع رأسه مما يلي يمين الإمام كما هو المعروف. (شامي ٣/ ١٠٥ زكريا، حلبي كبير ٥٨٨ لاهور)

ولو أخطأوا بالرأس فوضعوه في موضع الرجلين وصلوا عليها جازت الصلاة لاستجماع شرائط الجواز، وإنما الحاصل لتغيرهم السنة المتوارثة.

(بدائع الصنائع ٢/ ٥٤ زكريا، مبسوط سرخسي ٢/ ١١١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جمعہ میں مقتدیوں کے سامنے جنازہ کا رکھا ہونا؟

سوال (۱۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بڑی مسجد اصالت پورہ مرادآباد میں صحن کے دائیں جانب برآمدہ ہے، اس برآمدہ میں جمعہ کے دن جنازہ رکھا ہوا تھا، نمازیوں کے زیادہ ہونے کی بناپر برآمدہ میں بھی نمازی صفیں بنائے ہوئے تھے، صفوں کے سامنے جنازہ تھا تو جنازہ سامنے رہتے ہوئے مقتدیوں کی نماز جمعہ ادا ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں نماز جمعہ ادا ہوجائے گی؛ اس لئے کہ نعش کی پرستش معتاد نہیں ہے، جس سے تشبہ بالکفار لازم آئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۳۷)

الصحيح أنه لا يكره أن يصلي وبين يديه شمع أو سراج؛ لأنه لم يعبدهما **أحد.** (شامي ١/ ٦٥٢ كراچي، ٢/ ٤٢٣ زكريا)

قـولـه: لأنهـا لا تـعبـد أي هٰـذه الـمذكورات وحينئذ فلا يحصل التشبه.

(ردالمحتار ٦٤٩/١ كراچي، ٤١٨/٢ زكريا)

وإن كان بين يديه سراج أو قنديل لا يكره؛ لأنه لا يشبه عبادة النار. (خانية ١١٩/١)

قوله: أو شمع أو سراج لأنهما لا يعبدان، والكراهية باعتبارها. (البحر الرائق ٣٢/٢)

وصـح عـن عـائشة رضـي الـلّٰه تعالىٰ عنها قالت: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تـعـالـىٰ عليه وسلم يصلي من صلاة الليل كلها وأنا معترضة بينه وبين القبلة......، وهـو يـقتضي أنها كانت نائمة. (رد الـمـحتـار ٦٥٢/١ كراچى، ٤٢٢/٢ زكريا، تبيين الحقائق ١٦٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۵/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کی صفوں میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

ســـوال (۱۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں نماز جنازہ عام طور سے عیدگاہ میں ہوتی ہے، اور عیدگاہ میں نماز ادا کرنے کے لئے صفوں کے نشانات قائم ہیں، یعنی چونہ وغیرہ کے ذریعہ صفوں کی لائینیں بنادی گئی ہیں، اب اگر نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے اسی طرح صفیں بنائی جائیں جیسے عام نمازوں میں بنائی جاتی ہیں، تو درمیان میں ایک صف اور قائم کی جائے تو فاصلہ کم مگر بیچ کی صفیں ٹیڑھی ہوجاتی ہیں، صورتِ متذکرہ بالا میں مندرجہ ذیل امر دریافت طلب ہے، مقررہ علامت صفوف پر نماز جنازہ ادا کی جائے یا فاصلہ کم کرنے کے لئے قریب قریب صفیں قائم کرکے نماز جنازہ ادا کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں مقررہ صفوف کی علامت پر نماز جنازہ پڑھیں یا صفوں کی درستی کا اہتمام کرکے قریبی فاصلہ پر صفوف قائم کریں، دونوں طرح

درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵۹۹/۸ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم ۲۰۳/۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کی صفوں میں طاق عدد کا لحاظ رکھنا مستحب ہے

سوال (۱۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ کی صفیں قائم کرتے وقت طاق اور وتر عدد کا خیال رکھنا کیا حکم رکھتا ہے، بعض علاقوں میں اس کا التزام کیا جاتا ہے، حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ میں طاق عدد کی صفوف کا لحاظ رکھا جائے یہی شرعاً مستحب ہے، لیکن یہ ایسا لازم نہیں کہ اس کے بغیر نماز جنازہ درست ہی نہ ہو۔

عن مالک بن هبيرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من ميت يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب، أي استحق الجنة. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في الصف على الجنازة ۲/ ۹۵ إمدادية)

ويستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف حتى لو كانوا سبعةً، يتقدم أحدهم للإمامة ويقف وراءه ثلاثة وراء هم اثنان، ثم واحد. (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز / الرابع الصلاة عليه ۵۸۸ لاهور، كذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱/ ۱٦٤ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۷/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اژدہام کے وقت نماز جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا اہتمام کرنا؟

سوال (۱۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: نماز جنازہ کی صفوں میں جو طاق عدد کا اہتمام ہے، کیا مجمع کثیر ہو تو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے؟ برائے کرم ان مسائل میں شرعی رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کی صفوں کے طاق ہونے کی صورت میں بعض روایات میں میت کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے؛ لہٰذا جس قدر آسانی سے ممکن ہو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

عن مالک بن هبيرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ما من ميت يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب، أي استحق الجنة. (سنن أبي دؤد، كتاب الجنائز / باب في الصف على الجنازة ۲/ ۹۵ إمدادية)

ويستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف. (حلبي كبير ۵۸۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچے کی نماز جنازہ کی صفوں میں طاق عدد کا لحاظ رکھنا؟

سوال (۱۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا میت اگر نابالغ معصوم بچہ ہے اس کی نماز جنازہ میں بھی صف بنانے میں طاق عدد کی رعایت مستحب ہے؟ ۳/ ۵/ ۷/ صف؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے بلا کسی تفصیل کے نماز جنازہ میں طاق عدد صف ہونے کو مستحب قرار دیا ہے، اس لئے جو حکم بالغین کا ہے وہی نابالغوں کے جنازہ کا بھی ہوگا۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/ ۵۹۷)

عن مالک بن هبيرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه

عليه وسلم: ما من ميت يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب، أي استحق الجنة. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في الصف على الجنازة ۲/ ۹۵ إمدادية)

قال في المحيط: ويستحب أن يصف ثلاثة صفوف حتى لو كان سبعة، يتقدم أحدهم للإمامة ويقف وراءه ثلاثة، ثم اثنان ثم واحد. (شامي ۳/ ۱۱۲ زكريا، كبيرى ۵۸۸ لاهور)

إذا كان القوم سبعة قاموا ثلاثة صفوف يتقدم واحد وثلاثة بعده، واثنان بعدهم وواحد بعدهما كذا في التاتارخانية. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٦٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۷/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں رفع یدین کرنا؟

سوال (۱۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سہواً چاروں تکبیروں میں ہاتھ اٹھالئے، بایں صورت نماز جنازہ ہوگئی یا نہیں؟ نیز لوگوں نے امام صاحب کو ایک ہفتہ کے بعد نہیں؛ بلکہ دو ہفتوں کے بعد بتایا کہ آپ نے فلاں کی نماز جنازہ اس طریقہ سے پڑھائی تھی، تو اب کیا صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع یدین اگرچہ حنفیہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے؛ لیکن اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئی؛ لہٰذا نماز جنازہ صحیح ہوگئی۔

عن الوليد بن عبد اللّٰه بن جميع الزهري قال: رأيت إبراهيم إذا صلّي على الجنازة رفع يديه فكبّر ثم لا يرفع يديه فيما بقي وكان يكبر أربعاً. (المصنف لابن أبي شيبة، الجنائز / باب من قال يرفع يديه في كل تكبيرة ومن قال: مرة ۲/ ٤۹۱ رقم: ۱۱۳۸٦ بيروت)

وجه ظاهر الرواية قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا ترفع الأيدي إلا في

سبع مواطن، وليس فيها صلاة الجنازة. وعن علي وابن عمر رضي الله عنهما أنهما قالا: لا ترفع الأيدي فيها إلا عند تكبيرة الافتتاح؛ لأن كل تكبيرة قائمة مقام ركعة، ثم لا ترفع الأيدي في سائر الصلوات إلا عند تكبيرة الافتتاح عندنا، فكذا في صلاة الجنازة. (بدائع الصنائع / باب كيفية صلاة الجنازة ۲/۳ ٥ زكريا)

لا ترفع الأيدي في صلاة الجنازة سوى تكبيرة الافتتاح وهو ظاهر الرواية، وكثير من أئمة بلخ اختاروا، رفع اليد في كل تكبيرة فيها. (كذا في البحر ۱۸۳/۲ كوئٹہ، ۲۲/۲ ۳ زكريا، درمختار ۲۱۲/۲ كراچی، ۱۰۹/۳ زكريا، بدائع الصنائع ۳۱٤/۱ کراچی، ۳/۲ ٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۷/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں رفع یدین کریں تو نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۱۰) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازے کی نماز میں امام تکبیریں کہتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھالے تو اس صورت میں جنازے کی نماز ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں نماز جنازہ صحیح ہوگئی؛ لیکن افضل یہ ہے کہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ دوسری تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كبّر على الجنازة، فرفع يديه في أول تكبيرة ووضع اليمنى على اليسرىٰ. (سنن الترمذي، كتاب الجنائز / باب ما جاء في رفع اليدين على الجنازة ۲۰٦/۱ رقم: ۱۰۸۳)

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان

يرفع يديه على الجنازة في أول تكبيرة ثم لا يعود. (سنن الدار قطني، كتاب الجنائز / باب وضع اليمنى على اليسرىٰ ورفع الأيدي عند التكبير ٢/٦٢ رقم: ١٨١٤)

عن معمر عن بعض أصحابنا أن ابن عباس كان يرفع يديه في التكبيرة الأولىٰ، ثم لا يرفع بعد، وكان يكبر أربعاً. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الجنائز / باب رفع اليدين في التكبير على الجنازة ٣/٤٧٠ رقم: ٦٣٦٢-٦٣٦٣)

وفي عمدة القاري: وفي المبسوط: أن ابن عمر وعليًا رضي الله عنهما قالا: لا ترفع الأيدي فيها إلا عند تكبيرة الافتتاح. (عمدة القاري ٤/١٣٧ بحواله: إعلاء السنن / باب كيفية صلاة الجنازة ٨/٢٥٧ بيروت)

يرفع يديه في الأولىٰ فقط، وقال أئمة بلخ في كلها. (درمختار ٢/٢١٢) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں ”جل ثناء ک“ اور ”سلمت وبارکت“ کے الفاظ کس حدیث میں ہیں؟

سوال (۱۱۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کی نماز میں ثناء پڑھتے ہیں: **وجل ثناء ک** اور درود شریف میں **وسلمت وبارکت ورحمت وترحمت** کی زیادتی کسی معتبر حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے ثناء ودرود میں **جل ثناء ک** کی زیادتی کسی معتبر حدیث میں نہیں ملی؛ البتہ درمختار کی ایک عبارت سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔
اور صاحبِ بحر نے ”منیۃ المصلی“ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی اسے پڑھے تو اسے روکا نہ

جائے اور نہ پڑھے تو اسے اس کا حکم نہ دیا جائے۔

وقرأ كما كبر سبحانك اللّٰهم تاركاً وجل ثناءك إلا في الجنازة.

(الدرالمختار مع الشامي ٤٨٨/١ كراچي)

وفي منية المصلي: وإذا زاد ''وجل ثناءك'' لا يمنع، وإن سكت لا يؤمر به. وفي الكافي: أنه لم ينقل في المشاهير، وفي البدائع: أن ظاهر الرواية الاقتصار على المشهور. (البحر الرائق ٣١٠/١)

فإذا كبر الأولىٰ أثنى على اللّٰه تعالىٰ وهو أن يقول: سبحانك اللّٰهم وبحمدك إلىٰ آخره. وذكر الطحاوي أنه لا استفتاح فيه، ولكن النقل والعادة أنهم يستفتحون بعد تكبيرة الافتتاح، كما يستفتحون في سائر الصلوات، وإذا كبر الثانية يأتي بالصلاة على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وهي الصلاة المعروفة، وهي أن يقول: ''اللّٰهم صلِّ على محمدٍ وعلى آل محمدٍ'' - إلى قوله - ''إنك حميد مجيدٌ''. (بدائع الصنائع ٥١/٢)

اور درود شریف میں بھی سلمت بارکت وغیرہ کی زیادتی کسی معتبر اور صحیح حدیث میں نظر سے نہیں گزری ترحمت کے الفاظ ایک روایت میں ہے، مگر اس کا راوی مجہول ہے۔

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا تشهد أحدكم في الصلاة فليقل: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت وترحمت على إبراهيم وآله إبراهيم، إنك حميد مجيد. (رواه الحاكم والبيهقي، ورجاله ثقات إلا هٰذا الرجل الحارثي، فينظر فيه، كذا في التلخيص الحبير (١٠١/١) قلت: ففيه رجل مجهول، فلا يحتج به. (إعلاء السنن ١٦٢/٣ رقم: ٨٨٥ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

نماز جنازہ میں درودِ ابراہیمی میں ''رحمت'' کا اضافہ کرنا؟

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ کے درود شریف میں "وسلمت و بارکت ورحمت وترحمت" بڑھانے کی وجہ کیا ہے؟ جب کہ بہشتی زیور، آپ کے مسائل اور احکام میت وغیرہ کے مصنفین نے نماز والا درود شریف ہی نماز جنازہ میں پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، نیز یہ لفظ ''ترحمت'' ہے یا ''ترحّمت'' (بسکون الحاء ہے یا بتشدید الحاء) آپ نے اپنی کتاب ''کتاب المسائل'' میں مندرجہ بالا درود شریف کو بعضوں کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے، بعض سے کون مراد ہے، نیز بہتر کو (مستحب) مستقل ترک کردینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درودِ ابراہیمی کا مطلب یہ ہے کہ درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی نام نامی آئے، اب اگر اس میں ''ترحمت'' کا لفظ بڑھادیا جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ دُرود، دُرودِ ابراہیمی یا نماز والے دُرود سے الگ ہوگیا؛ کیوں کہ بعض احادیث میں درود شریف کے صیغوں میں ''ترحمت'' کا لفظ بھی موجود ہے چنانچہ شعب الایمان للبیہقی ۲/۲۲۳ میں اس طرح کی روایت موجود ہے۔

اللّٰهم وترحم علی محمد آل محمد کما ترحمت علی إبرهيم وعلی آل إبراهيم إنک حميد مجيد. (شعب الإيمان للبيهقي ۲/۲۲۳، رقم: ۱۵۸۸)

لہٰذا جنازہ میں درود شریف میں ''ترحمت'' کا لفظ بڑھانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس لفظ کے بڑھانے پر یہ دُرود افضل درود سے خارج نہ ہوگا، اور لفظ ''ترحّمت'' حا کی تشدید کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنازہ کی دعامیں ''البرد'' کا صحیح تلفظ کیا ہے

سوال (۱۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ کی دعائیں ''واغسلہ بالماء و الثلج والبرد'' میں لفظ ''البرد'' کے زبر کے ساتھ ہے یا جزم کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کی دعامیں جو ''برد'' آیا ہے وہ 'با' اور ''راء'' کے زبر کے ساتھ ہے۔ (مصباح الغات ۵۵) اور یہ برف کے معنی میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳؍۱؍۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ جہراً پڑھانا؟

سوال (۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کی نماز جہر سے پڑھنا سنت اور افضل ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے جہر سے نماز پڑھائی اور اس کے پیچھے متبعین امام ابوحنیفہ بھی شریک ہوں، تو ان حنفیوں کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح جہر سے نماز جنازہ پڑھنا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر نماز جنازہ میں نوے فیصد حنفی ہوں اور کل ۱۰؍ فیصد غیر مقلدین ہوں تو ایسے موقع پر غیر مقلد امام کو نماز جنازہ جہراً پڑھنا چاہئے یا سراً حنفیہ کے مطابق، کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ سراً پڑھنا افضل ہے، اور جہراً پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؛ اس لئے غیر مقلدین کو بھی سراً ہی نماز جنازہ پڑھانی چاہئے؛ کیوں کہ جہر کا ثبوت جن روایات میں ہے وہ بھی صرف ارادہ تعلیم پر محمول ہیں۔

روایات میں ہمیشہ نماز جنازہ میں جہر کا ثبوت نہیں ہے؛ اس لئے جہر میں کراہت رہے

گی۔(مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۳۲۱)

ویجاب عن الحدیث أنه أراد بذٰلک إعلامهم ما یقرأ لتعلموا ذٰلک.

(عمدة القاري ۸/ ۱٤۰)

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: السنة في الصلوٰة على الجنازة أن یقرأ في التكبيرة الأولىٰ بأم القرآن مخافتةً ثم یکبر ثلاثاً والتسلیم عند الاٰخرة. (سنن النسائي ۱/ ۲۱۸)

وعندنا تجوز بنیة الدعاء، وتکره بنیة القراء ة لعدم ثبوتها فیها عنه علیه الصلوٰة والسلام. (درمختار) وقال الشامي: وبه قال أحمد؛ لأن ابن عباس رضي اللّٰه عنه صلى على جنازةٍ فجهر بالفاتحة، وقال عمداً فعلته؛ لیعلم أنها سنة. ومذهبنا قول عمر وابنه وعلي وأبی هریرة وبه قال مالک، کما في شرح المنیة الخ. وظاهره أن الکراهة تحریمیة. (شامي ۳/ ۱۰۵ بیروت)

قال في الهندیة: ویخافت في الکل إلا في التکبیر، ولا یقرأ فیها القرآن......، ولا یرفع یدیه إلا في التکبیرة الأولىٰ......، الإمام والقوم فیه سواء.

(الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱٦٤ رشیدیة، حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة / فصل: الصلاة علیه ۱/ ۲۲۳ مصر، وکذا في البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته ۲/ ۳۲۲ رشیدیة، کبیري ٥٤۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا؟

سوال (۱۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ میں سراًیا جہراً سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کیسا ہے؟ اور پڑھنے کی جس حدیث شریف سے اجازت ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے، اور جس حدیث شریف میں اجازت ہے وہ ثنا اور دعا کے طور پر پڑھنے پر محمول ہے، اور حدیث شریف میں سنت سے مراد سنتِ نبویہ نہیں ہے؛ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول مراد ہے، اور بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے بھی نماز ہوجاتی ہے، اور یہی حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

أخرج ابن أبي شيبة عن نافع أن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما كان لا يقرأ في الصلاة على الميت.

وفي رواية: عن أبي المنهال قال: سألت أبا العالية عن القراءة في الصلاة على الجنازة بفاتحة الكتاب؟ فقال: ما كنت أحسب أن فاتحة الكتاب تقرأ إلّا في صلاة فيها ركوع وسجود.

وفي رواية: عن موسى بن عليٍّ عن أبيه قال: قلت لفضالة بن عبيد: هل يقرأ على الميت شيء؟ قال: لا. (المصنف لابن أبي شيبة، الجنائز / باب من قال ليس على الجنازة قراءة ۲۵۸/۷-۲۵۹ رقم: ۱۱۵۲۲-۱۱۵۲۴-۱۱۵۲۵)

وقد روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة في صلاة أنه لو قرأ الفاتحة بدلاً عن الثناء لا بأس به. وفي فتاوىٰ سمرقند: من قرأ في صلاة الجنازة بفاتحة الكتاب إن قرأ بنية الدعاء فلا بأس، وإن قرأ بنية القراءة لا يجوز أن يقرأ؛ لأن صلاة الجنازة محل الدعاء، وليس بمحل القراءة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۶۳/۳-۴۷ رقم: ۳۶۸۸ زكريا، البحر الرائق ۱۸۳/۲)

وليس فيها قراءة القرآن عندنا، وهو قول عمر وابنه وعلى وأبي هريرة رضي اللّٰه عنهم ولو قرأ الفاتحة بنية الثناء والدعاء جاز. (حلبي كبير ۵۸۶)

ولا قراءة ولا تشهد فيها وعين الشافعي الفاتحة في الأولى وعندنا تجوز بنية الدعاء وتكره بنية القراءة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه الصلوٰة والسلام. (شامي ١١/٣ زكريا، ٢١٣/٢ كراچی، حاشية سنن الترمذي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورت پڑھنا؟

سوال (۱۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے نماز جنازہ مندرجہ ذیل طریقہ سے پڑھائی: اولاً سورۂ فاتحہ اس کے بعد سورۂ اخلاص پڑھی، اور دلیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کیا۔

وعن طلحة بن عبد اللّٰه بن عوف رضي اللّٰه عنه قال: صليت خلف ابن عباس رضي اللّٰه عنه على جنازة فقرأ فاتحة الكتاب فقال: لتعلموا أنها سنة.

(صحيح البخاري ١٧٨/١، رقم: ١٣٢٠)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورت ملانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص تلاوت قرآن کی نیت سے نماز جنازہ میں پڑھی جائے تو حنفیہ کے نزدیک ان کا پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر حمد وثنا کی نیت سے پڑھی جائے تو گنجائش ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل اسی پر محمول ہے۔

عن أبي المنهال قال: سألت أبا العالية عن القراءة في الصلاة على الجنازة بفاتحة الكتاب؟ فقال: ما كنت أحسب أن فاتحة الكتاب تقرأ إلاَّ في صلاة فيها ركوع وسجود. (المصنف لابن أبي شيبة، الجنائز / باب من قال ليس على الجنازة قراءة ٢٥٨/٧ رقم: ١١٥٢٤)

وليس فيها قراء ة القرآن عندنا، وهو قول عمر وابنه وعلى وأبي هريرة رضي اللّٰه عنهم ولو قرأ الفاتحة بنية الثناء والدعاء جاز. (حلبي كبير ٥٨٦)

ولو قرأ الفاتحة فيها بنية الدعاء فلا بأس به وإن قرأها بنية القراء ة لا يجوز؛ لأنها محل الدعاء دون القراء ة. (البحر الرائق ٢/١٨٣)

وتكره بنية القرأة لعدم ثبوتها. (شامي ٣/١١١ زكريا)

وقال الطحاوي: من قرأها من الصحابة ﷺ يحتمل أن يكون على وجه الدعاء لا التلاوة. (إعلاء السنن ٨/٢١٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مقلدین کا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا؟

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حنفی مسلک میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی ہے، جب کہ غیر مقلدین حضرات نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں اوراس کی تاکید بھی کرتے رہتے ہیں، جس کے لئے مندرجہ ذیل احادیث کا سہارا لیتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل احادیث کی رو سے درست ہے؟ اگر ہے تو احناف کیوں نہیں پڑھتے، اگر نہیں ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہے؟

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب. (سنن الترمذي ١/١٩٨، سنن أبي داؤد، سنن ابن ماجة، مشكوة المصابيح ١٤٦)

عن طلحة بن عبد اللّٰه بن عوف رضي اللّٰه عنه قال: صليت خلف ابن عباس على جنازة، فقرأ بفاتحة الكتاب، وقال: لتعلموا أنها سنة. (صحيح البخاري ١/١٧٨، رقم: ١٣٢٠)

اس کے علاوہ ایک روایت ابوامامہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کی ہے جسے امام شافعیؒ نے مسند الشافعی میں نقل کیا ہے۔ (مسند الشافعی ۱/۵۸۱)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل بات یہ ہے کہ نماز جنازہ محل قرأت نہیں؛ بلکہ محل دعا ہے؛ لہٰذا سورۂ فاتحہ کو بحیثیت قرأت وتلاوت کے اس میں پڑھنا بے محل ہے، اسی لئے فقہاء احناف اس سے منع فرماتے ہیں؛ البتہ اگر اسے دعا کی حیثیت سے پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جو روایات آپ نے پیش کی ہیں، ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ دعا کی حیثیت سے پڑھی گئی ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب. (سنن الترمذي ۱/۱۹۸، سنن أبي داؤد، سنن ابن ماجة، مشکوة المصابیح ۱۴۶)

عن طلحة بن عبد اللّٰہ بن عوف رضي اللّٰہ عنہ قال: صلیت خلف ابن عباس علی جنازة، فقرأ بفاتحة الکتاب، وقال: لتعلموا أنها سنة. (صحیح البخاري ۱/۱۷۸، رقم: ۱۳۲۰)

ویجاب عن الحدیث أنہ أراد بذٰلک إعلامهم ما یقرأ لتعلموا ذٰلک. (عمدة القاري ۸/۱۴۰)

وعندنا تجوز بنیة الدعاء، وتکرہ بنیة القراءة لعدم ثبوتها فیها عنہ علیہ الصلوٰة والسلام. (درمختار) وقال الشامي: وبہ قال أحمد؛ لأن ابن عباس رضي اللّٰہ عنہ صلی علی جنازةٍ فجهر بالفاتحة، وقال عمداً فعلته؛ لیعلم أنها سنة. ومذهبنا قول عمر وابنہ وعلي وأبي هریرة وبہ قال مالک، کما في شرح المنیة الخ. وظاهرہ أن الکراهة تحریمیة. (شامي ۳/۱۰۵ بیروت)

ولو قرأ الفاتحة بنیة الدعاء فلابأس بہ، وإن قرأها بنیة القراءة لایجوز. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۶۴)

وفي المحیط لایجوز؛ لأنها محل الدعاء دون القراءة. (شامي ۳/۱۱۱ زکریا)

وعندنا لو قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء والثناء لم يكره. (بدائع الصنائع ۲/۲ ٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں جہری قرأت کرنا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ میں جہری قراءت جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ ثنا، درود شریف اور دعاء پر مشتمل ہے، اِن تینوں کو آہستہ پڑھنا مسنون ہے، اور نماز جنازہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت مکروہ ہے۔

ويسر الكل إلا التكبير (درمختار) **والذي في البدائع: ولا يجهر بما يقرأ عقب كل تكبيرة لأنه ذكروا السنة فيه المخافتة.** (شامي ۲۱۳/۲ کراچی، ۱۱۱/۳ زکریا، کتاب المسائل ۸۱/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں تین تکبیروں پر سلام پھیر دیا؟

سوال (۱۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ میں تین تکبیروں کے بعد امام نے ایک طرف کو سلام پھیرا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز جنازہ ہوگئی یا نہیں؟ لوگوں میں اختلاف ہو رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ نماز ہوگئی، کوئی کہتا ہے کہ نہیں ہوئی، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟ نماز جنازہ نہ ہونے کی صورت میں اس نماز کو کافی سمجھ کر میت دفن کردی گئی تو کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں، ان میں سے کسی ایک کے ترک سے نماز فاسد ہو جائے گی؛ لہٰذا امام کے چوتھی تکبیر نہ کہنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، اگر اس میت کو دفنا دیا گیا ہو، تو جب تک اس کے پھول پھٹ جانے کا گمان نہ ہو، اس کی نماز قبر کے اوپر سے پڑھ لی جائے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلى على النجاشي، فكبر أربعاً. (سنن الترمذي، الجنائز / باب في التكبير على الجنازة ١٩٨/١ رقم: ١٠٢٧)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: كبرت الملائكة على آدم أربعاً، وكبر أبوبكر على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أربعاً، وكبر عمر على أبي بكر أربعاً، وكبر صهيب على عمر أربعاً، وكبر الحسن على علي أربعاً، وكبر الحسين على الحسن أربعاً. (المستدرك للحاكم، الجنائز ٥٤٨/٢ رقم: ١٤٢٣)

وركنها شيئان: التكبيرات الأربع والقيام. (الرد المحتار / باب صلاة الجنازة ١٠٥/٣ زكريا، إعلاء السنن ٢٦١/٨ بيروت، الحلبي الكبير ٥٨٤، طحطاوي على مراقي الفلاح ٥٨٠)

لأن الإمام إذا اقتصر على ثلاثة فسدت فيما يظهر وإذا فسدت على الإمام فسدت على المأموم لترك ركن من أركانها. (طحطاوي على المراقي ٥٨٧) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۹/۴/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

جنازہ کی نماز میں تین یا پانچ تکبریں کہہ دیں؟

سوال (۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کی نماز میں اگر تین یا پانچ تکبیر امام صاحب نے کہہ دیا اور سلام پھیر دیا تو کیا نماز دوبارہ پڑھی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کی نماز میں اگرامام نے صرف تین تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دیا ہے تو نماز نہیں ہوئی، ازسرِنو دوبارہ نماز پڑھی جائے۔ اوراگرامام نے پانچوں تکبیر کہہ کر سلام پھیر دیا تو نماز ہوگئی؛ لیکن مقتدی پانچویں تکبیر میں امام کی اقتداء نہ کریں۔

عن ابن جريج قال: أخبرني الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب أنهم لم يختلفوا أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلى على النجاشي ببقيع المصلى، قال عبد الرزاق: وكان الثوري إذا كبر على الجنائز أربعاً سلم، ولم ينتظر الخامسة، وأنا على ذٰلك. (المصنف لعبد الرزاق، الجنائز / باب التكبير على الجنازة ٤٨٣/٣ رقم: ٦٤٠٨)

ولو كبر إمامه خمسًا لم يتبع؛ لأنه منسوخ، فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم، به يفتى. هٰذا إذا سمع من الإمام ولو من المبلغ تابعه. (الدر المختار / باب صلاة الجنائز ٢١٤/٢ كراچی، ١١٢/٣ زكريا، بدائع الصنائع / كيفية الصلاة على الجنازة ٥١/٢ رشيدية)

فلو كبر الإمام خمسًا لم يتبع؛ لأنه منسوخ، ولا متابعة فيه، فيمكث حتى يسلم معه إذا سلم؛ ليكون متابعًا فيما تجب فيه المتابعة، وبه يفتى ...... إنما لا يتابعه في الزوائد على الأربعة إذا سمع من الإمام، أما إذا لم يسمع إلا من المبلغ فيتابعه، وهٰذا حسن. (البحر الرائق / فصل: السلطان أحق بصلاته ٣٢٣/٢ رشيدية)

وإن زاد الإمام على أربع تكبيرات فالمقتدي هل يتابع الإمام في الزيادة أولا يتابع؟ فعلى قول أبي حنيفة ومحمد لا يتابع، وروي عن أبي يوسف أنه يتابع، والصحيح من مذهبنا أنه لا يتابع. وفي الخانية: عن أبي حنيفة فيه روايتان: والمختار أنه لا يتابعه. وإذا لم يتابعه في الزيادة ماذا يصنع؟ ...... وفي رواية: يسكت حتى يسلم معه إذا سلم ليصير متابعاً فيما وجب فيه المتابعة، وفي الهداية: هو المختار. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٦/٣ رقم: ٣٦٨٧ زكريا، كذا في الفتاویٰ الهندية ١٦٤/١ رشيدية)

وإذا اقتصر على ثلاثة فسدت فيما يظهر، وإذا فسدت على الإمام فسدت على المأموم لترك ركن من أركانها. (طحطاوي على المراقي ٥٨٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۴/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں تین تکبیروں پر سلام پھیرنا؟

سوال (۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کی نماز میں تین تکبیروں کے بعد سہواً سلام پھیر دیا پھر یاد دلانے پر چوتھی تکبیر کہی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کی نماز میں اگر چار تکبیر سے پہلے سلام پھیر دیں تو اگر کوئی منافی نماز عمل پائے جانے سے قبل یاد آجائے یا یاد دلا دیا جائے تو دوبارہ چھوٹی ہوئی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے، اور منافی نماز عمل پیش آنے کے بعد یاد آئے تو اب ازسرنو نماز پڑھی جائے گی۔

ولو سلم بعد الثلاثة ناسيًا كبر الرابعة ويسلم. (الفتاوى التاتارخانية ٣/ ٥١ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٦٥، طحطاوي ٥٨٧)

إذا سلم على ظن أنه أتم التكبير ثم علم أنه لم يتم فإنه يبني؛ لأنه سلم في محله وهو القيام، فيكون معذوراً. (البحر الرائق / فصل: السلطان أحق بصلا ته ٢/ ١٨٤ كوئٹه)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ میں ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا؟

سوال (۱۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرتا ہے اور بکر اس پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ سلام پھیر کر ہاتھ چھوڑنا چاہئے، شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں صورتیں جائز ہیں، ایک دوسرے پر نکیر اور اعتراض کا موقع نہیں؛ البتہ بعض فقہی عبارتوں سے سلام سے قبل ہاتھ چھوڑنے کی اَفضلیت معلوم ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۲۸، کفایۃ المفتی ۴/ ۹٦)

والحاصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون ففيه الوضع وكل قيام ليس كذا، ففيه الإرسال، وفي الحاشية: قلت: المراد بالذكر الطويل. (شرح الوقاية ١/ ١٤٤)

ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد، فالصحيح أنه يحل اليدين، ثم يسلم تسليمتين كذا في الذخيرة. (خلاصة الفتاویٰ، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز ١/ ٢٢٥ رشيدية، بحواله حاشية: فتاویٰ محمودية ٨/ ٥٥٥ ڈابھیل)

ومن هٰهنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة وثمانين أيضًا من أنه هل يضع مصلى الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته، ثم يسلم أم يرسل ثم يسلم، وهو أنه ليس بعد التكبير الأخير ذكر مسنون فيسن فيه الإرسال. (السعاية / بيان إرسال اليدين بعد التكبير الأخير من تكبيراته ٢/ ١٥٩ لاهور، بحواله حاشية: فتاویٰ محموديه ٨/ ٥٥ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/ ٦/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جنازہ کے فوراً بعد فاتحہ پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا؟

سوال (۱۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ پڑھ کر فوراً ہی میت کے اوپر فاتحہ پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا یعنی یہ دونوں امور

بعد نماز جنازہ متصلاً کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ خود دعا ہے، اس کے بعد پھر فاتحہ پڑھنا یا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ کتبِ فقہ میں اس کے بارے میں منع آیا ہے۔

لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة. (خلاصة الفتاویٰ ۱/ ۲۲۵)

ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة.

(مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز / باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثالث ٤/ ١٧٠ رقم: ١٦٨٧ رشيدية، الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاویٰ الهندية ٤/ ٨٠ رشدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا؟

سوال (۱۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ دعاء کرنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ خود دعاء ہے؛ لہٰذا اس کے بعد دعاء کرنے کا ثبوت نہیں ہے، اور نہ ہی سلفِ صالحین سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۱۲۷، فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۵۴، کفایت المفتی ۴/ ۱۵۸)

فقد صرحوا عن آخرهم بأن صلاة الجنازة هي الدعاء للميت؛ إذ هو المقصود منها. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجنائز ٢/ ٢١٠ كراچی، ٣/ ١٠٦ زكريا)

قال القاري في شرح المشكاة: ولا يدعي للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز / باب المشي بالجنازة والصلاة عليها ٤/ ١٧٠ رقم: ١٦٨٧ رشيدية)

قال في خلاصة الفتاویٰ: لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ.

(خلاصة الفتاویٰ ۱/ ۲۲۵ رشیدیة، بحواله حاشیة: فتاویٰ محمودیه ۸/ ۷۰۸ ڈابھیل)

وقال في شرح المنية: وفي السراجية: إذا فرغ من الصلاۃ لا یقوم بالدعاء. (الفتاویٰ السراجیة، کتاب الجنائز / باب الصلاۃ علی الجنازۃ ۲۳ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۴/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنازہ لے کر تیز چلنا چاہئے یا آہستہ؟ اور کاندھا دینے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

سوال (۱۲۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ آہستہ لے کر چلنا چاہئے یا تیز، کاندھا کس طرف سے لگانا چاہئے، کاندھا لگا کر ایک آدمی کو کتنی دور تک چلنا چاہئے؟ بعض حضرات مٹی دے کر فوراً چلے آتے ہیں، مٹی دے کر فوراً آسکتے ہیں یا آخر تک شریک رہ کر ایصالِ ثواب کر کے آنا چاہئے، جو طریقہ بہتر ہو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کو چار آدمیوں کے ذریعہ اٹھا کر مناسب رفتار سے چلنا چاہئے اور ہر اٹھانے والے کو چالیس قدم لے کر چلنا چاہئے۔

اور مٹی دینے کے بعد سورۂ بقرہ کا اول اور آخر پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا حدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا ایصالِ ثواب کر کے آنا ہی بہتر ہے، جلدی ہو تو اس سے پہلے بھی آسکتے ہیں۔

وینبغي أن یحمل من کل جانب عشر خطوات لما روي في الحدیث: من حمل جنازۃ أربعین خطوۃ، کفرت أربعین کبیرۃ. (بدائع الصنائع / الکلام في حمله علی الجنازۃ ۲/ ۴۳، کذا في البحر الرائق ۲/ ۳۳۸ رشیدیة)

ویسن أن یحملها أربعة رجال وینبغي لکل واحد حملها أربعون خطوة.

(طحطاوي علی مراقي الفلاح ٦٠٣)

عن عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه قال: کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال: استغفروا لأخیکم واسئلوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسئل. (سنن أبي داؤد / باب الاستغفار عند القبر للمیت في وقت الانصراف ٢/٤٥٩)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: سألنا نبینا صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم عن المشي مع الجنازة؟ فقال: ما دون الخبب إن یکن خیراً نعجّل إلیه، وإن یکن غیر ذٰلک، فبُعداً لأهل النار، والجنازة متبوعة ولا تتبع، لیس معها من تقدمها.

(سنن أبي داؤد، کتاب الجنائز / باب الإسراع بالجنازة ٢/٩٧ ملتان، ٢/٤٥٣ مکتبة البدر دیوبند)

ویسرع بها بلا خبب: أي عدو سریع. (الدر المختار) قوله: بلا خبب: وحد التعجیل المسنون أن یسرع به بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازة للحدیث: أسرعوا بالجنازة. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب: في حمل المیت ٢/٢٣١ کراچي، ٣/١٣٦ زکریا)

والإسراع بالجنازة أفضل من الإبطاء ...... لکن ینبغي أن یکون الإسراع دون الخبب. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة / فصل: والکلام في حمله علی الجنازة ٢/٤٣ رشیدیة، البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز / فصل: السلطان أحق بصلاته ٢/٣٣٥ رشیدیة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنازے کے آگے درود شریف جہراً پڑھنا؟

سوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ کے آگے آگے کچھ لوگوں کا زور زور سے درود شریف یا کوئی اور نعت وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کے آگے آگے بآواز بلند درود شریف وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لئے بہتر یہ ہے کہ لوگ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلیں اور دل میں یا آہستہ آہستہ ذکر وغیرہ کرتے ہیں، تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ویکره رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وغیرهما في الجنازة. (البحر الرائق، باب الجنائز / فصل: السلطان أحق بصلاته ٢/ ٣٣٦ رشيدية)

وعلى متبعي الجنازة الصمتُ، ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة ١/ ١٦٢ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ٣/ ٢/ ١٤٢٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنازہ لے جاتے وقت زور سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ذکر کرنا؟

سوال (١٢٧): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنازہ لے جاتے وقت بلند آواز سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ذکر کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ذکر کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے، اس وقت جو بھی پڑھیں آہستہ پڑھیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ٥/ ٢٧٥-٢٨٤، کفایت المفتی ٤/ ٣٣)

ويكره رفع الصوت بالذكر لما روي عن قيس بن عبادة رضي الله عنه أنه قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال وعند الجنازة والذكر، ولأنه تشبه بأهل الكتاب، فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع،

كتـاب الـصلاة، الجنازة / فصل: الكلام في حمله ٤٦/٢ رشيدية، ٣١٠/١ كوئٹه، البحر الرائق، باب الجنائز / فصل: السلطان أحق بصلاته ٣٣٦/٢ رشيدية، كذا في الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجنائز ٢٣٣/٢ كراچی)

كـمـا كـره فيهـا رفـع صـوت بذكر وقراءة. فتح. (درمختار) قوله: كما كـره، قيـل: تـحريماً، وقيل: تنزيهاً، كما في البحر عن الغاية، وفيه عنها: وينبغي لـمـن تبـع الجنازة أن يطيل الصمت، وعن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول الرجل وهو يمشي معها: استغفروا له غفر الله لكم. (الدر المختار مع الشامي ١٣٨/٣ زكريا)

ويـكـره رفع الصوت بالذكر لما روي عن قيس بن عبادة رضي الله تعالىٰ عـنـه أنـه قـال: كـان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال وعند الجنازة والذكر، ولأنه تشبه بأهل الكتاب فكان مكروهاً. (بدائع الصنائع، كتاب الجنائز / فصل: الكلام في حمله ٤٦/٢ رشدية، ٣١٠/١ كوئٹه)

ويـكـره رفـع الصوت بالذكر وقراءة القرآن وغيرهما في الجنازة. (البحر الرائق، باب الجنائز / فصل: السلطان أحق بصلاته ٣٣٦/٢ رشيدية)

وعـلـى متبـعي الجنازة الصمتُ، ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن. (الـفـتـاوىٰ الهـنـدية، البـاب الـحـادي والـعشـرون فـي الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة ١٦٢/١ رشيدية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ جنازہ میں مسبوق تکبیروں کے درمیان کیا پڑھے؟

سـوال (۱۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازِ جنازہ میں مسبوق تکبیروں کے درمیان کیا پڑھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: مسبوق کو اگر اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ جنازہ اٹھنے

سے پہلے تکبیرات مع اذکار کے ادا کرلے گا تو اس کو اذکارِ مشروعہ کو ادا کرلینا چاہئے؛ لیکن اگر جنازہ کے اٹھ جانے کا خوف ہو، تو ایسی صورت میں صرف چھوٹی ہوئی تکبیرات بغیر دعاء کے کہہ لے اور سلام پھیر دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۳/۱۰۵، فتاویٰ دارالعلوم ۳۱۹/۵)

عن ابراهيم قال: إذا فاتتک تكبيرة أو تكبيرتان على الجنازة فبادر، فكبر ما فاتک قبل أن ترفع. (المصنف لابن أبي شيبة، الجنائز / باب في الرجل يفوته بعض التكبير على الجنازة ۲۷۵/۷ رقم: ۱۱۶۰۱، المصنف لعبد الرزاق ۴۸۴/۳ رقم: ٦٤١٣)

وهل يأتي بالأذكار المشروعة بين التكبيرتين؟ ذكره الحسن في المجرد: أنه إن كان يأمن رفع الجنازة فإنه يأتي بالأذكار المشروعة، وإن كان لا يأمن رفع الجنازة يتابع التكبيرات ولا يأتي بالأذكار. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۵۱/۳ زكريا)

ثم يقضي المسبوق ما فاته من التكبيرات قبل رفع الجنازة مع الدعاء إن أمن رفع الجنازة المراد به ما يعم الثناء والصلاة. (طحطاوي على المراقي ۵۹۴ دارالكتاب، البحر الرائق ۱۸۵/۲ كوئٹه، كبيري ۵۸۷ أشرفية، مجمع الأنهر ۲۷۲/۱ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ۱٦۵/۱، خانية ۱۹۲/۱)

ثم المسبوق يقضي ما فاته نسقاً بغير دعاء؛ لأنه لو قضاه بدعاء ترتفع الجنازة فتبطل الصلوٰة؛ لأنها لا تجوز بلا حضور ميت. (تبيين الحقائق / كيفية صلاة الجنازة ۵۷۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۵/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرمین شریفین میں عورتوں کا جنازہ کی نماز پڑھنا

سوال (۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت مسجدِ نبوی اور حرم شریف میں سلام اور طواف کے لئے گئی، مسجدِ نبوی میں سلام سے

فراغت پرحرم شریف میں طواف سے فراغت پرظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، وہیں ٹھہر گئی، اور مستورات کے نماز پڑھنے کی جگہ میں جماعت سے نماز پڑھی، فرض نماز کے بعد جنازہ کی نماز کا اعلان ہوگیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ عورت بھی نماز جنازہ پڑھ سکتی ہے، اور عورت کو بھی نماز جنازہ پڑھنے کا ویسے ہی ثواب ملے گا جیسا مردوں کو ملتا ہے؟ یا عورت اپنی سنن ونوافل پڑھے، نماز جنازہ نہ پڑھے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت بھی نماز جنازہ پڑھ سکتی ہے، اور اس کو وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو ملتا ہے؛ کیوں کہ اس معاملہ میں مرد وعورت کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

کما تستفاد من العبارة الآتية: كما لو أمّت امرأة ولو أمة لسقوط فرضها بواحد. (درمختار) أي بشخص واحد رجلا كان أو امرأة. (الدر المختار على الرد المحتار / مطلب في صلاة الجنازة ٣/ ١٠٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد میں نماز جنازہ

نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھنا

سوال (۱۳۰): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مسلم میں حدیث مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قسم کھا کر فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد کے اندر ادا فرمائی اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر کا جنازہ مسجد کے اندر پڑھا گیا، تو کیا ان دونوں حدیثوں کی وجہ سے مسجد کے اندر نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے؟ یا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے؟ اگر یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تو پھر بتائیں کہ حضور کے زمانہ میں نماز جنازہ کہاں ہوتی تھی؟ اور مذکورہ حدیثوں کا پھر کیا جواب ہوگا؟ مدلل ومبرہن جواب تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، مسجدیں صرف پنج وقتہ نمازوں کے لئے بنائی جاتی ہیں، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے قریب نماز جنازہ کے لئے ایک مخصوص جگہ بنوائی تھی، اگر نماز جنازہ مسجد میں مشروع ہوتی تو آپ علیحدہ سے جگہ بنوانے کا اہتمام کیوں فرماتے؟ یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جنازے مسجد میں داخل نہیں کئے جاتے تھے، اور یہی آپ کا مبارک طریقہ تھا۔ چناں چہ جب نجاشی کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچی، تو آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو لے کر مسجدِ نبوی سے باہر تشریف لائے اور اس مخصوص جگہ پر نماز ادا فرمائی۔

نیز بعض احادیثِ شریفہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی، اس کو کچھ ثواب نہ ملے گا“۔

بریں بنا مسجد میں بلا عذر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے جب حضرت سہیل بن بیضاء کا جنازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فرمائش پر مسجد میں داخل کیا جانے لگا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اعتراض کیا، روایت میں ہے:

فبلغهن أن الناس قد عابوا ذٰلک وقالوا: وما كانت الجنائز يدخل به المسجد. (صحيح مسلم ٣١٤/١) **وفي رواية: فأنكر ذٰلک الناس عليها.** (المؤطأ لإمام مالك ١٧١ رقم: ٢٢ دار الكتب العلمية بيروت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسجد کے اندر جنازہ داخل کئے جانے پر اعتراض کرنا اس کے خلافِ سنت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶۷۷/۸ - ۶۸۲ ڈابھیل)

اور موطا مالک میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنے کا ذکر ہے، وہ عذر پر محمول ہوگا۔

عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أنه قال: صُلِّيَ على عمر بن الخطاب في المسجد. (المؤطأ لإمام مالك ١٧١ رقم: ٢٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الباجي: معنى حديث الباب ما تقدم من أن يكون صلي عليه، وهو خارج المسجد، والمصلون عليه في المسجد، ويحتمل أن يكون صلي عليه في الموضع الذي دفن فيه، وقد كان من المسجد، وله الآن حكم المقابر، وكذٰلک المسجد إذا كان فيه مقبرة فلا بأس أن يصلى في موضع المقابر منه على ميت الخ، وفي البرهان: صلاة الصحابة على أبي بكر وعمر رضي الله عنهما في المسجد كانت لعارض دفنهما عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ. (أوجز المسالك ٤٦٢/٢)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مـن صـلـى عـلـى جـنازة في المسجد فليس له شيء. (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز ١٠٩/١ رقم: ١٥١٧، سنن أبي داؤد ٩٨/٢، مسند أحمد ١٩١/٣ رقم: ٩٤٣٧)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: نعىٰ لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم النـجـاشـي صاحبَ الحبشة اليوم الذي مات فيه فقال: استغفروا لأخيكم، وفي رواية: نـعـى الـنـجـاشـي في اليوم الذي مات فيه وخرج إلى المصلى فصف بهم وكبـر أربعاً. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز / باب الرجل يعنى إلى أهل الميت بنفسه ١٦٦/١-١٦٧-١٧٧، صحيح مسلم، كتاب الجنائز / فصل في النعي الناس الميت ٣٠٩/١)

ولـم يـكـن مـن هـديـه الراتب الصلاة عليه في المسجد وإنما كان يصلي عـليه الجنازة خارج المسجد. (زاد المعاد لابن القيم الجوزية، فصل في تجهيز الميت والصلاة عليه ١٩٤ بيروت، أوجز المسالك / باب الصلاة على الجنائز في المسجد ٢٣٥/٤ إدارة تاليفات أشرفية ملتان)

وفـي حـديـث بـن عـمـر: أن اليهـود جاؤا إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم برجل منهم وامرأة زنياً، فأمر بهما فرُجما قريباً من موضع الجنائز عند المسجد. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز / باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد ١٧٧/١)

ودل حـديـث بـن عمر على أنه كان للجنائز مكان معد للصلاة عليها فقد يستفـاد مـنـه أن مـا وقـع مـن الـصلاة على بعض الجنائز في المسجد كان لأمر عارض. (فتح الباري، كتاب الجنائز / باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد ٢٥٦/٣)

عـن ابن حبيب أن مصلى الجنائز المدينة كان لاصقاً بمسجد النبي صلى اللّٰـه عليه وسلم من ناحية جهة المشرق. (فتح الباري، كتاب الجنائز / باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد ٢٥٦/٣)

وقـد ذكـر ابـن سـعـد في الطبقات الكبرىٰ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بنى

موضعاً للجنائز لاصقاً بالمسجد بعد الفراغ من المسجد الشريف في السنة الأولیٰ من الهجرة. (التعليق الصبيح على مشكوٰة المصابيح / باب المشي بالجنازة و الصلاة عليها ۲/ ۲۳۹ لاهور)

وقد أوّلَ بعض أصحابنا حديث عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها: إنما صلي في المسجد بعذر مطرٍ، وقيل: بعذر الاعتكاف. (لامع الدراری، کتاب الجنائز / باب صلاة الصبيان مع الناس ٤/ ٣٦٤)

نحن نقول أيضاً: صلاته في المسجد كان للمطر أو للاعتكاف. (عمدة القاري / باب الرجل ينعى إلى أهل الميت ٨/ ١٨ بيروت)

وقال الملا علي القاري: لو كان إدخال الميت المسجد للصلاة عليه أفضل لكان أكثر صلاته عليه الصلاة والسلام على الميت في المسجد، و لما امتنع جلُّ الصحابة عنه، وإنما الحديث يفيد الجواز في الجملة، وقد نازع جماعة من المتأخرين الشافعي في الاستحباب، بأنه كان للجنائز موضع معروف خارج المسجد، والغالب منه عليه السلام الصلاة عليها ثمه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز / باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الأول ٤/ ١٤٤ تحت رقم: ١٥٥٦)

وتكره صلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه، ولا تكره بعذر المطر ونحوه هٰكذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٦٥، شامي ٣/ ١٢٦ زكريا، ٢/ ٢٢٤ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر عذر شرعی کے نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغیر عذر شرعی نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ خواہ جنازہ خارج مسجد ہو اور کچھ لوگ خارج

مسجد ہوں یا کچھ لوگ حدودِ مسجد میں ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، ہاں جب جنازہ باہر ہو تو امام اور جو مقتدی اس کے ساتھ باہر ہوں، ان کی نماز بالاتفاق مکروہ نہ ہوگی، مگر ایسی صورت میں مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز کراہت تنزیہی سے خالی نہ ہوگی۔

وأجاب في النهر بحمل الاتفاق على عدم الكراهة في حق من كان خارج المسجد ومامر في حق من كان داخله. (شامي ۲/۲۲۵ كراچی)

ولو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد وباقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوامعنا لايكره باتفاق أصحابنا. (مجمع الأنهر ۱/۱۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد میں نماز جنازہ کیوں منع ہے؟

سوال (۱۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی دو علتیں فقہاء نے بیان کی ہیں، اول یہ کہ جنازہ اندر ہونے کی وجہ سے تلویث مسجد کا خطرہ ہے، دوسرے یہ کہ مسجد نماز جنازہ کے لئے اصالۃً نہیں بنائی گئی ہے؛ بلکہ مسجد کی تعمیر کا اصل مقصد نماز پنج گانہ کی ادائیگی ہے۔

وكرهت تحريماً، وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده أو مع القوم، واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً بناءً على أن المسجد إنما بني للمكتوبة وتوابعها.

(درمختار مع الشامي ۲/ ۲۲۵ کراچی، ۳/ ۱۲۶ زکریا، طحطاوي ۳۲۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہونے کی علت؟

سوال (۱۳۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو لوگ جنازہ میں مسجد کے اندر ہوں، جیسے شاہی مسجد میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کا مختار قول یہ ہے کہ بلا کسی عذر کے جو لوگ مسجد میں کھڑے ہوں گے ان کی نماز مکروہ ہوگی، ایک قول عدم کراہت کا بھی ہے، اور یہ اختلاف علتوں کے اختلاف پر مبنی ہے، جن حضرات نے تلویث مسجد کو علت ممانعت قرار دیا ہے ان کے نزدیک جنازہ مسجد سے باہر ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں اور جو لوگ مسجد کے مقصد تعمیر یعنی ادائے فرائض وغیرہ کو علت ممانعت کہتے ہیں، ان کے نزدیک مطلقاً مسجد میں نماز جنازہ ممنوع ہے، اس اختلاف کی وجہ سے مسئولہ صورت کی کراہت میں یقیناً تخفیف ہو جاتی ہے۔

وكرهت تحريماً، وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده أو مع القوم، واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً، خلاصة: بناء على أن المسجد إنما بني للمكتوبة وتوابعها كنافله وذكر وتدريس وعلم. (درمختار) وتحته في الشامية: أما إذا علّلنا بخوف تلويث المسجد وحده أو مع بعض القوم. قال في شرح المنية:

وإليـه مـال فـي الـمبسـوط والـمـحيط وعليه العمل وهو المختار. (شامي ٢/٤ ٢٢ كراچی، شامي ١٢٦/٣ زكريا، طحطاوي ٣٢٧، البحر الرائق ١٨٧/٢ كوئٹه، منحة الخالق ١٨٧/٢، امداد الفتاوىٰ ٦٧٦/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ١/٧/١٤١٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عذرِ واقعی کی وجہ سے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا؟

سوال (١٣٤): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ مسجد کے اندرونی حصہ میں ادا کرنا کیسا ہے؟ اگر کسی مسجد میں بار بار منع کرنے کے باوجود اصرار ہو تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی خاص صورت میں گنجائش ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں، مجمع زیادہ ہو گیا اور مسجد کے باہر کے حصہ (صحن) کی جگہ ناکافی ہو تو کیا مسجد کے اندر جنازہ رکھنے کی اجازت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد شرعی کے اندر میت کے جنازہ کو رکھ کر وہاں نماز جنازہ پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے؛ البتہ اگر کوئی واقعی عذر ہو مثلاً بارش وغیرہ ہو جائے اور مسجد کے علاوہ کوئی جگہ نماز جنازہ کے لئے دستیاب نہ ہو سکے، تو ایسی صورت میں مسجد کے اندر جنازہ کی اجازت ہوگی، اسی طرح اگر ضرورت کے موقع پر اگر یہ شکل اختیار کی جائے کہ جنازہ اور امام کے ساتھ کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور بقیہ نمازی مسجد کے اندر ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

وكرهت تحريمًا، وقيل: تنزيهًا في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده، أو مع القوم، واختلف في الخارجة عن المسجد وحده، أو مع بعض القوم، (درمختار) تحته في الشامية: مسجد جماعة أي المسجد الجامع، ومسجد المحلة قهستاني - إلى قوله - فلا يكره إذا كان الميت خارج المسجد وحده، أو مع القوم. قال في شرح المنية: وإليه مال في المبسوط

والمحيط وعليه العمل وهو المختار. (شامي ۳/ ۱۲٦ زكريا)

ولـو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد، وباقي القوم في المسـجـد كـمـا هـو المعهود في جوامعنا لا يكره بإتفاق أصحابنا. (مجمع الأنهر ۱/ ۱۸٤، فتح القدير ۲/ ۱۳۲-۱۳۳ زكريا، كتاب المسائل ۱/ ٥٧٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۴/۶/۶ھ

مسجد میں نماز جنازہ کی متعدد صورتیں؟

سوال (۱۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں جنازے کی نماز اکثر مسجدوں کے اندر ہونے لگی ہے، اس کی بہت سی شکلیں ہیں۔

(۱) جنازہ مسجد کے اندر سے گذرتا ہے اور مسجد سے ملحقہ مدرسہ میں رکھ دیا جاتا ہے، امام صاحب میت کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں اور نمازی ملحقہ مدرسہ میں کم اور مسجد میں زیادہ ہوتے ہیں، مسجد میں زیادہ کھڑے ہونے والے کچھ تو اس میں راحت محسوس کرتے ہیں اور کچھ کے سامنے مسجد یا غیر مسجد میں کھڑے ہونے کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔

(۲) میت مسجد سے باہر گلی میں رکھ دی جاتی ہے، کچھ نمازی میت کے پیچھے ہوتے ہیں اور بڑی تعداد مسجد کے اندر ہوتی ہے، امام صاحب بھی مسجد کے اندر کھڑے ہوتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں۔

(۳) ایک مسجد کی از سرِنو تعمیر ہورہی ہے، اس میں مسجد کے مغربی حصہ میں محراب کے آگے میت کے رکھنے کا اور مسجد کے اندر نمازیوں کے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا پروگرام ہے، اس سلسلہ میں میں نے تجویز رکھی کہ مدرسہ شاہی سے فتوی حاصل کرلیں تاکہ مسجد کے ذمہ داروں پر ذمہ داری عائد نہ ہو، لیکن جواب میں اہم ذمہ دار نے کئی مسجدوں کی مثال پیش کی میرے ایک اور سمجھدار ساتھی

بھی اس کے حق میں ہیں اور دلیل میں وہ میرٹھ کی جامع مسجد کی مثال پیش کرتے ہیں اور کہتے کہ وہاں عالم اور مفتی عرصۂ دراز سے اس پر عمل کررہے ہیں، اس سلسلہ میں ناچیز یہ کہتا ہے کہ:

(۱) مسجد کی توسیع کرتے وقت تمام حصے کو مسجد میں شامل نہیں کرنا چاہئے، مسجد کے ہال اور برآمدہ کو مسجد میں داخل کریں اور صحن کے زیادہ حصہ کو مسجد قرار نہ دیا جائے اور اس غیر مسجد کے حصہ میں نماز جنازہ بھی ادا کی جاسکے گی۔

(۲) مسجدوں میں نماز جنازہ نہیں ہونا چاہئے، یہ بات مسجد کے امام صاحبان علاقہ کے ذمہ داروں کے سامنے رکھیں اور مسجدوں میں نماز جنازہ نہ پڑھائیں، نماز جنازہ کے لئے جگہ کے انتظام پر عوام وخواص کو متوجہ فرمائیں، قوی امید ہے کہ انشاء اللہ معقول انتظام ہوجائے گا، میں مسجدوں میں نماز جنازہ کا مخالف اس وجہ سے ہوں کہ بہشتی زیور میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے، جنازہ کی نماز اس مسجد میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو پنج وقتی نمازوں یا جمعہ یا عیدین کی نماز کے لئے بنائی گئی ہو، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد کے باہر اور نماز پڑھنے والے اندر ہوں، ہاں جو خاص جنازہ کی نماز کے لئے بنائی گئی ہے اس میں مکروہ نہیں، آئینہ نماز مولفہ مولانا محمد عاشق الٰہی مرحوم بلند شہری مسجد میں نماز جنازہ کے مسائل تحریر فرماتے ہیں کہ: ''جنازہ کی نماز مسجد میں ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو خواہ مسجد کے باہر'' مجھے معلوم ہے کہ موصوف ہندوستان وپاکستان کے علمی حلقہ میں نہایت محترم شخصیت کے حامل تھے اور یہ کہ عرصہ دراز تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے، مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں آں محترم کی وقیع رائے اور مسئلہ کی صحیح نوعیت اور اس پر عمل درآمد سے متعلق ضروری اقدامات اپنے موقر رسالہ ندائے شاہی میں شائع کرنے کی نہایت مؤدبانہ درخواست ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب جنازہ اور امام کے ساتھ کچھ نمازی خارج مسجد ہوں اور نماز جنازہ کی صفیں بڑھ کر مسجد تک آجائیں، تو اس صورت میں فقہاء کے مختلف اقوال

ہیں، بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے، اور بعض سے عدم کراہت معلوم ہوتی ہے، ضرورت کے وقت عدم کراہت کا قول اختیار کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں بالخصوص بڑے شہروں میں جنازہ کے لئے الگ انتظام بہت مشکل ہے؛ اس لئے اس قول کو اپنانے کی گنجائش ہے جس میں جنازہ اور بعض نمازی مسجد سے باہر ہونے کی صورت میں عدم کراہت کی بات کہی گئی ہے، اور آپ نے بہشتی زیور اور آئینہ نماز کی جن عبارات کا حوالہ دیا ہے وہ اس صورت پر محمول ہوں گی، جب کہ جنازہ کے ساتھ امام اور بعض مقتدی باہر نہ ہوں۔

واختلف في الخارجة عن المسجد وحده، أو مع بعض القوم (درمختار) أما إذا علّلنا بخوف تلويث المسجد فلا يكره إذا كان الميت خارج المسجد وحده أو مع بعض القوم، قال في شرح المنية: وإليه مال في المبسوط والمحيط، وعليه العمل وهو المختار. (شامي ۳/۱۲٦ زكريا)

وانظر هل يقال: إن من العذر ماجرت به العادة في بلادنا من الصلوة عليها في المسجد لتعذر غيره أو تعسره بسبب اندراس المواضع التي كانت يصلى عليها فيها…… فينبغي الافتاء بالقول بكراهة التنزية الذي هو خلاف الأولى، كما اختاره المحقق ابن الهمام، وإذا كان ما ذكرناه عذرا فلا كراهة أصلا، والله تعالىٰ اعلم. (شامي ۳/۱۲۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۲/۲۹ھ

مسجد میں نماز جنازہ کے جواز کی صورت

سوال (۱۳٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر جنازہ اور اور امام اور کچھ مقتدی باہر ہوں اور باقی مسجد کے اندر رہوں تو اس حالت میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں جولوگ بلاعذر مسجد کے اندر کھڑے ہوں گےان کی نماز مکروہ ہوگی اور جولوگ مسجد کے باہر ہیں، اُن کی نماز بلاکراہت درست ہے۔

وأجاب في النهر بحمل الاتفاق على عدم الكراهة في حق من كان خارج المسجد وما مر في حق من كان داخله. (شامي ۲/ ۲۲۵ کراچی، ۳/ ۱۲۷ زكريا، فتح القدير ۲/ ۱۳۲ زكريا، حلبي كبير ۵۸۹، مجمع الأنهر ۱/ ۱۸٤)

ولو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد وباقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوامعها لايكره باتفاق أصحابنا. (مجمع الأنهر ۱/ ۱۷٤، فتح القدير ۲/ ۱۳۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنازہ خارجِ مسجد اور مقتدی داخلِ مسجد ہوں تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک قطعہ اراضی ہے، جو عام لوگوں کی گذرگاہ ہے، اور جانور بھی گذر جاتے ہیں اور ہمیشہ نماز جنازہ اسی جگہ پر ادا کی جاتی رہی ہے، اسی بنا پر اس کی صفائی کا بھی خیال رکھا جاتا ہے، اور نماز جنازہ سے قبل اس میں جھاڑو وغیرہ بھی لگائی جاتی ہے، دو روز قبل ایک صاحب نے ایک جنازہ کے موقع پر اس زمین کو ناپاک قرار دے کر جنازہ کو مسجد میں لے جاکر نماز پڑھائی، جب کہ جنازہ خارجِ مسجد تھا، اور مقتدی داخلِ مسجد؛ لہٰذا محض احتمال کی بنیاد پر جب کہ زمین پر ظاہری نجاست نہیں ہے، کیا زمین کو ناپاک قرار دیا جاسکتا ہے، اور ان صاحب کا یہ فعل کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ زمین اگر خشک ہوتو وہاں نماز جنازہ پڑھنے میں

کوئی حرج نہیں ہے، اوراس جگہ کے خشک ہونے اور ظاہری نجاست سے خالی ہونے کے باوجود ناپاک قرار دے کر جنازہ کو مسجد میں لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی؛ تاہم چوں کہ جنازہ خارجِ مسجد تھا، اس لئے وہ نماز بھی درست ہوگئی، مگر جن لوگوں نے مسجد کے اندر نماز پڑھی ہے، ان کی نماز بعض فقہاء کے نزدیک مکروہِ تنزیہی ہے؛ اس لئے اس صورت سے بچنا اولیٰ ہے، بہتر ہے کہ جنازہ اور نمازی سب خارجِ مسجد ہوں۔

أن الأولیٰ کونها تنزیهیة. (فتح القدير ۲/۱۲۸)

وصلاة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروه. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۰/۹/۱۴۱۷ھ

محراب کا دروازہ کھول کر نمازِ جنازہ اَدا کرنا؟

سوال (۱۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد میں مشرقی سمت میں جو توسیع ہوئی ہے اس کو خارج مسجد رکھا گیا ہے، اور وہیں نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، فرض نمازوں کے بعد مسجد سے باہر نہ آکر صفیں بنانے میں بالخصوص جب مجمع زیادہ ہوتا ہے دشواری پیش آتی ہے، ضعیف اور معذور افراد کو بھی تکلیف ہوتی ہے، نیز بعض اوقات لوگ جنازہ کو مسجد میں داخل کرنے کے لئے بھی مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے اصرار کرتے ہیں، اس لئے خیال ہورہا ہے کہ مسجد کے مغربی جانب قبلہ کی طرف ایک حجرہ ہے جس کا راستہ باہر سڑک کی طرف بھی ہے، اور مسجد میں بھی دروازہ کھلتا ہے، وہاں جنازہ کو باہر ہی سے لاکر رکھ دیا جائے اور فرض نمازوں کے بعد امام مع چند مصلیوں کے اس حجرہ کے اندر چلا جائے باقی لوگ مسجد ہی میں رہ کر نماز ادا کریں (جیسا کہ مسجدِ نبوی میں بھی ہے) کیا یہ صورت درست ہوسکتی ہے؟ ازراہ کرم تفصیلی جواب سے آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کثیر مجمع کی بنا پر محراب میں دروازہ کھول کر قبلہ کی جانب اگلے حصہ میں جنازہ رکھنا اور امام صاحب کا مسجد سے باہر آکر چند مقتدیوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھانا اور بقیہ مقتدیوں کا مسجد کی حدود میں رہ کر نماز جنازہ پڑھنا شرعاً بلا کراہت درست ہے۔

ولو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد وباقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوامعها لايكره باتفاق أصحابنا. (مجمع الأنهر ۱۷٤/۱، فتح القدير ۱۳۲/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۰/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجِ مسجد امام کے محراب کے سامنے جنازہ رکھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محراب مسجد میں سامنے ایک دروازہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ موسم کی خرابی یا جگہ کی قلت کی صورت میں نماز جنازہ ادا کرلی جایا کرے، اس لئے نماز ادا کرتے وقت جنازہ مسجد کے باہر رکھا جائے گا اور دروازہ کھل دیا جائے گا جو امام کے سامنے ہے، کیا اپنی اسی جگہ پر کھڑے رہ کر جہاں فرض نماز پڑھائی ہے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے؟ یا امام کو یا امام اور چند نمازیوں کو بھی مسجد سے باہر کھڑا ہونا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں جماعت میں نماز جنازہ کا اہتمام مطلقاً مکروہ ہے، خواہ جنازہ اندر ہو یا باہر، اگر کوئی شرعی عذر ہو مثلاً بارش ہو یا مجمع اتنا زیادہ ہو کہ مسجد کے علاوہ کہیں نہ سما سکے، تو ایسی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ جنازہ امام اور اس کے ساتھ کچھ مقتدی بھی مسجد سے باہر ہوں۔

تكره في المسجد بلا عذر فإن كان فلا. (شامي ۲۲٦/۳ کراچی، ۱۲٦/۳ زکریا)

ولا تكره بعذر المطر ونحوه. (الفتاویٰ الهندية ١٦٥/١، البحر الرائق ١٨٦/٢، فتح القدير ١٢٨/٢)

وأجاب في النهر بحمل الاتفاق على عدم الكراهة في حق من كان خارج المسجد وما مر في حق من كان داخله. (شامي ٢٢٥/٢ کراچی، ١٢٧/٣ زکریا، ١١٨/٣ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۳/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا؟

سوال (۱۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ۴۰۳/۸ ڈابھیل)

أما المتخذ لصلاة جنازةٍ أو عيد مسجد في حق جواز الاقتداء لا في حق غيره به يفتىٰ. (التنوير مع الدر المختار ٦٥٧/٢)

لا تكره صلاة الجنازة في مسجد أعد لها، وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء، وإن لم تتصل الصفوف. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته ٥٩٥-٥٩٦)

تكره صلاة الجنازة في الشارع وأراضي الناس لشغل حق العامة في الأول وحق المالک في الثاني. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب أحكام الجنائز، فصل: السلطان

أحق بصلاته ٥٩٥، طحطاوي ٣٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنازہ عیدگاہ سے باہر رکھ کر عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا؟

سوال (۱۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں، اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں کہ جنازہ اور نمازی سب عیدگاہ میں ہوں۔ دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ جنازہ عیدگاہ کی حد سے باہر ہو، کیا ان دونوں شکلوں میں سے کوئی جائز ہے یا نہیں یا دونوں ناجائز ہیں، یا دونوں جائز ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کرنا بلاکراہت درست ہے، اس میں کسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۰۸/۷، کفایت المفتی ۱۴۲/۳)

لا تكره في مسجد أعدلها وكذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح. (طحطاوي على المراقي ٣٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۲۱ھ

تدفین کے مسائل

جنت المعلیٰ یا جنت البقیع میں دفن ہونے کی فضیلت؟

سوال (۱۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مؤمن شخص قبرستان جنت المعلی یا جنت البقیع میں دفن کیا جاتا ہے، تو اس کی کیا فضیلت ہے؟ اور اس سے قبر کے اندر منکر نکیر سوال وجواب کرتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنت البقیع (مدینہ منورہ کا خاص قبرستان) اور جنت المعلی (مکہ معظّمہ کا قبرستان) میں دفن ہونا باعثِ فضیلت ہے۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حرمین میں سے کہیں وفات پائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عذاب سے محفوظ لوگوں کے ساتھ اٹھائے گا، اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع کے مدفونین کے لئے بطور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی دعا فرمائی ہے، اور اپنی شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے، جو اپنے الفاظ کے اعتبار سے اس مقبرہ میں دفن ہونے والے تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے، اس لئے جس مسلمان کو بھی ان مقدس مقامات پر دفن نصیب ہوجائے سراسر سعادت ہے؛ تاہم ان مدفونین کے سوال وجواب نہ ہونے کے متعلق کوئی صراحت اَحادیثِ شریفہ میں نہیں ہے۔

عن عمر رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: من زارني کنت شفیعاً وله یوم القیامة شهیداً، ومن مات في أحد الحرمین

بعثه اللّٰه عزوجل في الأمنين يوم القيامة. (رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ ٥/٢٤٥، شعب الإيمان رقم: ٤١٥٨، وفاء الوفاء ٤/١٣٤٣)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ما توعدون غدا مؤجلون، وإنا إن شاء اللّٰه بكم لاحقون. اللّٰهم اغفر لأهل البقيع الغرقد. (صحيح مسلم / باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها ١/٣١٣)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها فإني أشفع لمن يموت بها. (سنن الترمذي ٢/٢٢٩ رقم: ٣٩١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں دفن کرنا بہتر ہے یا اپنی جگہ؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان میں دفن کرنا بہتر ہے یا اپنی جگہ میں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ اپنی خاص جگہ کے بجائے عام قبرستان جہاں تمام مسلمانوں کے مردے دفن ہوتے ہوں، وہیں میت کو دفن کیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۵/۴۰۷، عزیز الفتاویٰ ۳۲۱)

عن ابن أبي مليكة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما توفى اللّٰه نبيا قط، إلا دفن حيث تقبض روحه. وفي رواية: عن عمرو بن ذرّ قال: قال أبوبكر: سمعت خليلي يقول: ما مات نبي قط في مكان إلا دفن

فيـه، قـلـتُ لابن ذرّ ممن سمعته؟ قال: سمعت أبا بكر بن عمر بن حفص إن شاء الله. (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ذكر موضع قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ٢/٤ ٢٢، بحواله حاشية: الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٩ ٨ زكريا)

ولا ينبغي أن يدفن الميت في الدار ولو كان صغيراً لاختصاص هٰذه السنة بالأنبياء، قوله في الدار كذا في الحلية عن منية المفتي وغيرها وهو أعم من قول الفتح، ولا يدفن صغير ولا كبير في البيت الذي مات فيه، فإن ذٰلك خاص بالأنبياء؛ بل ينتقل إلى مقابر المسلمين ومقتضاه أنه لا يدفن في مدفن خاص. (الدرمختار مع الشامي زكريا ٣/ ١٤٠)

وفي النوازل: لا يدفن الميت في الدار. وفي الولوالجية: وإن كان صغيراً؛ لأن الدفن مكان الموت سنة الأنبياء لا سنة غيرهم. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الجنائز ٣/ ٨٩ رقم: ٣٧٩٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کیسی ہونی چاہئے؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر کامٹی ضلع ناگپور مہاراشٹر میں مختلف مکتبہ فکر کے تقریبا ۷۵/ ہزار مسلمان بستے ہیں، تجہیز وتکفین کے لئے یہاں ایک مسلم قبرستان ہے جو تقریباً ساڑھے چودہ ایکڑ زمین کی وسعت میں پھیلا ہوا ہے، یہ ملت اسلامیہ کی ملکیت ہے، اسی قبرستان میں چند ۱۹/ صدی کی پختہ قبریں بھی ہیں جو آج تک اسی حالت میں موجود ہیں، ادھر چند دنوں سے اس قبرستان میں پختہ قبریں بنانے کا رجحان زوروں پر ہے، جس سے نئی قبریں بنانے میں دشواری درپیش ہے، آج بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر اگر پختہ قبریں بنانے کا جنون جاری رہا تو مستقبل میں دشواریوں اور مسائل کا سامنا ہوگا جس سے ملت میں خلفشار کا خدشہ ہے۔

مسلم قبرستان کی انتظامیہ کمیٹی نے اپنی منظور شدہ قرارداد کے تحت سیمنٹ کانکرٹ، ٹائلس اینٹ، ماربل وغیرہ سے پختہ قبر بنانے کا معاوضہ ۳۷۸۶ (تین ہزار سات سو چھیاسی) روپئے وصول کر رہی ہے، اسی قبرستان کے ساڑھے چودہ ایکڑ زمین پر راستے، کنواں، مسجد، وضو خانہ، آفس، بڑے اور چوڑے درخت بھی ہیں، اگر اس طرح سے پختہ قبریں بنتی رہیں، تو تقریباً دس ہزار قبریں بننے کے بعد دیگر مسلمانوں کو دفن کرنے کے لئے جگہ باقی نہیں رہے گی۔ اور پختہ قبر بنانے والے افراد کی تعداد بآسانی دستیاب ہے، اطراف میں قبرستان کے لئے دوسری زمین نظر نہیں آتی، جسے قبرستان کے لئے استعمال کیا جاسکے، پختہ قبریں بننے کے بعد صدیوں تک قائم رہتی ہیں، ہماری معلومات کے مطابق جب تک قبر کا نشان ظاہر رہتا ہے اس وقت تک اس کا احترام سب پر لازم ہے؛ لہٰذا ایسی قبروں کو پلٹایا نہیں جاسکتا۔

مندرجہ بالا حالات کے تحت درج ذیل سوالوں کے جوابات قرآن واحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں مطلوب ہیں، برائے مہربانی مدلل بحوالہ کتب معتبرہ تفصیلی جوابات سے نوازیں؛ تاکہ امتِ مسلمہ غیر شرعی کاموں سے بچے اور احکامات شریعت پر عمل کریں۔

(۱) شرعاً قبر کیسی بنانا چاہئے؟ اس کی مسنون ہیئت کیسی ہونی چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً قبر اندر اور باہر سے کچی ہونی چاہئے اور سطح زمین سے تقریباً ایک بالشت اوپر اٹھا کر اونٹ کے کوہان کی طرح بنانا مسنون ہے۔

عن أبي بكر بن عياش عن سفيان التمّار أنه حدثه أنه رأى قبر النبي صلى الله عليه وسلم مسنمًا. (صحيح البخاري، الجنائز / باب ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم ۱۸٦/۱ رقم: ۱۳۷٤ ف: ۱۳۹۰)

عن سفيان التمّار قال: دخلت البيت الذي فيه قبر النبي صلى الله عليه وسلم فرأيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر أبي بكر وعمر مسنمة. (مصنف ابن أبي شيبة، الجنائز / ما قالوا في القبر يسنم ۳٤۱/۷ رقم: ۱۱۸۵٦)

ویسنم أي یجعل ترابه مرتفعا علیه کسنام الجمل لما روی البخاريؒ عن سفیان النمار أنه رآی قبر النبي صلی اللّٰه علیه وسلم مسنما. (شامي ۳/۱۴۳ زکریا)

ویسنّم القبر مرتفعاً من الأرض مقدار أو أکثر قلیلاً. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة / الجنائز ۳/۶۹ رقم: ۳۷۳۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کی قبر کتنی گہری کھودنی چاہئے؟

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کی قبر کتنی گہری کھودنی چاہئے، ہم لوگوں کے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ قبر مرد کی کمر کے برابر کھودی جائے؛ کیوں کہ میت سوال کا جواب دینے کے لئے اُٹھ کر بیٹھتا ہے، تو حضرت آپ سے درخواست ہے کہ ہم کو صراطِ مستقیم کی طرح لے چلیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سطح زمین سے میت کے رکھنے کی جگہ تک ایک آدمی کے قامت کے بقدر گہرائی افضل ہے، اور نچلے حصہ میں جس پر تختے لگائے جاتے ہیں تو اس میں بقدرِ ضرورت گہرائی کافی ہے؛ تاکہ میت کو تختے مس نہ کریں زیادہ گہرائی ضروری نہیں۔ اور قبر میں سوال وجواب کا تعلق عالم برزخ سے ہے، جس کا اِدراک کرنے سے ہم عاجز ہیں، اور اس وقت میت کا قبر میں باقاعدہ اٹھ کر بیٹھنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

عن المغیرة عن إبراهیم أنه قال: یحفر القبر إلی السرة. وعن محمد بن سلیم عن الحسن قال: أوصی عمر رضي اللّٰه عنه أن یجعل عمق قبره قامة وبسطة. وعن الحسن ومحمد أنهما قالا: یعمق القبر. (المصنف لابن أبي شیبة / ما قالوا في أعماق القبر ۳/۱۷ رقم: ۱۱۶۶۰-۱۱۶۶۱-۱۱۶۶۲)

قـولـه: مـقـدار نصف قامة أو إلى حد الصدر، وإن زاد إلى مقدار قامة فهو أحســن، كما في الذخيرة، فعلم أن الأولىٰ نصف القامة وإلا على القامة وما بينها شـرح الـمـنية، وهـٰذا حـد العمق، والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع. (شامي ٢/ ٢٣٤ كراچی، ٣/ ١٣٩ زكريا)

ويـنـبـغـي أن يكون مقدار عمق القبر إلى صدر الرجل وسط القامة وكلما زاد فهـو أفـضــل طـول الـقـبـر عـلى قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته.

(الـفـتـاوىٰ الهـنـدية / الـفـصـل الـسـادس فـي الدفن والنقل ١/ ١٦٦ رشيدية، كذا في البحر الرائق / فصل: السطان أحق بصلاته ٢/ ٣٣٨ رشيدية، احكام ميت ١٤٠)

ويحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر ولمن يزد كان حسنًا؛ لأنه أبلغ في الحفظ. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي / فصل في دفنها وحملها ٦٠٧) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کتنی اونچی بنانی چاہئے؟

ســـوال (۱۴۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں قبر کو کافی اونچا بنادیتے ہیں، جتنی قبر کی مٹی ہوتی ہے سب ہی اس پر ڈال دیتے ہیں؛ جب کہ غالباً خصائل نبوی شمائل ترمذی وغیرہ میں ایک بالشت سے زیادہ اونچی قبر کو کرنا مکروہِ تحریمی لکھا ہے، اس کا حکم کیا ہے؟ اور بچی ہوئی مٹی کا کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تدفین کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قبر سے جو مٹی نکلی ہے وہ قبر پر ڈال کر ایک سطح بنادی جائے، اور اس کے بیچ میں ایک بالشت یا اس سے کچھ اوپر اٹھا کر اونٹ کی کوہان کی طرح بنادیا جائے، اس ایک بالشت کا اندازہ قبر کی سطح سے ہوگا، نہ کہ زمین کی سطح سے؛ اس

لئے کوئی اشکال کی بات نہیں ہے، ہمارے علاقوں میں قبروں کا انداز یہی معمول بہ ہے۔

عن أبي بكر بن عياش عن سفيان التمّار أنه حدثه أنه رأى قبر النبي صلى الله عليه وسلم مسنمًا. (صحيح البخاري، الجنائز / باب ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم ١٨٦/١ رقم: ١٣٧٤ ف: ١٣٩٠)

عن سفيان التمّار قال: دخلت البيت الذي فيه قبر النبي صلى الله عليه وسلم فرأيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر أبي بكر وعمر مسنمة.

(المصنف لابن أبي شيبة، الجنائز / ما قالوا في القبر يسنم ٣٤١/٧ رقم: ١١٨٥٦)

ويسنم أي يجعل ترابه مرتفعا عليه كسنام الجمل لما روى البخاريؒ عن سفيان النمار أنه رآى قبر النبي صلى الله عليه وسلم مسنما. (شامي ١٤٣/٣ زكريا)

قال في البدائع: وما روي من الحديث محمول على أنه سطح قبره أولاً جعل التسليم في وسطه حملناه على هٰذا بدليل ما روينا، ومقدار التسليم أن يكون مرتفعاً من الأرض قدر شبر أو أكثر قليلاً. (بدائع الصنائع ٦٥/٢)

ويسنّم القبر مرتفعاً من الأرض مقدار أو أكثر قليلاً. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الجنائز ٦٩/٣ رقم: ٣٧٣٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

قبر کی چھت میت سے کتنی اونچی ہو؟

سوال (۱۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد تختے میت سے کتنے اوپر رکھنے چاہئیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں کوئی حد نہیں ہے، باقی اس کا خیال رہے کہ تختے میت کو مس نہ کریں۔

ولا يمس السقف الميت. (طحطاوي ٦٠٧ ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۵ھ

قبر کو ''شق'' بنانے کی کونسی صورت بہتر ہے؟

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: علاقہ حیدرآباد دکن ہند اور اس کے اطراف میں قبر شق بنانے کا رواج ہے، اور قبر کی صندوق بنا کر اوپر لکڑی کے تختے رکھنے کے بجائے زمین کے جس حصہ پر میت کو رکھا جاتا ہے اس کے مغربی دیوار یعنی جانب قبلہ سے اوپر کی طرف سیلو کے پتھر رکھ دئے جاتے ہیں اور میت کو قبلہ رو کرنے کے لئے مشرقی دیوار سے ٹیک لگایا جاتا ہے، یا پشت میت کی جانب ڈھیلے رکھ کر قبلہ رو کیا جاتا ہے، اس طرح پتھر رکھنے کی وجہ بعض حضرات یہ بتلاتے ہیں، جگہ کم صرف ہوتی ہے، اور شمالی ہند میں لکڑی کے تختوں کو رکھنے کی جو صورت ہے وہ عملاً شہر کے علاقہ میں مشکل ہے، مذکورہ بالا صورت میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

(۱) سیلو پتھر کو اس طرح رکھنے میں میت کو مشرقی دیوار سے ٹیک لگا کر قبلہ رو کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) اگر مذکورہ فی السوال صورت کے برعکس صورت اختیار کی جائے تو کیا وہ لحد کی شکل یا اس کے مشابہ واقرب ہونے کی وجہ سے بہتر رہے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ دونوں صورتیں شق ہی کی ہیں، لحد کی نہیں ہیں، اور فی نفسہٖ دونوں کی اجازت ہے؛ تاہم مروجہ شکل زیادہ مناسب ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مشرقی دیوار سے میت کو ٹیک لگا کر قبلہ رو کرنے میں سہولت رہتی ہے؛ جب کہ اس کے برعکس صورت اختیار کرنے میں اس میں دشواری پیش آئے گی، بریں بناء مروجہ صورت ہی بہتر ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۹/۶۱ ڈابھیل، امداد الأحکام ۲/۲۴۵، احسن الفتاوی ۴/۱۸۷-۱۸۸، فتاوی رحیمیہ ۱/۳۸۳)

عـن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: اللحد لنا والشق لغيرنا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في قول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم اللحد لنا ۲۰۲/۱)

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة. (الفتاویٰ الهندية ۱۶۶/۱)

ويسـنـد الميت من ورائه بتراب، أو نحوه لئلا ينقلب. (حلبي كبير ۵۹۸، الدر المختار مع الشامي ۱٤۱/۳ زكريا، البحر الرائق ۱۹۳/۲ كراچی)

وصـفـة الشق أن تحفر حفيرة كـالـنهر وسط القبر، ويبنى جانباه باللبن أو غيره، ويوضع الميت فيه ويسقف. (الفتاویٰ الهندية ۱۶۶/۱)

قال في الحلية: وكرهوا الآجر وألواح الخشب، وقال الإمام التمرتاشي: هٰذا إذا كان حول الميت، فلو فوقه لا يكره؛ لأنه يكون عصمة من السبع. (شامي ۱٤۲/۳ زكريا)

ولا بأس بإتخاذ تابوت ولو من حجر أو حديد. (الدر المختار مع الشامي ۱٤۰/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر میں لحد مسنون ہے یا شق؟

سـوال (۱۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مٹی سخت ہوتو قبر کے بنانے میں لحد اور شق دونوں میں سے کونسی سنت ہے؟ نیز ہمارے یہاں کی مٹی اس کی متحمل ہے کہ بغلی بنائی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وباللّٰه التوفيق: مٹی اگر سخت ہوتو لحد یعنی بغلی قبر بنانا مسنون ہے، اور نرم زمین میں شق کی اجازت ہے، آپ اپنے یہاں کی مٹی کے بارے میں خود ہی جان سکتے ہیں۔

عـن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: اللحد

لنا والشق لغيرنا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم اللحد لنا ۱/ ۲۰۲)

قوله: ويلحد؛ لأنه سنة، وصفته أن يحفر القبر ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة فيوضع فيها الميت، ويجعل ذٰلک المسقف كالبيت. (رد المحتار / مطلب في دفن الميت ۲/ ۲۳٤ كراچی، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ٦۲ رقم: ۳۷۲۸ زكريا)

يلحد ولا يشق إلا في أرض رخوة. (درمختار ۲/ ۲۳٤ كراچی، شامي ۳/ ۱۳۹ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٦٥، البحر الرائق ۲/ ۱۹۳، احكام ميت ۱٤۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/ ۱۰/ ۱۴۱٦ھ

قبر صندوقی ہونی چاہئے یا بغلی؟

سوال (۱۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعت کی رو سے میت کو کس طرح دفن کیا جائے، قبر میں ہمارے یہاں صندوقی قبر ہوتی ہے، اس لئے کہ یہاں کی زمین سخت نہیں؛ بلکہ نرم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بغلی قبر کھودنا بہتر ہے؛ لیکن اگر زمین نرم ہے اور بغلی قبر نہیں کھودی جاسکتی تو صندوقی قبر کھودنا بلا کراہت جائز ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: اللحد لنا والشق لغيرنا. (سنن الترمذي / باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم اللحد لنا ۱/ ۲۰۲)

قوله: ويلحد؛ لأنه سنة، وصفته أن يحفر القبر ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة فيوضع فيها الميت، ويجعل ذٰلک كالبيت المسقف. (رد المحتار / مطلب في دفن الميت ۲/ ۲۳٤ كراچی، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ٦۲ رقم: ۳۷۲۸ زكريا)

يلحد ولا يشق إلا في أرض رخوة. (درمختار ۲/ ۲۳٤ كراچی، شامي ۳/ ۱۳۹

زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۶۵، البحر الرائق ۲/ ۱۹۳، احکام میت ۱٤۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۷/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرد وعورت کی قبر میں کیا فرق ہے؟

سوال (۱۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرد وعورت کی قبر میں کچھ فرق ہے یا دونوں ایک ہی طرح کی ہونی چاہیے قبر کس طرح کی ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث وفقہ میں مرد عورت کی قبر کے درمیان کوئی فرق مذکور نہیں ہے، دونوں کی قبریں یکساں بنانے کا ہی اُمت میں تعامل ہے؛ البتہ عورت کو دفن کرتے وقت پردہ کا خاص خیال رہنا چاہیئے؛ تاکہ نامحرموں کی نظر نہ پڑنے پائے۔

أخرج البيهقي عن رجل من أهل الكوفة عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أنه أتاهم، قال: ونحن ندفن ميتاً، وقد بسط الثوب على قبره، فجذب الثوب من القبر، وقال: إنما يصنع هٰذا بالنساء. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الجنائز / باب ما روي في ستر القبر بثوب ٥/ ٣٩٩ رقم: ٧١٤٩)

(ويلحد ولا يشق إلا في أرض رخوة (درمختار) وتحته في الشامية: فيخبر بين الشق وإتخاذ التابوت ...... ومقتضى المقابلة أنه يلحد ويوضع التابوت في اللحد؛ لأن العدول إلى الشق لخوف انهيار اللحد كما صرح به في الفتح. (شامي ٢/ ٢٣٤ كراچی)

ويسجى قبر الميت بثوب. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٦٧ رقم: ٣٧٣٠ زكريا)

ويستحب أن يسجى أي يستر قبرها أي المرأة ستراً لها إلى أن يسوي عليها اللحد ولا يسجى قبره؛ لأن عليا مر بقوم قد دفنوا ميتا ويسطوا على قبره

ثوبا فتجذب به، وقال إنما يصنع هٰذا بالنساء إلا إذا كان بضرورة دفع مطر أو ثلج عن الداخلين في القبر. (طحطاوي علی مراقي الفلاح ٦١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷؍۲؍۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرے ہوئے بچہ کو پٹاؤ کر کے دفن کرنا

سوال (۱۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو بچہ مرا ہوا پیدا ہوا اس کے لئے پٹاؤ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے بچہ کو بھی مسنون طریقہ پر پٹاؤ کے ساتھ دفن کرنا اَحوط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴؍۲۰۶)

عن جابر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم قال: الطفل لا يصلی عليه ولا يرث ولا يورث حتی يستهل. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في ترك الصلاة علی الطفل حتی يستهل ٢٠٠/١ كراچی)

ومن استهل صلي عليه وإلا لا......وأفاد بقوله: وإلا لا، أنه إذ لم يستهل، لا يصلی عليه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته عليه ٣٣٠/٢ رشيدية)

ومن ولد فمات، يغسل ويصلی عليه إن استهل، وإلا غسل وسمی وأدرج في خرقة ودفن، ولم يصل عليه. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجنائز ٢٢٧/٢-٢٢٨ كراچی، كذا في تبيين الحقائق ٥٨١/١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴؍۱۱؍۱۴۱۹ھ

چوری کرنے والوں کو بغیر غسل ونماز کے بدن کے کپڑوں کے ساتھ ایک قبر میں دفن کرنا؟

سوال (۱۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جگہ چار چور مارے گئے؛ لیکن چاروں مسلمان تھے، چوری کرتے ہوئے پولیس والوں نے دور سے گولی مار کر جان سے مار دیا، پھر ان کو گاؤں والوں نے بغیر غسل وکفن ونماز جنازہ کے ایک ہی قبر میں ایسے ہی داب دیا، اور ان کو دابنے والوں کو پولیس سے دس ہزار روپئے دابنے کے لئے دیئے، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، نہ ہی ان کو کفن نصیب ہوا، اور نہ ہی غسل کرایا، ایسی حالت میں گنہگار دفن کرنے والے ہیں یا وہ چوری کرنے والے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوری کرنا بڑا گناہ ہے، اس گناہ کی سزا علاوہ عذاب جہنم کے میدانِ محشر کی رسوائی بھی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی۔

(معارف القرآن ۲/ ۲۳۳)

اور فقہاء نے لکھا ہے کہ جو ڈاکو ڈکیتی ڈالتے ہوئے مقابلہ میں مارا جائے، تو بطور زجر وتوبیخ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے؛ بلکہ اسے ویسے ہی دفن کردیا جائے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جو چور پولیس سے مقابلہ میں مارے گئے ہیں، ان کو بلا تجہیز وتکفین دفن کرنے کی وجہ سے کوئی گنہگار نہیں کہلائے گا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [المائدة: ٣٨]

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه – حديثاً طويلاً – في صلاة عبد اللّٰه بن أبي ابن سلول وطرفه: ولا تصل على أحد منهم مات أبداً – إلى قوله – وهم فٰسقون. ولا تقم على قبره انهم كفروا باللّٰه ورسوله وماتوا وهم فاسقون. قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه

وسـلم يؤمئذ، والله ورسوله أعلم. (صحيح البخاري، الجنائز / باب ما يكره من الصلاة على المنافقين ۱۸۲/۱ رقم: ۱۳۵۰ ف: ۱۳٦۰)

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: …… ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن، ولكن التوبة معروضة بعد. (سنن الترمذي رقم: ۲٦۲۵)

وقد روي من غير وجهٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال في الزنا والسرقة: …… ومن أصاب من ذٰلک شيئًا فستر الله عليه فهو إلى الله، إن شاء عذبه يوم القيامة وإن شاء غفر له. (سنن الترمذي / باب ما جاء لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ۱۵/۵ الشاملة)

وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: بغاة، وقطاع طريق فلا يغسلوا ولا يصلى عليهم إذا قتلوا في الحرب …… (درمختار) وإنما لم يغسلوا ولم يصل عليهم إهانة لهم وزجرًا لغيرهم عن فعلهم. وصرح بنفي غسلهم؛ لأنه قيل يغسلون ولا يصلى عليهم للفرق بينهم وبين الشهيد كما ذكره الزيلعي وغيره، وهٰذا القيل رواية. وفيه إشارة إلى ضعفها، لكن مشى عليها في الدرر والوقاية. وفي التاترخانية: وعليه الفتوىٰ. (الرد المحتار / باب صلاة الجنازة ۱۰۷/۳-۱۰۹ زكريا، ۲۱۰/۲-۲۱۲ كراچی)

ويصلى على كل مسلم مات بعد الولادة صغيراً كان أو كبيراً، ذكراً كان أو أنثى، حراً كان أو عبداً، إلا البغاة وقطاع الطريق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / باب الجنائز ۱٦۳/۱ رشيدية، حاشية الطحطاوي ۵۸۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/٦/۲۲ھ

میت کے جسم کو گلانے کے لئے قبر میں کیمیکل پاؤڈر ڈالنا؟

سوال (۱۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بعض بڑے شہروں میں قبرستان میں تنگی کی وجہ سے یہ صورت اپناتے ہیں کہ مردے

کو دفن کرنے کے بعد کوئی ایسا پاؤڈر یا کیمیکل قبر میں ڈالا جاتا ہے، جس کی بنا پر میت جلدی مٹی میں تبدیل ہوجاتی ہے، تو اس طرح سے قبر میں مذکورہ مقصد سے کیمیکل یا پاؤڈر وغیرہ ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے اعضاء سجدہ پر کافور لگانا مسنون ہے، اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ کافور کی خوشبو سے کیڑے دور بھاگتے ہیں اور قبر میں انسانی بدن دیر تک باقی رہتا ہے، اس علت سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ دفن کرنے کے بعد نعش پر کوئی کیمیکل یا پاؤڈر چھڑکنا جس سے میت کا گوشت پوست جلدی ختم ہوجائے، کرامت انسانی اور روحِ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہونے کی بنا پر ایک مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے؛ لہٰذا ایسے عمل سے بہرحال اجتناب کرنا چاہئے، خواہ جگہ کی تنگی کا عذر ہو یا نہ ہو۔

وجعل الكافور على مواضع سجوده، وهي جبهته وأنفه ويداه وركبتاه وقدماه. رواه البيهقي عن ابن مسعود؛ لأنه يطرد الهوام، وفيه تجفيف وحفظ عن إسراع التغير والفسا. (حلبي كبير / فصل في الجنائز ٥٧٩ أشرفية ديوبند)

قوله: ندبًا الكافور على مساجده ...... وهي الجبهة والأنف واليدان والركبتان والقدمان يروي ذٰلک عن ابن مسعود، وخص الكافور؛ لأن الديدان تهرب من رائحته. قوله: كرامة لها؛ لأنه لما كان يسجد بها خصت بزيادة كرامة لها عن سرعة الفساد. (طحطاوي على الدر ٣٦٧/١)

وينشف في ثوب ويجعل الحنوط ...... والكافور على مساجده كرامة لها (الدر المختار) قوله: (على مساجده) مواضع سجوده. قوله: كرامة لها، فإنه كان يسدده بهٰذه الأعضاء، فتختص بزيادة كرامة وصيانة لها عن سرعة الفساد. (شامي ٨٩/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر میں میت کے ساتھ عہد نامہ رکھنا

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عہد نامہ قبر میں میت کے دفن کرتے وقت رکھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر میں عہد نامہ رکھنا محض بدعت ہے، اوراس میں اللہ کے نام کی توہین لازم آتی ہے؛ اس لئے کہ میت کے پھولنے پھٹنے سے عہد نامہ میں لکھے ہوئے متبرک کلمات کی بے حرمتی لازم آئے گی۔

فالمنع هٰهنا أولیٰ. (شامی زکریا ۳/۵۷)

الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص، هل فيه بأس؟

الاستبشار: هو استهانة بالقرآن؛ لأن هٰذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت ويصير هٰذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب اللّٰه من أسباب عذاب اللّٰه.

(نفع المفتي والسائل ۴۰۳ دار ابن حزم، بحواله: فتاویٰ محمودیه ۵۳/۸ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر میں مردے کو کس طرح لٹائیں؟

سوال (۱۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر میں مردے کو لٹانے کی کیا صورت ہے، اگر دائیں پہلو پر لٹایا جائے تو پھر مربع (یعنی صندوقی قبر) میں لٹانے کی کیا صورت ہوگی، جب کہ مردے کا بغیر ٹیک کے ٹھہرنا مشکل ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر میں میت کو داہنی کروٹ پر روبقبلہ لٹایا جائے گا۔

وينبغي كونه على شقه الأيمن. (درمختار ٢٣٦/٢ كراچی)

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة.

(الفتاویٰ الهندية ١٦٦/١)

اور اگر قبر صندوقچی ہے تو داہنی کروٹ پر لٹانے کے لئے میت کی پیٹھ کی طرف پتھر وغیرہ سے ٹیک لگادی جائے گی۔

وفي الحلبي: ويسند الميت من ورائه بنحو تراب لئلا ينقلب. (مراقي الفلاح ٣٣٤)

ووجّه إلی القبلة بذٰلک أمر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ویکون علی شقه الأیمن. (البحر الرائق / فصل: السلطان أحق بصلاته علیه ٣٣٩/٢ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

٢/٦/١٤١٤ھ

میت کو کس پہلو پر لٹانا سنت ہے؟

سوال (۱۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک حضرت کو پورب کی دیوار سے لگا کر دائیں پہلو پر لٹادیا گیا، شریعت کی رو سے کس طرح لٹانا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر بروئے قبلہ لٹانا سنت ہے، صورتِ مسئولہ میں جن صاحب کو پورب کی دیوار سے ٹیک لگا کر دائیں پہلو پر لٹایا گیا ہے وہ درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۱)

ویوجه إلیها وجوباً وینبغي في کونه علی شقه الأیمن. (درمختار مع الشامي ٢٣٦/٢ کراچی، ١٤١/٣ زکریا)

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة.

(الفتاویٰ الهندية ١٦٦/١)

وفي الحلبي ويسند الميت من ورائه بنحو تراب لئلا ينقلب. (مراقي الفلاح ٣٣٤)

ووجّه إلى القبلة بذٰلک أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ويكون على شقه الأيمن. (البحر الرائق / فصل: السلطان أحق بصلاته عليه ٢/ ٣٣٩ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۷/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو قبر میں چت لٹانا

سوال (۱۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دورِ حاضر میں عامۃ المسلمین جو مردے کو بالخصوص صندوقی قبر میں چت لٹا کر صرف دائیں جانب اس کا چہرہ پھیر دیتے ہیں تو یہ چت لٹانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو چت لٹا کر صرف داہنی جانب چہرہ پھیر دینا خلاف اولیٰ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/ ۳۷)

وينبغي كونه على شقه الأيمن. (درمختار ۲/ ۲۳۶ کراچی)

ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، كذا في الخلاصة.

(الفتاویٰ الهندية ١/ ١٦٦)

وفي الحلبي ويسند الميت من ورائه بنحو تراب لئلا ينقلب. (مراقي الفلاح ٣٣٤)

ووجّه إلى القبلة بذٰلک أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ويكون على شقه الأيمن. (البحر الرائق / فصل: السلطان أحق بصلاته عليه ٢/ ٣٣٩ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲/۶/۱۴۱۴ھ

ڈھیلے سے ٹیک لگا کر مردے کا رخ قبلہ کی طرف کرنا؟

سوال (۱۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک جگہ جنازہ میں شرکت کا اتفاق ہوا، وہاں مردہ کو قبر میں لٹاتے وقت مردہ کے بائیں سائڈ میں ایک ڈھیلہ سے ٹیک لگادی؛ تاکہ مردہ کا رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، پوچھنے پر ان لوگوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ایسے ہی ہوتا ہے، تو کیا یہ عمل مردہ کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو قبلہ رخ کرنے کے لئے میت کی پیٹھ کی طرف ڈھیلہ سے ٹیک لگانا جائز اور درست ہے، اور اس عمل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۸/۱۷۵، احسن الفتاویٰ ۴/۲۲۴)

یوجّه إلی القبلة عن جنبه الأیمن بذٰلک أمر النبي ﷺ علیاً لما مات رجل من عبد المطلب فقال یا علي: استقبل القبلة استقبالاً، وقولوا جمیعاً بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وضعوه لجنبه ولا تکبوه علی وجه ولا تلقوه علی ظهره، کذا في الجوهرة. وفي الحلبي: ویسند المیت من ورائه بنحو تراب لئلا ینقلب. (طحطاوي علی المراقي الفلاح ٣٣٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۰ھ

قبر میں میت کے سرہانے بیر کی لکڑیاں رکھنا؟

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر میں میت کے سرہانے اور پیر کے پاس دو بیر کی لکڑیاں رکھنا اور قبر پر عرق گلاب ڈالنا کہ میت کا جسم زیادہ دن باقی رہے، کیا یہ جائز ہے؟ اگر یہ غرض نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے جسم کو باقی رکھنے کی غرض سے میت کے ساتھ بیر کی لکڑیاں رکھنے کا عمل قطعاً بے اصل ہے اس سے احتراز لازم ہے؛ لیکن اگر یہ غرض نہ ہو؛ بلکہ قبر کو

سیدھا رکھنے کے لئے بطور نشان بیری کی شاخ اوپر سے گاڑ دی جائے جیسا کہ بہت سی جگہ معمول ہے، تو اس میں شرعاً حرج نہیں ہے۔

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص أن سعد بن أبي وقاص رضي اللّٰه عنه قال في مرضه الذي هلک فیه: الحدوا لي لحداً، وانصبوا علي اللبن نصباً، كما صنع برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح مسلم، الجنائز / في استحباب اللحد ۱/ ۳۱۱ رقم: ۹٦٦، سنن النسائي، الجنائز / باب اللحد والشق ۱/ ۲۱۹ رقم: ۲۰۰۳–۲۰۰٤، سنن ابن ماجة، الجنائز / باب ما جاء في استحباب اللحد ۱/ ۱۱۱ رقم: ۱۵۵٦)

ويسوى اللبن عليه والقصب لا الآجر المطبوخ، والخشب لو حوله، أما فوقه فلا يكره، وقال الإمام التمرتاشي: هٰذا إذا كان حول الميت فلو فوقه لا يكره؛ لأنه يكون عصمة من السبع. (شامي ۳/ ۱٤۲ زكريا)

ويكره الآجر على اللحد، ويتسحب القصب واللبن. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الجنائز ۳/ ٦۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶؍۳؍۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیری کے پتے اور شاخیں قبر میں رکھنا؟

سوال (۱۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیری کے پتے اور شاخیں قبر میں رکھنے کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ کیا آپ نے یا حضراتِ صحابہ وغیرہ نے ایسا کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر میں بیری کے پتے اور شاخوں کے رکھنے کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے؛ بلکہ یہ بدعت اور روافض کا شعار ہے، جس کا ترک کرنا لازم اور ضروری ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، اللباس / باب في لبس الشهرة رقم: ٤٠٣١)

قال الطيبي: هٰذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هٰذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس ١٥٥/٨ رقم: ٤٣٤ رشيدية)

فترى العامة يلقون الزهور على القبور، لا أصل لها في الدين ولا مستند لها من الكتاب والسنة. (معارف السنن ٢٦٥/١-٢٦٦ أشرفية)

قال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (عمدة القاري، الوضوء / باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ١٢١/٢ جزء: ٣، بحواله: فيض الباري / باب الجريد على القبر ٤٨٩/٢)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الدعاء في التشهد ٣١/٣ رقم: ٩٤٦ رشيدية)

ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة ١٦٦/١ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کے اوپر پھول اور قبر کے اندر کیوڑ اڈالنا؟

سوال (۱۶۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر کے اوپر پھول اور قبر کے اندر کیوڑا وغیرہ ڈالنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا آنحضرت ﷺ، صحابہ، تابعین،

ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین سے ثابت نہیں؛ لہٰذا یہ عمل قابلِ ترک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۷۲ اڈابھیل)

فترى العامة يلقون الزهور على القبور، لا أصل لها في الدين ولا مستند لها من الكتاب والسنة. (معارف السنن ۱/۵ ۲٦ – ۲٦٦ أشرفية)

قال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (عمدة القاري، الوضوء / باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ۲/۱۲۱ جزء: ۳، بحواله: فيض الباري / باب الجريد على القبر ۲/۴۸۹)

البتہ قبر کے اندر خوشبو وغیرہ ڈالنا درست ہے اور کیوڑا میں اگر پسندیدہ خوشبو ہے تو خوشبو کی جگہ پر اس کو مانا جاسکتا ہے، اور خوشبو کے قائم مقام قرار دے کر قبر میں اس کو ڈالا جاسکتا ہے، اور اگر پسندیدہ خوشبو نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ اس کو پسند نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کی قبر میں کیوڑا نہ ڈالا جائے؛ بلکہ خوشبو ہی ڈالی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۹۸، فتاویٰ دارالعلوم ۵/۴۱۳)

المستفاد: ويوضع الحنوط في القبر؛ لأنه عليه السلام فعل ذٰلك بابنه إبراهيم. (فتح المعين على شرح الكنز للعلامة أبي السعود المصري / باب الجنائز ۱/۳٦٤ كراچی، بحواله حاشية: فتاویٰ محموديه ۹/۱۰۳ ڈابهيل)

ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة ۱/۱٦٦ رشيدية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۴/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر پر پھول ڈالنا؟

سوال (۱۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پر پھول وغیرہ ڈالنے کی رسم بدعت ہے، دورِ نبوت سے لیکر اکابر امت تک اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے؛ اس لئے ایسی رسم سے اجتناب ضروری ہے۔

وهذا أولى مما قاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره. (شامي ۱۵۵/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر پاٹنے کا کیا طریقہ ہے؟

سوال (۱۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر میں تختے سرہانے کی طرف سے لگانے شروع کئے جائیں یا پائیتی کی طرف سے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ سرہانے کی جانب سے تختے لگائیں، اس میں مرد وعورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً لما في ابن ماجة عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى على جنازة ثم أتى القبر فحثى عليه من قبر رأسه ثلاثاً. شرح المنية. (درمختار مع الشامي / مطلب في دفن الميت كراچی ۲۳٦/۲، زكريا ۱٤۳/۳، سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز / باب ما جاء في حثي التراب في القبر رقم: ۱٥٦٥)

ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثوه في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعاً من قبل رأس الميت، ويقول في الحثية الأولىٰ: ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ﴾ وفي الثانية: ﴿وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ﴾ وفي الثالثة: ﴿وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى﴾ كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوىٰ الهندية ۱٦٦/۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۳۳٥ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر بند کرنے کے لئے بیری کے تختے استعمال کرنا؟

سوال (۱۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض حضرات اپنے ورثہ کو یہ وصیت کردیتے ہیں کہ ہماری قبر پر بیری کے تختے لگوانا، دریافت یہ کرنا ہے کہ قبر کو بند کرنے کے لئے بیری کے تختے استعمال کرنے میں کوئی حرج تو نہیں، اگر اس وصیت کو پورا نہ کیا جائے تو ازروئے شرع کوئی گناہ تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی التزام کے بغیر دیگر تختوں کی طرح بیری کے تختے بھی قبر میں استعمال کرنا جائز ہے؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں اگر وارثین بیری کے تختہ لگانے کے متعلق میت کی وصیت پر عمل نہ کریں، تو ان پر شرعاً کوئی گناہ اور مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

المستفاد: ولو أوصیٰ بأن یصلی علیه فلان فقد ذکر في العیون ان الوصیة باطلة. (الفتاویٰ الهندیة ٦/٩٥)

من أصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر. (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة / باب الدعاء في التشهد ٣/٣١ رقم: ٩٤٦ رشیدیة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۶/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر میں تختے کے اوپر بوریہ یا پتے ڈال کر مٹی اوپر سے رکھنا؟

سوال (۱۶۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں میت کو قبر میں اتار کر تختے رکھ کر یا تو بوریہ ڈال دیتے ہیں، یا پتے ڈال دیتے ہیں، تب اوپر سے مٹی ڈالتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بوریہ یا پتے نہیں ہوتے، تو میت کے اوپر کی چادر ڈال دیتے ہیں تختوں کے اوپر، پھر مٹی ڈالتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کیا اس چادر کے ڈالنے

میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو قبر میں اتار کر تختوں پر چٹائی یا بوریا ڈالنا یا کپڑے کی چادر ڈالنا ضروری تو نہیں ہے؛ لیکن اگر میت پر مٹی گرنے سے حفاظت کے لئے ان چیزوں کو رکھ دیا جائے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں؛ تاہم اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص أن سعد بن أبي وقاص رضي اللّٰه عنه قال في مرضه الذي هلک فيه: الحدوا لي لحداً، وانصبوا علي اللبن نصباً، كما صنع برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح مسلم، الجنائز / في استحباب اللحد ۱/ ۳۱۱ رقم: ۹٦٦، سنن النسائي، الجنائز / باب اللحد والشق ۱/ ۲۱۹ رقم: ۲۰۰۳-۲۰۰٤، سنن ابن ماجة، الجنائز / باب ما جاء في استحباب اللحد ۱/ ۱۱۱ رقم: ۱۵۵٦)

ويسوى اللبن على اللحد، وتسد الفرج بالمدور والقصب أو غير ذلک كيلا ينزل التراب منها على الميت. (الموسوعة الفقهية ۲۱/ ۱٤ بيروت)

وما بقي من الخلل فيه بالقصب. (إعلاء السنن ۸/ ۲۵۰ كراچی)

قال في الحلية: وتسد الفرج التي بين اللبن بالمدرر والقصب كي لا ينزل التراب منها على الميت. (شامي ۳/ ۱٤۲ زكريا)

وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندراس والنبش، ولا بأس به. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في حملها ودفنها ۱ ٦۱۱، كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار / صلاة الجنائز ۱/ ۳۸۲ بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۳/ ۷/ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کو مٹی دیتے وقت ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ﴾ پڑھنے کا ثبوت

سوال (۱٦۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میت کو مٹی ڈالتے وقت ﴿منها خلقنکم﴾ پڑھا جاتا ہے، یہ کہاں سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت ﴿منها خلقنکم﴾ آیت تلاوت فرمائی، مگر اس روایت کی سند میں ایک راوی علی بن یزید انتہائی کمزور اور ضعیف راوی ہے، جس کی بنا پر روایت سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: لما وضعت أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (مسند أحمد ٥/٢٥٤ رقم: ٢٢٠٨٧ دار الحديث القاهرة، مجمع الزوائد ٣/٤٣)

اور راوی کے بارے میں دیکھئے: کشف الاحوال ۸۰)

ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثوه في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعاً من قبل رأس الميت، ويقول في الحثية الأولىٰ: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ وفي الثانية: ﴿وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾ وفي الثالثة: ﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ كذا في الجوهرة النيرة. (١٦٦/١، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٣٣٥ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۰/۵/۱۴۱۴ھ

قبر سے نکلی ہوئی ساری مٹی قبر پر ہی ڈالنا؟

سوال (۱۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر کتنی اونچی رکھنی چاہئے، قبر کھودنے سے جو مٹی نکلے کیا وہ سب قبر پر چڑھا دینی چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کا اوپری حصہ کم سے کم نصف قامت رہنا چاہئے اور زیادہ کی حد نہیں اور گہری کھودنا مستحسن ہے۔

ویحفر القبر نصف قامة أو إلی الصدر ولمن یزد کان حسنا؛ لأنه أبلغ في الحفظ .(کذا في المراقي دیوبند ٦٠٧)

اور قبر سے نکلی ہوئی ساری مٹی قبر پر ہی چڑھانی ضروری نہیں، اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قبر کی اونچائی ایک بالشت رہے، زیادہ مٹی ڈالنے سے اس کی رعایت نہ ہوسکے گی۔

عن جعفر بن محمد عن أبیه قال: کان نبث قبر النبي صلی اللّٰه علیه وسلم شبراً. (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر تسنیم قبر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ۲/ ۲۳٤)

ویسنم القبر قدر الشبر. (١/ ١٦٦)

ویسنم القبر مرتفعاً من الأرض مقدار شبر أو أکثر قلیلاً. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٣/ ٦٩ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱۱/۱۴۱۳ھ

قبر پر مٹی ڈالنا اور پانی چھڑکنا سنت ہے

سوال (۱۶۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو مٹی دینا، اسی طرح قبر بنانے کے بعد اس پر پانی ڈالنا آیا یہ عہدِ نبوی سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پر مٹی دینا اور پانی چھڑکنا سنت سے ثابت ہے۔

عن جعفر ابن محمد عن أبیه مرسلاً أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم حثی علی المیت ثلاث حثیات بیدیه جمیعاً وأنه رش علی قبر ابنه إبراهیم ووضع

عليه حصباء. (أخرجه البغوي في شرح السنة ٥/١ ٤٠ رقم: ١٥١٥)

وفي حديث اٰخر: وعنه قال رش قبر النبي ﷺ وكان الذي رش الماء على قبره بلال بن رباح بقربة بدأ من قبل رأسه حتى انتهىٰ إلىٰ رجليه. (رواه البيهقي في دلائل النبوة، مشكوٰة المصابيح ١٤٨-١٤٩، مرقاة المفاتيح ٤/ ١٦٧ رقم: ١٧١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۷/۱/۱۴۱۲ھ

قبر بیٹھ جانے پر دوبارہ مٹی ڈالنا؟

سوال (۱۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر قبر کی مٹی بیٹھ جائے تو اس پر دوبارہ مٹی چڑھوا سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہمارے یہاں کا قبرستان موقوفہ ہے، بعض قبریں تو دو چار روز کے بعد ہی بیٹھ جاتی ہیں، ان کو درست کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبر بیٹھ جائے تو اس پر دوبارہ مٹی ڈالنا درست ہے۔

(کفایت المفتی ۴/ ۳۸، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۷۵، امداد الفتاویٰ ۱/ ۵۸۷)

(ولا يطيين) لان عبارة السراجية كما نقله الرحمتي ذكر في تجريد أبي الفضل أن تطيين القبور مكروه والمختار أنه لا يكره الخ. (درمختار مع الشامي ٣/ ١٤٤ زكريا)

سئل محمد بن سيرين هل تطين القبور؟ فقال: لا أعلم به بأسًا. (المصنف لابن أبي شيبة / في تطيين القبر وما ذكر فيه ٧/ ٣٦٢ رقم: ١١٩٢٣)

المختار التطيين غير مكروه وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخربة كما في القهستاني. (مجمع الأنهر ١/ ١٨٧، البحر الرائق ٢/ ١٩٤، حلبي كبير ٥٩٩، الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٦٦، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٧٠-٧١ رقم: ٣٧٣٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرانی قبروں کو منہدم کر کے ان پر جدید قبریں تعمیر کرنا؟

سوال (۱۷۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے قبرستان میں قدیمی وبشکل کھنڈر، صدیوں پرانی قبریں ہیں جو کہ برائے نام ہی پکی ہیں؛ بلکہ کہا جائے جنگلی جانوروں کے بھٹ (مضبوط پناگاہ ہیں) اگر انہیں منہدم کر کے جدید میتوں کے لئے قبریں بنالی جائیں، تو از روئے شرع کوئی مضائقہ تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قبریں انتہائی پرانی ہو چکی ہیں، ضرورت کے وقت انہیں برابر کر کے ان جگہوں پر نئی قبریں بنا کر مردوں کو دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ في قبرہ. (طحطحاوي علی المراقي ٦١٢ دیوبند)

ولا یحفر قبر لدفن آخر مالم یبل الأول. (حلبي کبیر ٦٠٧، کذا في الشامي / مطلب في دفن المیت ٣/٣٨ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۴۲۹/۶/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو قبریں بھراؤ میں دب جائیں ان پر مٹی ڈال کر نئے مردے دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پکی قبریں بھراؤ میں دب جاتی ہیں تو ایسی صورت میں ان قبروں کے اوپر دوبارہ میت کو دفنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرانی قبروں اوران کے اوپر ڈالے جانے والے بھراؤ

کی مٹی میں نئے مردوں کو دفن کرنا جائز ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

ولـو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره في قبره. (طحطحاوي علی المراقي ٦١٢ دیوبند، الفتاویٰ الهندیة ١٦٧/١)

ولا یـحـفـر قبر لدفن آخر مالم یبل الأول. (حلبي کبیر ٦٠٧، کذا في الشامي / مطلب في دفن المیت ١٣٨/٣ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مملوکہ زمین میں پرانی قبر کو برابر کرکے راستہ بنانا

سـوال (۱۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عام راستہ میں نکلنے اور جانے کے لئے ہمارے لئے کوئی خاص راستہ نہیں ہے، دوسرے پڑوس کے ذاتی راستہ سے ہم عام راستہ میں پہونچتے ہیں، اب وہ پڑوس ہم کو اس کے راستہ سے چلنے سے منع کرتے ہیں، اور ہماری کوئی ایسی جگہ بھی نہیں ہے جس سے ہم عام راستہ میں پہونچیں سوائے ایک جگہ کے؛ لیکن وہاں ایک پرانی قبر ہے، عام قبرستان نہیں اور قبر کی جگہ بھی ہماری ہی ملکیت میں ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس پرانی قبر کو برابر کرکے اس پر راستہ بنانا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جگہ پر قبر اتنی پرانی ہوکہ میت کا جسم مٹی بن چکا ہو، تو مملوکہ زمین ہونے کی وجہ سے اس جگہ پر راستہ بنانے یا تعمیر کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

إذا بـلـی الـمیـت وصـار تـرابـاً یـجوز زرعه والبناء علیه، ومقتضاه جواز المشي فوقه. (شامي، باب صلاة الجنائز / مطلب: في إهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ ١٥٥/٣ زکریا)

ولـو بـلـی الـمیـت وصـار تـراباً جاز دفن غیره، وزرعه والبناء علیه الخ.

(۱/ ۱٦٧، طحطاوي علی مراقي الفلاح / فصل في حملها و دفنها ٥٠٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۱/ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سکنائی جائیداد میں قبروں کو ختم کر کے برابر کرنا؟

سوال (۱۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے پلاٹ میں جو کہ سکنائی ہے اس میں دو قبریں ہیں، تقریباً پچیس تیس سال پرانی ہیں، ایک قبر عام راستہ میں آرہی ہے، دوسری قبر پلاٹ میں ہے، ان قبروں کی علامت ختم کر کے زمین کے ہموار کردی جائے یا نہیں؟

(۲) جس پلاٹ میں قبریں ہیں اس میں مکان دوکان بنانا کیسا ہے؟

(۳) قبروں کی علامت ختم کرنے میں کوئی گناہ یا عند اللہ کوئی گرفت تو نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قبریں مملوکہ زمین میں ہیں اور اتنی پرانی ہو چکی ہیں کہ ان میں دفن شدہ نعشیں مٹی بن گئی ہوں، تو مالکین کے لئے ان قبروں کو برابر کر کے وہاں دوکان مکان یا اپنی ضرورت کی کوئی بھی چیز بنانا بلا شبہ جائز ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ في حدیث نبش قبور المشرکین، قال: فکان فیہ ما أقول لکم قبور المشرکین، وفیہ خرب، ...... فأمر النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت، ثم بالخرب فسوِّیت......الخ. (صحیح البخاري ۱/ ٦۱ رقم: ٤٢٨)

قال ابن حجرؒ: تحتہ: وفي الحدیث جواز التصرف في المقبرۃ المملوکۃ بالھبۃ والبیع، وجواز نبش القبور الدارسۃ إذا لم تکن محترمۃ. (فتح الباري ۱/ ٦٩٢ بیروت)

ویخیر المالک بین إخراجہ ومساواتہ بالأرض کما جاز زرعہ والبناء

عليه إذا بلى وصار ترابًا. (درمختار، باب صلاة الجنازة / مطلب: في دفن الميت ۳/ ۱٤٥ زكريا، كذا في الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/ ۶/ ۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان کے علاوہ بنائی گئی قبر کو اُکھاڑ کر برابر کرنا؟

سوال (۱۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر قبرستان کے حصہ کے علاوہ کسی جگہ کوئی پرانی بوسیدہ قبر نکل آئے جو لوگوں نے لا ابالی پن میں دفن کر دیا ہو اس کو ہموار کر کے زمین اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ ہماری اجازت کے بغیر دفن کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قبریں اتنی پرانی ہوگئی ہوں کہ میت کے مٹی بن جانے کا گمان غالب ہو تو انہیں برابر کر کے آپ اپنی مملوکہ زمین اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں؛ البتہ جو قبریں نئی ہوں اُن کو اکھیڑنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ لاش کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے اور یہ فتنہ کا سبب بھی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۴/ ۱۷۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۵۳)

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة، ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض. (درمختار، باب صلاة الجنازة / مطلب في دفن الميت ۳/ ۱٤٥ زكريا)

وإن بقي من عظامهم شيء تنبش وترفع الآثار وتتخذ مسجدا لما روي أن مسجد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان قبل مقبرة للمشركين فنبشت. (شامي / مطلب في دفن الميت ۲/ ۲۳٤ كراچی، ۳/ ۱۳۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/ ۱/ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بوسیدہ پختہ قبروں کو برابر کر کے ان کو بھراؤ میں شامل کرنا؟

سوال (۱۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا قبرستان گورغریباں قصبہ دھامپور محلّہ پہاڑی دروازہ بجنور میں واقع ہے، موجودہ حالت میں قبرستان راستہ وسڑک سے گہرا ہونے کی وجہ سے برسات کے موسم میں بے تحاشہ پانی بھر جاتا ہے، پانی بھر جانے کی وجہ موجود قبریں بیٹھ جاتی ہیں، بھرے ہوئے پانی کو نکالنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، قبرستان کے چاروں طرف سکونت ہوچکی ہے، صرف ایک راستہ قبرستان میں آنے جانے کے واسطے ہے، اس قبرستان میں عرصہ دراز پہلے پکی قبریں بنالی گئیں تھیں، جو اس وقت خستہ حالت میں خرد برد ہوچکی ہیں، پکی قبریں ہونے کی وجہ سے اب اس وقت میت کو دفنانے میں قبرستان میں جگہ کم ہوگئی ہے، زیادہ تر قبریں بیٹھ گئی ہیں، یا گہرے گڈھے کی شکل میں ہیں، اب قبرستان میں مٹی ڈال کر بھراؤ کیا جارہا ہے۔ کیا قبرستان میں موجود پکی قبروں کو مسمار کر کے بھراؤ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں کو پختہ بنانا جائز نہیں؛ لہٰذا پرانی پختہ قبروں کو برابر کر کے ان کے اوپر مٹی ڈالنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

عن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي رضي اللّٰه عنه: ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لاتدع تمثالاً إلا طمسته ولا قبراً مشرفا إلا سويته. (صحيح مسلم ۳۱۲/۱)

ولو بلى الميت وصار تراباً جاز دفن غيره، ورزعه والبناء عليه الخ. (طحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في حملها ودفنها ۵۰۵، ۱۶۷/۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

قبر کے سرہانے پر سورۂ بقرہ کا پہلا اور پیروں کی طرف آخری رکوع پڑھنا؟

سوال (۱۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرد دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے اور پائتیں سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھتے ہیں، اگر چھوٹے بچے کی قبر ہو تو اس کے سرہانے اور پائتیں پڑھیں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں مطلقاً میت کی قبر کے سرہانے اور پیروں کی جانب سورۂ بقرہ کے اول اخیر پڑھنے کا ثبوت ہے، چھوٹے بڑے کی تفصیل نہیں، نیز یہ عمل صرف مستحب ہے؛ لہٰذا اگر بچہ کی قبر پر بھی ایسا کیا گیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنه قال: سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقر وعند رجله بخاتمة البقرة. (شعب الإيمان ١٦/٧ رقم: ٩٢٩٣، مشكوٰة المصابيح ١٤٩)

وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على البقر بعد الدفن أول سورة البقر وخاتمتها. (شامي / باب صلاة الجنائز ١٤٣/٣ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تدفین کے بعد قبر کے سراہنے اور پاؤں کی جانب سورۂ بقرہ کا اول آخر پڑھنا؟

سوال (۱۷۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ گجرات میں اکثر جگہوں میں میت کو دفن کرنے کے بعد کوئی عالم سر کی جانب

سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات، اور پاؤں کی جانب آخری آیات جہراً تلاوت کرتا ہے، اور سارے لوگ خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوکر سنتے ہیں، تو عالم صاحب کا ان آیات کو قبر پر جہراً پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ ''فتاوی قاضی خاں مع الہندیہ ۴۲۲/۳'' کی اس عبارت: ''**وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوی بذٰلک أن یونسهم صوت القرآن؛ فإنه یقرأ وإن لم یقصد ذلک فالله تعالیٰ یسمع قراءة القرآن حیث کانت**'' کو ماخذ بنا کر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے اپنے وقت کے صدر المفتین فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہ سے پوچھا گیا، یہ سوال کہ قبر پر تلاوت بلند آواز پڑھنی چاہئے یا آہستہ سے؟ اور بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے قرآن خوانی بلند آواز سے ہوتی ہے، کیا حکم ہے؟ اور حضرت کے جواب دونوں طرح درست ہے بشرطیکہ کوئی عارض نہ ہو۔

(۱) فتاویٰ محمودیہ ۴۳/۱۲ کو ماخذ بنا کر مذکورہ آیات کی جہراً تلاوت کو بلا کراہت جائز کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) کیا کسی حدیث یا فقہ کی عربی کتاب میں خاص ان آیات کو آہستہ پڑھنے کا اور ان کے جہراً پڑھنے کے ناجائز یا مکروہ ہونے کا تذکرہ ہے؟

(۳) کیا ہمارے اکابر میں سے کسی نے عند القبر بعد الدفن اس کے جہراً پڑھنے کو ناجائز یا مکروہ لکھا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تدفین کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کا پڑھنا بعض احادیث و آثار صحابہ ثابت ہے؛ لیکن اس میں جہر کی صراحت نہیں ہے؛ لہٰذا اس موقع پر جہر کا اہتمام اور التزام پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ بظاہر بہتر یہ ہے کہ سبھی حاضرین خود سراً یہ آیات پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں، اس میں مردے کو ثواب زیادہ ملے گا؛ کیوں کہ پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی اور جہر کی شکل میں چوں کہ پڑھنے والا صرف ایک ہے؛ اس لئے ثواب

بھی کم ملے گا،اور سوال میں قاضی خاں کے جس جزئیہ کا ذکر ہے، یہ دفن کے بعد والی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ یہ عام حالات میں قبر پر تلاوت کرنے کے بارے میں ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا کسی قبر پر حاضر ہو اور وہاں کوئی اجتماعی شکل نہ ہو تو میت کی انسیت کے لئے جہراً تلاوت کی بھی گنجائش ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ انفرادی شکل میں جہر اور سر دونوں کی گنجائش ہے، اور اجتماعی شکل میں جہر پسندیدہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں آگے چل کر رسم بن جانے کا اندیشہ قوی ہے،اسی لئے حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے فتوی میں یہ شرط لگائی ہے کہ ''کوئی عارض نہ ہو'' اور یہاں عارض یعنی اندیشہ التزام موجود ہے،اس لئے اجتناب اولیٰ ہے۔

قال اللّٰه تعالی: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً﴾ [الأعراف: ۹]

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول: إذا مات أحدكم فلا تجسوه وأسرعوا به إلی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة الکتاب، وعند رجلیه بخاتمة البقرة. (شعب الإیمان ۱٦/۷ رقم: ۹۲۹۳، مشکوة المصابیح ۱٤۹)

وهو عام لكل ذكر فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص، وأقرب إلی القبول.

(روح المعاني ۲۲۳/۹)

الإصرار علی المندوب یبلغه إلی حد الكراهة. (سعایة ۲٦٥/۲)

(۲) ان خاص آیات کو بالجہر پڑھنے کی کراہت کا جزئیہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا۔

(۳) اکابر کے فتاوی میں اگرچہ جہراً پڑھنے کی کراہت کی صراحت نہیں ہے؛ لیکن (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴۰۵/۵، فتاوی رحیمیہ ۹۸/۳، فتاوی محمودیہ جدید ۱۰۷/۹) میں خاص ان آیات کو سراً پڑھنے کا فتوی دیا گیا ہے، جس سے بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ اکابر کے نزدیک جہر کے مقابلہ میں سر ہی افضل اور اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۴/۵ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا مستحب ہے

سوال (۱۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' ۴۰۵/۵، ۳۰۶/۷ دفن کرنے کے بعد اول سورۂ بقرہ اور آخر سورت مذکور کا پڑھنا جو مسنون ہے، جہر سے پڑھا جائے یا بلا جہر؟ جواب میں لکھا ہے بلا جہر پڑھا جائے؟

''امدادالفتاوی'' ۲۵/۱۷ پر بھی لکھا ہے کہ بلا جہر پڑھا جائے گا اور مفتیان دیوبند، ہردوئی، پالنپور بھی بلا جہر پڑھتے ہیں، اور احقر شعیب میاں جی بھی بلا جہر پڑھتا ہے، مگر بھروچ، بڑودہ اور سورت کے علماء کرام جہراً پڑھتے ہیں، کیا جہراً پڑھنا کسی بھی فقہ کی کتاب میں لکھا ہے، اگر لکھا ہو تو حوالہ کے ساتھ جواب مطلوب ہے، میرے پاس دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے، جس میں پانچ مفتیان کے دستخط ہیں، اور لکھا ہوا ہے کہ صراحت کے ساتھ کسی بھی فقہ کی کتاب میں جہراً پڑھنا نہیں ملے گا، فتاوی دارالعلوم دیوبند اور امداد الفتاوی میں لکھا ہے وہی برابر ہے، مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جہراً پڑھنا کسی بھی کتاب میں نہیں لکھا ہے، شرعی حکم کیا ہے تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی تدفین کے بعد میت کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں ''آلم سے مفلحون'' تک پڑھنا، اور میت کی پائنتی پر سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ''آمن الرسول'' سے آخر تک پڑھنا مستحب ہے، اور حدیث سے ثابت ہے؛ لیکن حدیث میں اور فقہ کی عربی کتابوں میں اسے سراً یا جہراً پڑھنے کا حکم بندہ کی تلاش کے باوجود نہیں ملا؛ البتہ ہمارے اکابرین کے فتاویٰ میں اس کے سراً پڑھنے کی صراحت موجود ہے، لیکن اس کے جہراً پڑھنے کو بھی کسی نے ناجائز اور مکروہ نہیں لکھا ہے؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے سراً پڑھا جائے جہر کا التزام نہ کیا جائے۔

(مستفاد فتاوی دارالعلوم ۴۰۵/۵، فتاوی محمودیہ ۱۰۷/۹ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالی: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [الأعراف: ٢٠٥]

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: إذا مات أحدکم فلا تجسوه وأسرعوا به إلی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة الکتاب، وعند رجلیه بخاتمة البقرة. (شعب الإیمان ١٦/٧ رقم: ٩٢٩٣، مشکوۃ المصابیح ١٤٩)

وهو عام لکل ذکر، فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص، وأقرب من القبول. (روح المعاني ٢٢٣/٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دفن کے بعد دعا

سوال (۱۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو دفنانے کے بعد قبرستان میں ہی دعا انفرادی کرے یا اجتماعی؟ کیا دعا خاموشی سے کرے یا بلند آواز سے؟ اس طرح میت کے لوگ میت کے گھر جاکر اجتماعاً دونوں ہاتھوں کو اٹھاکر بلند آواز سے دعا مانگتے ہیں، کیا یہ بدعت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تدفین کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر ہاتھ اٹھاکر دعا کی جائے تو رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے؛ تاکہ غیر اللہ سے مانگنے کا اشتباہ نہ ہو۔

وفي حدیث ابن مسعود رضي اللّٰہ عنه: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم في قبر عبد اللّٰہ ذي النجادین'' الحدیث. وفیه: ''فلما فرغ من دفنه

استقبل القبلة رافعا يديه". أخرجه أبوعوانه في صحيحه. (فتح الباري، الدعوت / باب الدعاء مستقبل القبلة ١٤٤/١١ رقم: ٦٣٤٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۴ھ

تدفین کے بعد امام کا جہراً دعا کرنا اور سب کا آمین کہنا؟

سوال (۱۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جنازہ میں جس قدر افراد شریک ہوں، تدفین کے بعد ہر ایک جو بھی آیت قرآنی یاد ہو یا کم ازکم سورۂ فاتحہ ہی پڑھنا یا قبر پر خاموشی کے ساتھ کھڑے رہنا اور امام صاحب کا بلند آواز سے پڑھتے رہنا پھر فراغت پر چند سورتوں کو پڑھ کر امام صاحب دعا کرائیں اور سب لوگ قبلہ رخ کھڑے رہیں، کونسی شکل سنت ہے؟ اور امام کا اکیلا پڑھنا یا سب کا پڑھنا کون سا عمل مطابق شرع ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں دفن کے بعد امام کا باقاعدہ جہری دعا کرنا اور اس پر سب کا آمین کہنا اور اس عمل کو ضروری سمجھنا شرعاً بے اصل ہے، حاضرین کو اگر ایصالِ ثواب ہی کرنا ہو تو آہستگی کے ساتھ سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچائے، اور قبلہ رخ ہو کر سری دعا بھی کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۵۱ ڈابھیل)

قالت عائشة: ألا أحدثكم عني وعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قلنا: بلىٰ – الحديث بطوله – وفيه: ثم انطلقت على أثرهٖ حتى جاء البقيع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مراتٍ.

وفي شرح النووي لمسلم: قوله: ''جاء البقيع فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات" فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس في القبور. (صحيح مسلم مع شرح النووي على مسلم، كتاب الجنائز ١/٣١٣ تحت رقم: ٩٧٤)

وفي الحديث: وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرجه أبوعوانه في صحيحه. (فتح الباري شرح صحيح البخاري ١١/ ١٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۰ھ

تدفین کے بعد دعا کیلئے قبرستان میں رکنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا؟

سوال (۱۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ میت کو دفنانے کے بعد بغیر دعا کے قبرستان سے عوام ہی نہیں؛ بلکہ خواص بھی واپس آجاتے ہیں، اور صرف خاص رشتہ دار ہی رہ جاتے ہیں، جو قبر کو برابر کرکے اور دعا کرکے واپس ہوتے ہیں، اس وجہ سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دیوبندی ہیں اس لئے نہیں رکتے، تو دعا قبرستان میں کرنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبر کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دفن کے بعد دعا کے لئے رکنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ مستحب اور افضل ہے۔

اور قبرستان میں قبلہ رو ہوکر ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا درست ہے، ہاں اگر اس میں استمداد کا شبہ ہو یا تہمت کا اندیشہ ہو تو ایسا نہ کیا جائے۔

جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه. (درمختار مع الشامي ٢/ ٢٣٧ کراچی، ٣/ ١٤٣ زکریا، کذا في الفتاویٰ الهندية ١/ ١٦٦)

عن عثمان بن عفان قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم وسلوا له التثبيت، فإنه الآن يسئل.

(سنن أبي داؤد / باب الاستغفار عند قبر الميت في وقت الانصراف رقم: ٣٢٢١)

عن ابن شماسة المهري قال: حضرنا عمرو بن العاص رضي الله عنه وهو في سياقة الموت – الحديث بطوله – وفيه: فإذا دفنتموني فشنوا عليّ

التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم وأنظر ماذا أراجع به رسل أبي. (صحيح مسلم / كتاب الإيمان رقم: ١٢١)

وفي حديث ابن مسعود رضي اللّٰه عنه: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في قبر عبد اللّٰه ذي النجادين'' الحديث. وفيه: ''فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه". أخرجه أبوعوانه في صحيحه. (فتح الباري، الدعوت / باب الدعاء مستقبل القبلة ١١/ ١٤٤ رقم: ٦٣٤٣، فتاویٰ رحیمیه ٥/ ١٠٨، امداد الفتاویٰ ١/ ٧٣٠، احسن الفتاویٰ ٤/ ٢٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کے پاس منکر نکیر کے سوالات کے جوابات تلقین کرنے سے متعلق روایت کا حکم؟

سوال (۱۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: از مذاق العارفین ۴/ ۶۳۴: جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجائے اور تم اس کو مٹی دے چکو، تو چاہئے کہ تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو، اور یہ کہے کہ اے فلاں شخص فلاں عورت کے بیٹے! وہ سنے گا تو مگر جواب نہیں دے گا، پھر دوبارہ اسی طرح پکارا جائے تو وہ سیدھا ہوجائے گا، پھر تیسری مرتبہ اسی طرح پکارا جائے، تو وہ مردہ کہے گا کہ خدا تجھ پر رحم کرے، ارشاد کر! مگر اس کے اس جواب کو نہ سنو گے، پھر اس سے یہ کہے کہ یاد کر اس چیز کو جس پر تو دنیا سے اٹھا ہے، یعنی گواہی دے لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کی، اور یہ کہ تو اس بات پر راضی ہوا کہ تمہارا پروردگار اللہ ہے، اور تمہارا دین اسلام ہے، اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نبی ہیں، اور قرآن پاک ہمارا امام ہے، اگر تم اس کو سنادو گے تو منکر نکیر اس کے پاس سے ہٹ جائیں گے اور یوں کہیں گے کہ چلو یہاں سے ہم اس شخص کے پاس کیوں کر بیٹھیں اس کو تو حجت

سکھلادی گئی، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے جواب دے دے گا، ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہوتو آپ نے فرمایا کہ حضرت حوا علیہا السلام کے بیٹے یا بیٹی کہہ کر پکارو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ روایت حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے مجمع الزوائد ۳/۴۵ اور احیاء العلوم ۲/۲۷ میں منقول ہے، اس لئے کسی درجہ میں اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اسے لازم نہ سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ روایت کی سند چنداں مضبوط نہیں ہے؛ بلکہ جہاں لازم سمجھنے کا خدشہ ہو وہاں ترک ہی اولیٰ ہوگا۔ روایت درج ذیل ہے:

عن سعيد بن عبد اللّٰه الأودي قال: شهدتُ أبا أمامة الباهلي رضي اللّٰه عنه وهو في النزع، فقال: إذا أنا متُّ فاصنعوا بي كما أمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إذا مات أحد من إخوانكم فسوّيتُم التراب عليه، فليقم أحدكم على رأسه قبره، ثم ليقل: يا فلان بن فلان ابن فلانة! فإنه يسمع ولا يجيب، ثم يقول: يا فلان ابن فلانة! فإنه يستوي قاعدًا، ثم يقول: يا فلان ابن فلانة، فإنه يقول: أرشدنا – رحمك اللّٰه – ولكن لا تشعرون، فليقل: أذكر ما خرجت عليه من الدنيا، شهادة أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأن محمداً عبده ورسوله، وأنك رضيت باللّٰه ربًا وبالإسلام دينًا، وبمحمد نبيًا، وبالقرآن إمامًا، فإن منكراً ونكيراً يأخذ كل واحد منهما بيد صاحبه يقول: انطلق بنا ما نقعد عند من لُقِّنَ حجتُه، فيكون اللّٰه حجيجه دونهما، قال رجل: يا رسول اللّٰه! فإن لم يعرف أمه؟ قال: "فينسبه إلى حوَّاء يا فلان بن حواء". رواه الطبراني في الكبير وفيه من لم أعرفه جماعة. (مجمع الزوائد / باب تلقين الميت لا إله إلا الله ٣/٦٦ رقم: ٣٩١٨ الشاملة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۱/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تدفین سے قبل قبرستان میں کچھ دیر فکر آخرت کی بات کرنا؟

سوال (۱۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ کے علاقہ (شہر پرتاب گڈھ کے اطراف ودیہاتوں) میں عام طور پر نماز جنازہ اور تدفین کے دوران جو دس پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے، اس وقفہ میں کوئی عالم دین یا متدین قسم کا آدمی حاضرین کے سامنے عموماً موت، قبر، حشر، آخرت، جنت اور جہنم کے موضوع پر تھوڑی دیر تقریر کرتا ہے، اور عوام پر اس کا اثر بھی اچھا پڑتا ہے۔ کیا اس طرح قبرستان میں کچھ دیر دین کی باتیں بتلا دینا درست ہے؟ جب کہ اس طرح تقریر کو لازم اور ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے؛ کیوں کہ بہت سے جنازوں میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر تقریر نہ ہو تو کسی کو اشکال بھی نہیں ہوتا، کیا اس قسم کے عمل میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں بلا کسی التزام کے وعظ وتذکیر اور فکر آخرت کی انفرادی یا اجتماعی گفتگو کرنا بلا شبہ جائز اور پسندیدہ ہے، خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض موقعوں پر جنت البقیع میں قبر کی تیاری کے انتظار کے وقفہ میں برزخ اور آخرت کے احوال بالتفصیل بیان کرنے کا ذکر احادیث میں موجود ہے؛ تاہم اسے لازم نہ سمجھا جائے، اور اگر کوئی اس میں شریک نہ ہو تو اس پر نکیر نہ کی جائے۔

عن البراء بن عازب رضي اللّٰه عنه قال: خرجنا مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في جنازة رجل من الأنصار فانتهينا إلى القبر ولما يلحد فجلس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وجلسنا حوله كأنّ على رؤوسنا الطير، وفي يده عود ينكث في الأرض فرفع رأسه، فقال: استعيذوا باللّٰه من عذاب القبر مرتين، أو ثلاثا إلى آخر الحديث.

(مسند الإمام أحمد ٢٨٧/٤، المصنف لابن أبي شيبة ٢٨٤/٧، رقم الحديث: ١٢٦٤٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تدفین کے بعد عندالقبر معافی کا اعلان کرنا؟

سـوال (۱۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میت کو دفن کرنے کے بعد اعلان کرنا کہ تمام صاحبان ان کا کہا سنا معاف کردیں اور یہ معلن ورثہ کے علاوہ ہوتا ہے، کیا اس طرح کا اعلان صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس اعلان کو دینی حکم سمجھ کر لازم کرلینا صحیح نہیں؛ البتہ میت کو معاف کرنا مستحسن ہے۔

ویکرہ عند القبر ما لم یعهد من السنة. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر میں سوالات کے وقت میت کو شیطان سے بچانے کے لئے قبر پر اذان دینا؟

سـوال (۱۸۶): -کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتاب ﴿**جاء الحق وزهق الباطل**﴾ جلد اول ۲۹۶-۲۹۹ بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق میں، علامہ مولانا مفتی محمد یار خاں صاحب مرادآبادی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں:

إن الميت إذا سئل "من ربک" فبدا له الشيطان فيشير إلى نفسه إني أنا ربک، فلهٰذا أورد سوال التثبت لا حين سئل یعنی جب میت سے سوال ہوتا ہے، کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اپنی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں، مفتی علامہ یار خاں نے اوپر کی عربی عبارت سے ثابت کیا ہے کہ قبر میں شیطان داخل ہوتا ہے، اور اس کا ثبوت بھی پیش کیا ہے، اب ہمارا سوال یہ ہے کہ شیطان قبر میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ ہمارے فقہ حنفیہ میں لکھا ہے؟

لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہمیں شیطان قبر میں داخل نہیں ہوسکتا، اس کے دلائل فقہ حنفیہ اور مفتیان کرام کے فتاوی دیدیں۔

اسی کتاب کے ص:۳۰۳ سطر ۹ رمیں علامہ یارخاں صاحب فرماتے ہیں کہ: ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائزاور مستحب کہتے ہیں، تو یہ جائز اور مستحب کیسا ہے؟ وضاحت فرمادیں، اور شریعت مطہرہ میں یہ عمل کیسا ہے؟ اگر بدعت ہے تو کون سی بدعت اگر مکروہ ہے تو پھر کون سا مکروہ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر پراذان دینا بدعت ہے، یہ کسی روایت سے دور دور تک ثابت نہیں، اور آپ نے کتاب ''جاء الحق'' کے حوالہ سے جو روایت نقل کی ہے، یہ حکیم ترمذی کی کتاب ''نوادرالاصول'' سے ماخوذ ہے، یہ کوئی مرفوع حدیث نہیں؛ بلکہ حضرت امام سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے، اسے اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو اس میں اذان علی القبر کا کوئی ذکر نہیں؛ بلکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت شیطان میت کو بچلانا چاہتا ہے اور اس کا طریقہ خود پیغمبر علیہ السلام نے یہ بتایا ہے کہ میت کو دفن کرنے والے میت کے حق میں صحیح صحیح جواب دینے پر ثبات قدمی کی دعا کریں، جیسا کہ خود حضرت سفیان ثوریؒ کے قول میں صراحت ہے۔ پس اس مقصد کے لئے اذان دینے کا حکم کہیں بھی ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا قبر پر اذان دینا یقیناً کھلی ہوئی بدعت ہے، اس کا دین و مذہب اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں، اذان ایک مذہبی شعار ہے، جس کا مقصد نماز کے لئے دعوت دینا ہے غیر محل میں اذان کا استعمال پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

وفي الاقتصار علی ما ذکر من الوارد إشارة إلی أنه لایسن الأذان عند إدخال المیت في قبره کما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاویه أنه بدعة، ویکره النوم عند القبر وقضاء الحاجة؛ بل أولی وکل مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس إلا زیارتها، والدعاء عندها قائماً کما کان یفعل صلی اللّٰه علیه وسلم. (فتح القدیر ۲/۱٤۲)

فروي عن سفيان الثوري أنه قال: إذا سئل الميت من ربک فراء له الشيطان في صورة، فيشير إلی نفسه، أي أنا ربک فهذه فتنة عظيمة جعلها اللّٰه مکرمة للمؤمن إذا ثبته ولقنه الجواب، فلذلک کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يدعو الثبات فيقول: اللّٰهم ثبت عند المسائل منطقه وافتح أبواب السماء لروحه. (نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول للحكيم الترمذي ٢/ ٢٢١، فتاوی محموديه ١/ ١٩٦، فتاوی رحيميه ٦/ ١٩٧، أحسن الفتاوی ١/ ٣٣٧، عزيز الفتاوی ١٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا انبیاء سے قبر میں سوال وجواب ہوتا ہے؟

سوال (۱۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انبیاء علیہم السلام سے قبر میں سوال وجواب ہوتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شرح فقہ اکبر وغیرہ میں لکھا ہے کہ حساب وکتاب اور قبر میں سوال وجواب کے حکم سے سب ہی انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں، ان سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا ہے۔

واستثنی من عموم سوال القبر الأنبياء عليهم السلام والأطفال والشهداء ...... ففي الكفاية أن لا سوال للأنبياء عليه السلام....... (شرح الفقه الأكبر ١٢١، أشرفي بکڈپو ديوبند)

وقد قال النسفي في بحر الكلام: الأنبياء وأطفال المؤمنين ليس عليهم حساب ولا عذاب القبر ولا سوال منكر ونكير. (شرح الصدور للإمام السيوطي ١٠٠ قديم) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۵/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا قبر میں حضور علیہ السلام کا چہرہ انور دکھایا جائے گا؟

سوال (۱۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دکھایا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دکھایا جائے گا؛ لیکن اس دکھانے کی نوعیت کیا ہوگی، حتمی طور پر ہمیں معلوم نہیں۔

عن براء بن عازب رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک؟ فیقول: ربي اللّٰه، فیقولان له: ما دینک؟ فیقول: دیني الإسلام: فیقولان: ما هٰذا الرجل الذي بعث فیکم؟ فیقول: هو رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (مشکوٰۃ المصابیح ۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بزرگانِ دین اپنی قبروں میں زندہ ہیں؟

سوال (۱۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بزرگانِ دین اپنی قبروں میں زندہ ہیں یا نہیں؟ ہم قبرستان جاکر ان کو سلام کرتے ہیں، تو کیا وہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بزرگانِ دین اپنی قبروں میں دنیاوی حیات کی طرح زندہ نہیں ہیں؛ البتہ چوں کہ مردوں کی روحوں کا تعلق ان کی قبروں سے کسی حد تک باقی رہتا ہے، اس لئے قبروں پر جاکر سلام کرنا مسنون ہے، اور بعض روایات سے ان کا سلام کا جواب دینا بھی ثابت ہے۔

عـن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: مر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عـلى مصعب بن عمير حين رجع من أحد فوقف عليه وعلى أصحابه فقال أشهـد أنـكم أحياء عند اللّٰه فردوهم وصلوا عليهم، فوالذي نفس محمد بيده لا يسـلم عليهم إلا ردوا عليه إلى يوم القيامة. (الـمعجم الكبير ٢/ ٣٦٤ حديث: ٨٥٠، معجم الزوائد ٣/ ٦٠)

قـال ابن عبد البر: ثبت عن النبي ﷺ أنـه قـال: ما من مسلم يمر على قبر أخيـه كـان يعـرفـه فـي الـدنيـا فيسـلم عليه إلا رد اللّٰه عليه روحه حتى يرد عليه السلام. (كتاب الروح ٢٣)

عـن أبـي هـريـرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: إذا مر الرجل بقبر أخيه فسلم عـليـه رد عـليـه السلام وعرفه وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام. (كتاب الروح ٢٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۵/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر پر کتبہ لگانا اور پختہ قبریں بنانا

قبر پر کتبہ لگانے کا حکم؟

سوال (۱۹۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبر پر کتبہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر بقاء کی جگہ نہیں؛ بلکہ فنا کی جگہ ہے؛ لہٰذا اس پر باقاعدہ کتبہ لگا کر محفوظ کرنا روحِ شریعت کے خلاف ہے؛ اس لئے بعض احادیث میں کتبہ لگانے کی ممانعت آئی ہے، خاص کر موقوفہ قبرستانوں میں کتبہ لگانے سے وہ قبر کی جگہ ایسی متعین ہو جاتی ہے کہ سالوں کے بعد بھی وہاں دوسرے مردے کو دفنایا نہیں جا سکتا، اب اگر ہر شخص کو کتبہ لگانے کی اجازت دی جائے گی، تو بہت جلد قبرستان تنگ پڑ جائے گا، اس لئے عام اموات کے لئے کتبہ لگا کر قبر کو محفوظ کر دینا درست نہ ہوگا؛ البتہ اگر کوئی مقتداء شخص ہو جس کی قبر کی زیارت کے لئے متعلقین حاضر ہوتے ہوں تو اس کے لئے قبر پر کوئی نشانی بشمول کتبہ لگانے کی فقہاء نے اجازت دی ہے؛ لیکن وہ بھی کوئی لازم اور ضروری نہیں ہے۔ (فتاویٰ عبدالحیؒ ۲۳۰)

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نهیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن تجصیص القبور والكتاب فیها والبناء علیها والجلوس علیها. (المستدرك للحاكم ۱/۵۲۵ رقم: ۱۳۷۰)

عن المطلب قال: لما مات عثمان بن مظعون رضي اللّٰه عنه أخرج بجنازته، فدفن، فأمر النبي صلی اللّٰه علیه وسلم رجلاً أن یأتیه بحجر فلم یستطع حمله فقام

إليها رسول الله صلى الله عليه وسلم وحسر عن ذراعيه الخ، ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال: أتعلم بها قبر أخي وأدفن إليه من مات من أهلي. (سنن أبي داؤد ٢/٤٥٧)

وفي الظهيرية: ولو وضع عليه شيء من الأشجار أو كتب عليه شيء فلا بأس به عند البعض......الخ، والحديث المتقدم يمنع الكتابة فليكن المعول عليه، لكن فصل في المحيط، فقال: وإن احتيج إلى الكتابة حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن فلا بأس به، فأما الكتابة من غير عذر فلا. (البحر الرائق ٢/١٩٤ كوئٹہ، ٢/٣٤٠-٣٤١ زكريا)

ولا بأس أيضاً بالكتابة في حجر صين به القبر ووضع عليه لئلا يذهب الأثر فيحترم للعلم بصاحبه. (طحطاوي على المراقي، أحكام الجنائز / فصل في حملها ودفنها ٦١١-٦١٢ دارالكتاب، ٣٣٦ كراچی) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۵؍۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نام اور تاریخ وفات لکھ کر قبر پر کتبہ لگانا

سوال (۱۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں مؤرخہ ۲؍صفر المظفر ۱۴۲۲ھ کو مدرسہ رحمانیہ کے قرآنِ کریم کے استاذ حافظ محمد شفیع صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، حافظ صاحب کے کافی شاگرد ہیں، بہت سے بیرونی شاگرد ہیں، ان شاگردوں اور متعلقین کا خیال ہے کہ حافظ صاحب کی قبر پر کتبہ لگادیا جائے، جس میں صرف نام اور تاریخ وفات ہو، کیا یہ درست ہے، نیز ہمارے یہاں کا قبرستان موقوفہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علامت کے طور پر پتھر لگانا اور اس پر صرف نام تاریخ لکھنے کی گنجائش ہے؛ البتہ کتبہ کے لئے قبر کے اردگرد کو پختہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف

میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۰۹)

لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن– فإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف ويتقوى بما أخرجه أبوداؤد بإسناد جيد أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حمل حجراً فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون. (شامي ٣/ ١٤٤ زكريا، سنن أبي داؤد ٢/ ٤٥٧)

ويسن كتابة اسم الميت لا سيما الصالح ليعرف عند تقادم الزمان؛ لأن النهي عن الكتابة منسوخ كما قاله الحاكم أو محمول على الزائد على ما يعرف به حال الميت، وفي قوله: ’’يسن‘‘ محل بحث، والصحيح أن يقال: إنه يجوز. (مرقاة المفاتيح / باب دفن الميت ٤/ ١٦٦ تحت رقم: ١٧٠٩ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

قبر کی شناخت کے لئے پتھر لگانا؟

سوال (۱۹۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب عالم ہیں سہارن پور کے رہنے والے ہیں، قصبہ ڈھکہ ضلع امروہہ کے مشہور ومعروف ادارہ...... میں ملازم ہیں، مدرسہ میں ہی مدرسہ کی طرف سے رہائش گاہ کا نظم ہے، اس لئے مع اہل وعیال یہیں پر قیام رہتا ہے؛ لیکن وطن اقامت کے بطور نہ کہ وطن اصلی، اتفاق سے تقریبا ۱۰/ماہ پہلے موصوف تحریم کے فرزندان جمند کم وبیش ڈیڑھ ماہ علیل رہ کر ۸/سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہیں پر مدرسہ سے بالکل قریب قبرستان ہے، بالکل ہی متصل (صرف مکانات اور قبرستان کے درمیان ۵/فٹ راستہ ہے) ایک مخصوص خاندان کے قبرستان میں بعد اجازت تجہیز وتکفین عمل میں آئی، مدرسہ سے صرف آدھا منٹ کا راستہ ہے، اب

موصوف کا خیال یہ ہے کہ ہم یہاں پر پردیسی ہیں، ملازمانہ حیثیت سے مقیم ہیں اور ملازمت کی جڑ بھی بہت ہی کمزور ہوتی ہے، بالخصوص ہمارے مدارس کی، نہ معلوم کب جانا ہو جائے، اس لئے بطور نشان کے ایک کتبہ قبر پر لگا دیا جائے، جس پر مختصر تاریخ وفات وغیرہ مکتوبات ہو، بتلایا جائے کہ مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں کیا شرعاً اجازت ہے۔ بینوا توجروا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ضرورت محسوس ہو تو قبر پر کتبہ لگانے کی شرعاً گنجائش ہے اس سلسلے میں فقہی عبارات درج ذیل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۸/۱۹۸-۲۰۱، کفایت المفتی ۴/۳۹)

(۱) **لابأس بالكتابة أن احتيج إليها حتى لايذهب الأثر ولا يمتهن. (درمختار) فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها.** (شامي ۳/۱٤٤ زكريا)

(۲) **ولابأس أيضا بالكتاب في حجر صين به القبر ووضع عليه لئلا يذهب الأثر فيحترم للعلم بصاحبه ولا يمتهن.** (طحطاوي على المراقي ۳۳٦ كراچی)

(۳) **وفي الخزانة: لابأس بأن يوضع حجارة على رأس القبر ويكتب عليه شيء.** (مجمع الأنهر ۱/۱۸۷ بيروت)

(٤) **وإن كتب عليه شيئا أو وضع الأحجار لابأس بذلك عند البعض.**

(فتاوى قاضي خان ۱/۱۹٤)

(٥) **قيل: ويسن كتابة إسم الميت لاسيما الصالح ليعرف عند تقادم الزمان؛ لأن النهي عن الكتابة منسوخ كما قاله الحاكم، أو محمول على الزائد على ما يعرف به حال الميت، وفي قوله: ''يسن'' محل بحث والصحيح أن يقال: أنه يجوز.** (مرقاة المفاتيح ٤/٧٦)

(٦) **وفي الظهيرية: ولو وضع عليه شيء من الأشجار أو كتب عليه شيء فلا بأس به عند البعض لكن فصل في المحيط، فقال: وإن احتيج إلى الكتابة حتى**

لایذهب الأثر و لا یمتهن فلا بأس به. (البحرالرائق ۲/ ۳٤۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گنبدِ خضریٰ سے استدلال کرکے بزرگانِ دین کی قبروں کو پختہ بنانا

سوال (۱۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بزرگانِ دین کی قبروں کو پکا بنانا کیسا ہے؟ کیا اندر سے کچی اور اوپر سے پکی بنانا جائز ہے، یا کسی بھی طریقے سے پکی نہیں بنا سکتے؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پکی ہے، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں، کیا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ثبوت بنا کر بزرگوں کی قبروں کو پکا بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر تعمیر کرنے سے ممانعت فرمائی ہے؛ اس لئے کسی بھی مسلمان کی قبر کو پختہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، خواہ وہ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی قبریں کیوں نہ ہوں؛ بلکہ اولیاء اللہ کے معاملہ میں شریعت کا اور زیادہ خیال رکھنا چاہئے؛ کیوں کہ ان حضرات کی پوری زندگیاں سنت رسول اللہ کی اشاعت اور شریعت کی حفاظت میں گذری ہیں، اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی کچی ہی ہے پختہ نہیں ہے؛ البتہ چونکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا مدفن وہی جگہ بنتی ہے جہاں وہ دنیا سے پردہ فرماتے ہیں، اس لئے اس حکم کی تعمیل میں آپ کا روضۂ مبارکہ حجرۂ عائشہؓ میں بنایا گیا، جو پہلے ہی سے تعمیر شدہ تھا، گویا کہ آپ کی قبر اطہر پر دفن کے بعد تعمیر نہیں ہوئی؛ بلکہ پہلے سے بنی ہوئی تعمیر میں حسبِ حکم نبوی تدفین ہوئی ہے، اور آج روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر جو شاندار عمارت اور دیدہ زیب قبے بنے ہوئے ہیں، یہ سب اسی سابقہ تعمیر کی

تجدید کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی تعمیر ہجرت کے ٦٦٧ رسال بعد سے شروع ہوئی ہے، اور گنبدِ خضریٰ تو صرف دو صدی پہلے ۱۲۳۳ھ میں تعمیر کیا گیا ہے، دورِ اول میں ان کا وجود نہیں تھا، بہر حال یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس کو نظیر بنا کر بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کی قبروں کو پختہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يعقد عليه وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم ١/٣١٢، سنن أبي داؤد ٢/٤٦٠، سنن الترمذي ١/٢٠٣، سنن النسائي ١/٢٢، سنن ابن ماجة ١/١١٢)

يكره تطيين القبر من فوق أو تحت لما ورد إذا طين القبر لم يسمع صاحبه الأذان ولا الدعاء ولا يعلم من يزورة. (بذل المجهود ١٠/٥١٥)

ولا نرى أن يزاد على ما خرج منه ونكره أن يجصص أو يطين أو يجعل عنده مسجد أوعلم أو يكتب عليه، ويكره الأجر أن يبنى به. (كتاب الآثار للإمام محمد ٦١٦ رقم: ٢٥٦، حاشية الطحطاوي ٦١١)

إن القاسم بن محمد قال: رأيت قبر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأبي بكر وعمر مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء، أي مبسوطة بالرمال. (فتح الملهم ٢/٥٠٦)

فقال أبوبكر: إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ما قبض نبي إلا دفن حيث يقبض. (سنن ابن ماجة ١/١١٧)

وأما قبة الحجرة الشريفة المحاذية لها بأعلى سطح المسجد تميزا لها، فلم تكن قبل حريق المسجد الأول ولا بعده إلى دولة المنصور قلاوون الصالحي؛ بل كان قديما حول ما يواري الحجرة في سطح المسجد حظير من أجر مقدار نصف قامة تمييزاً لها عن بقية سطح المسجد حتى كانت سنة ثمان وسبعين وست مائة ٦٧٨هـ، فعمل هناك قبة مربعة من أسفلها مثمنة من أعلاها

خشب أقيمت رؤوس السواري المحيطة بالحجرة الشريفة في صف أسطوان الصندوق، وسمر عليها ألواح من خشب. (خلاصة الوفاء ۲/۱٦۳)

ثم زاد فيه السلطان قايتباي الأشرف المحمودي شيئا بسيطًا داخل الحجرة الشريفة لإقامة الدرابزين الأخضر الموجود عليه؛ لأن وذلک لوضع القبة الزرقاء عليه وزياته؛ لأن هي الممر العام في داخل الحجرات، وكان ذٰلک في عام ۸۸۸ هـ، ثم عمل السلطان محمود خان العثماني قبة أخرى على الحجرة الشريفة، ودهنها باللون الأخضر ولذلک أصبحت تسمى بالقبة الخضراء، وعمل لها قاعدة عظيمة في وسط المسجد الشريف النبوي أقامها عليها وهي فوق القبة الزرقاء، وكان ذلک في عام ۱۲۳۳ هـ. (تاريخ معالم المدينة المنورة قديما وحديثا ٥٧)

ولم يكن من هديه صلى اللّٰه عليه وسلم تعلية القبور ولا بناءها بآجر، ولا بحجر ولبن، ولا تشييدها، ولا تطيينها، ولا بناء القباب عليها، فكل هذا بدعة مكروهة مخالفة لهديه صلى اللّٰه عليه وسلم، وقد بعث علي ابن أبي طالب إلى اليمن ألا يدع تمثلا إلا طمسه، ولا قبر مشرفا إلا سقواه فسنته صلى اللّٰه عليه وسلم تسوية هذه القبور المشرفة كلها، ونهي أن يجصص القبر، وأن يبنى عليه، وأن يكتب عليه، وكانت قبور أصحابه لا مشرفة وملا لاطئة، وهكذا كان قبره الكريم وقبر صاحبيه، فقبره صلى اللّٰه عليه وسلم مسنم مبطوح ببطحاء العرصة الحمراء لا بنى ولا مطين، وهكذا كان قبر صاحبيه. (زاد المعاد ۱/۲٤۲، دارالعلم والمعرفة)

قال الإمام النوويؒ: ولما احتاجت الصحابة رضوان اللّٰه عليهم أجمعين والتابعون إلى الزيادة في مسجد رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم حين كثر المسلمون وامتدت الزيادة إلى أن دخلت بيوت أمهات المومنين فيه، ومنها حجرة عائشة رضي اللّٰه عنها مدفن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وصاحبيه

أبـي بـكـر وعمر رضي اللّٰه عنهما، بنوا على القبر حيطانا مرتفعة مستديرة حوله لئلا يظهر في المسجد فيصلي إليه العوام، ويؤدي إلى المحذور، ثم بنوا جدارين مـن ركـنـي الـقبـر الشـمـاليـين، وحـرفوهما حتى التقيا، حتى لا يتمكن أحد من استـقبال القبر. (جـامـع الـمهـلـكـات مـن الـكبـائر والمحرمات ١٦١٦، شرح نووي على صحيح مسلم ۱/۱۱ ۲۰، وكذا في وفاء الوفاء ٢/ ٥٤٤-٦٠٨، كتاب الفتاوى ٣/ ٢٣١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۶/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ نے زیادہ اُونچی قبر کوڈھانے کا حکم کیوں فرمایا؟

سوال (۱۹۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے ایک بالشت اونچی قبر کوڈھانے کا حکم فرمایا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیادہ اونچی قبر کوڈھانے کا حکم اس لئے فرمایا؛ تاکہ لوگ قبر کی تعظیم میں غلو نہ کرنے لگیں، حدیث کا یہ منشاء نہیں ہے کہ قبر بالکل زمین کے برابر ہو؛ بلکہ اونٹ کے کوہان کے بقدر قبر پر نشان بننا چاہئے؛ تاکہ اسی کا احترام کیا جاسکے۔

قـال فـي الـمـجـمـع: والـجمهور على أن ارتفاع المامور إزالته ليس هو التسـنيـم ولا ما يعرف به القبر كي يحترم، وإنما هو ارتفاع كثير تفعله الجاهلية فإن التسنيم صفة قبره صلى اللّٰه عليه وسلم. (بذل المجهود ١٠/ ٥٠٦ في تسوية القبر)

عـن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي رضي اللّٰه عنه: ألاَّ أبعثک على مـا بـعثني عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لا تدع تصالاً إلا طمسته، ولا قرباً مشرفاً إلا سويته ...... عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عـليـه وسلم أن يجصص القبر وأن يبنى عليه وأن يقعد عليه. (صحيح مسلم، مشكوٰة

المصابيح، كتاب الجنائز / باب دفن الميت ١٤٨)

قال الملا علي القاري في شرح: ولا قبراً مشرفاً هو الذي بنى عليه حتى ارتفع......ويستحب الهدم......قال في الأذهار: النهي عن تجصص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذٰلک وتجصيص وجهه والنهي في البناء للكراهة إن كان في ملكه، للحرمة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح / باب دفن الميت ١٧٧/٤ رقم: ١٦٩٦-١٦٩٧ رشيدية)

قال العلماء: يستحب أن يرفع القبر قدر شبر ويكره فوق ذٰلک، ويستحب الهدم، وقال ابن الهمام: هٰذا الحديث محمول على ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء العالي. (مرقاة المفاتيح ١٥٥/٤ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پکی قبریں بنانا جائز نہیں

سوال (۱۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اینٹ، سیمنٹ، ٹائلس، ماربل وغیرہ سے پکی قبریں بنانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کو کسی بھی طرح پختہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

قال في المجمع: والجمهور على أن ارتفاع المامور إزالته ليس هو التسنيم ولا ما يعرف به القبر كي يحترم، وإنما هو ارتفاع كثير تفعله الجاهلية فإن التسنيم صفة قبره صلى الله عليه وسلم. (بذل المجهود ٥٠٦/١٠ في تسوية القبر)

عن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي رضي الله عنه: ألَّا أبعثک على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا تدع تصالاً إلا طمسته، ولا

قرباً مشرفاً إلا سويته ...... عن جابر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يبنى عليه وأن يقعد عليه. (صحيح مسلم، مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز / باب دفن الميت ١٤٨)

قال الملا علي القاري في شرح: ولا قبراً مشرفاً هو الذي بنى عليه حتى ارتفع......ويستحب الهدم......قال في الأذهار: النهي عن تجصص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذٰلک وتجصيص وجهه والنهي في البناء للكراهة إن كان في ملكه، للحرمة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً.

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح / باب دفن الميت ١٧٧/٤ رقم: ١٦٩٦-١٦٩٧ رشيدية)

قال العلماء: يستحب أن يرفع القبر قدر شبر ويكره فوق ذٰلک، ويستحب الهدم، وقال ابن الهمام: هٰذا الحديث محمول على ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء العالي. (مرقاة المفاتيح ١٥٥/٤ بيروت)

ولا يجصص للنهى عنه ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء الخ. (درمختار مع الشامي ١٤٤/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبروں کو پختہ بنانا اور عورتوں کا قبرستان جانا؟

سوال (۱۹۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا ایک قبرستان ہے جس کی ہم نے چہار دیواری کر رکھی ہے، اس قبرستان میں بعض فقیروں نے کچھ قبروں کو پختہ کردیا ہے، اب وہاں عورتوں کی آمدورفت شروع ہوگئی ہے، اور طرح طرح کی خرافات اور بے ادبیاں جاری ہوگئی ہیں؛ لہٰذا سوال یہ ہے کہ قبرستان میں اس طرح عورتوں کا آنا جانا اور بدعت اختیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں کو پختہ بنانا بالکل جائز نہیں ہے، احادیثِ شریفہ میں اس کی ممانعت وارد ہے، اسی طرح عورتوں کا مزارات پر جانا بھی درست نہیں ہے، اس لئے ان بدعات کا قبرستان سے خاتمہ کرنا ضروری ہے، اپنے اثر کا استعمال کرتے ہوئے ایسی خرافات پر بند لگانے کی کوشش کریں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۱۸۶، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۰۸، شامی ۳/۱۵۱ زکریا)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعن زوّارات القبور، قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث حسن صحيح. وقد راٰى بعض أهل العلم أن هٰذا كان قبل أن يرخص النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخّص دخل في رخصته الرجال والنساء، وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن. (جامع الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء ۱/۲۰۳ كراچی)

والأصح أن الرخصة ثابتة لهن ...... وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۲/۲٤۲ كراچی)

واختلف المشائخ في زيارة القبور للنساء، قال شمس الأئمة: الأصح أنه لا بأس بها. (الفتاوىٰ الهندية ٥/٣٥٠ رشيدية، كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٦٢٠)

وحاصل الكلام من هٰذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء؛ بل حرام في هٰذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة.

(عمدة القاري، كتاب الجنائز / باب زيارة القبور ٨/٦٩ – ٧٠ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں پکی قبر بنانے سے روکنا؟

سوال (۱۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آئندہ کو قبرستان میں پکی قبر بنانے سے لوگوں کو روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکی قبر بنانے سے سخت منع فرمایا ہے، اسی لئے ضروری ہے کہ قبرستان میں پکی قبریں بنانے پر مکمل پابندی لگادی جائے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يعقد عليه وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم ۳۱۲/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پختہ قبر بنانے کی تجویز غیر شرعی ہے

سوال (۱۹۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبرستان کی مجلسِ منتظمہ نے ۴/ بائی ۸/فٹ زمین دینے اور ۳۷۸۶/روپیہ لینے کے بعد پختہ قبریں بنانے کی جو تجویز پاس کی ہے، وہ شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پختہ بنانے کی کوئی بھی اجرت مجلسِ منتظمہ کے لئے لینا ہرگز جائز نہیں ہے؛ البتہ کچی قبر بنانے پر واجبی قیمت لی جاسکتی ہے، اور موقوفہ قبرستان کی زمین دینے پر کسی قسم کی قیمت لینا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ زمین قبروں ہی کے لئے وقف ہے۔

بيع الوقف باطل. (شامي ۵۹۹/٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر شرعی فیصلہ کسی کے لئے جائز نہیں

سوال (۱۹۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مجلسِ منتظمہ قبرستان غیر شرعی امور پر فیصلہ لے سکتی ہے، اور ان حالات میں انتظامیہ کمیٹی کن احکام کے تحت اپنا کام انجام دے سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی مجلس منتظمہ کو شریعت کے خلاف فیصلہ لینے کا کوئی حق نہیں، اور ایسا کوئی بھی فیصلہ معتبر اور نافذ نہیں ہوگا۔

حکمه بخلاف نص وإجماع وهذا باطل. (شامي ٧٣٦/٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر کے متعلق غیر شرعی فیصلہ کو واپس لے لینا چاہئے

سوال (۲۰۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مجلس منتظمہ قبرستان غیر شرعی فیصلہ لے، تو کیا عوام کو اختیار ہوگا کہ اس کمیٹی کو برخاست کر کے دوسری نئی کمیٹی تشکیل دے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مجلسِ منتظمہ کوئی غیر شرعی فیصلہ کردے تو تنبیہ کے بعد اسے اس فیصلہ کو واپس لے لینا چاہئے اور خلافِ شریعت فیصلہ پر ضد نہیں کرنی چاہئے؛ تاکہ دوسری نئی کمیٹی تشکیل دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

عن النواس بن سمعان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (مشكوة المصابيح ٣٢١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مالک کی اجازت کے بغیر مملوکہ زمین میں دفن کرنا؟

سوال (۲۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں کے ایک شخص کی زمین ہے جس زمین میں کچھ قبریں ہیں اور اسی زمین میں عیدگاہ بھی ہے، اور زمین والے کا کہنا ہے کہ بغیر مجھ سے پوچھے کوئی دفن نہیں کرے وہاں یہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآنِ کریم وحدیث شریف کی روشنی میں جواب دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زمین میں مردہ دفن کرنا درست نہیں؛ بلکہ گناہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۹۰)

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً، زيلعي. (الدر المختار / باب الجنائز ۲/۲۳۸ کراچی)

إذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت وإن شاء سوى الأرض وزرع فيها. كذا في التجنيس.

(الفتاویٰ الهندية ۱/۱۶۷، ۱/۵۸۸ زکريا، مجمع الأنهر ۱/۲۷۶ بيروت)

قال رحمه اللّٰه: إلا أن تكون الأرض مغصوبةً، فيخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زراعة أو غيرها. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / الجنائز ۱/۵۸۸ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زبردستی کسی غیر کی زمین میں اپنی میت دفن کرنا؟

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کافی عرصہ گذرا کہ ہمارے باپ دادا حضرات پانچ خاندان پر مشتمل تھے، انہوں نے مل کر زمینیں خریدی، ایک رقبہ تقریباً ڈھائی بیگھہ زمین کا بیع نامہ ہے، اور دوسری زمین تقریباً تین بیگھہ کا بیع نامہ ہے، ان بیع ناموں میں ان پانچ خاندان کے حضرات کے نام درج ہیں، یہ زمین ہمارے خاندان والوں نے اپنی کمائی سے خریدی تھی، اس میں کسی اور شخص کی رقم یا کوئی چندہ کی رقم شامل نہیں تھی، اس طرح یہ پانچ خاندان کے حضرات ان زمینوں کے مالک چلے آرہے ہیں، ان زمینوں میں ان حضرات نے آم کے باغات لگائے جو آج تک ہیں، کچھ زمین میں کاشت بھی ہوتی تھی، اس سب زمین دارے کی آمدنی یہی پانچ خاندان کے حضرات حاصل کرتے چلے آرہے ہیں؛ کیوں کہ یہ مالک ہیں، نمبرایک زمین جس کا رقبہ ڈھائی بیگھہ ہے، اس میں ہمارے خاندان والوں نے اپنے گھرانے کی میتوں کو بھی دفن کیا ہے، اب ہمارے شہر میں باہر سے آنے والی ہماری برادری کے بہت سے لوگ آ کر آباد ہوگئے ہیں، انہوں نے بھی اس جگہ میں اپنی میتوں کو دفن کرنا شروع کردیا ہے، جو ہماری بغیر اجازت کے دفن کیا ہے، ہمارے کسی آدمی نے ان کو کوئی اجازت نہیں دی، مگر دفنانے کا سلسلہ آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے، اس کے بعد ہم نے کوئی روک ٹوک بھی نہیں کی، ہماری اس خاموشی کی وجہ سے ان غیر لوگوں نے جو پانچ خاندان کے علاوہ ہماری برادری ہے، اس دوسری زمین جس کا رقبہ تین بیگھہ ہے، یہ زمین ۳/ کہلاتی ہے، اس زمین میں بھی اپنی میتوں کو دفنانا شروع کردیا، تو ہم نے اس پر زبردست روک لگادی، تو ان لوگوں نے زبردستی میتوں کو دفن کیا، اور یہ حرکت بھی کی کہ کچھ نقلی قبریں بنادی، اور کچھ پختہ قبریں بھی بنادی، اور یہ کام سب زبردستی اور پولیس کی مدد سے کئے گئے ہیں، اس زمین میں جو نمبر ۳/ ہے، اس میں ہماری کوئی میت دفن بھی نہیں ہے، یہ ہماری زمین صرف ذاتی استعمال کے لئے ہے، یہ ذاتی ملکیت کھانے کمانے کے لئے ہے، جب ہم نے اپنی زمین پر جو نمبر ۳/ ہے، روک لگادی، تو ان حضرات نے جو پانچ خاندانوں کے علاوہ ہیں، ہمارے پانچوں خاندان والوں پر سرکاری عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، اور کہا کہ یہ سب زمین قبرستان ہے، اور وقف بھی ہے، ہم نے عدالت کو یہ ثابت کردیا کہ یہ دوسری

زمین نمبر۳ راس میں ہماری کوئی میت کبھی دفن نہیں ہوئی ہے، یہ ہماری ذاتی استعمال کھانے کمانے کی جگہ ہے، یہ قبرستان نہیں ہے، اور نہ یہ وقف ہے، اور نمبر ایک زمین بھی وقف نہیں ہے، اور نہ وہ قبرستان؛ بلکہ اب ہم نے اس نمبر ایک زمین کو قبرستان تسلیم کرلیا ہے، اور یہ دوسری زمین جس کا رقبہ تین بیگھہ ہے، یہ ہماری ذاتی ملکیت کھانے کمانے کے لئے ہے، سرکاری عدالت کو ثابت کر دیا اور مقدمہ جیت لیا ہے، تمام سرکاری کاغذات ہمارے پاس موجود ہیں، مگر اس کے باوجود یہ ہماری برادری کے لوگ علاوہ پانچ خاندانوں کے ہمارے ساتھ برابر جھگڑا کر رہے ہیں، اور زبردستی میت کا دفنانا جاری ہے، اور ہم اس کے کچھ حصہ میں عمارت بنانا چاہتے ہیں، مگر وہ سب رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، کیا اس طرح زبردستی میتوں کا دفن کرنا جائز ہے، اور زبردستی کسی ذاتی ملکیت پر قبضہ جمانا اور زبردستی کا قبرستان بنانا جائز ہے، ان تمام زمینوں کا سرکاری لگان بھی ان پانچ خاندانوں کے افراد نے ہی ادا کیا ہے۔

(۱) کیا زبردستی غیروں کی جگہ پر میت کا دفن کرنا جائز ہے؟

(۲) زبردستی جو قبریں بنائی گئی ہیں، کیا مالک زمین ان قبروں کو مٹا سکتا ہے یا منہدم کر کے ان کو بالکل ختم کر کے اپنے استعمال میں یا اس پر تعمیرات کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبردستی بلا اجازت کسی غیر کی زمین میں میت دفن کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: من أخذ من الأرض شبرًا بغير حقه طوقه من سبع أرضين يوم القيامة. (رواه أحمد ۲/ ۳۸۷)

(۲) زبردستی جو قبریں بنادی گئی ہیں تو زمین مالک کو ان کے بارے میں اس بات کا اختیار ہے کہ خواہ ان قبروں کو باقی رکھے یا قبروں کے بوسیدہ اور پرانی ہونے کے بعد ان کو منہدم و مسمار کر کے زمین کو اپنے کسی بھی استعمال میں لے آئے۔

ويخير مالک بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز ذرعه والبناء عليه

إذا بلی (أي بلی المیت) وصار تراباً، زیلعي. (درمختار مع الشامي ۳/ ۱٤٥ زکریا)

ولا یخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي کأن تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة، ویخیّر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض، کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار تراباً، زیلعي. (الدر المختار / باب الجنائز ۲/ ۲۳۸ کراچی)

إذا دفن المیت في أرض غیره بغیر إذن مالکها فالمالک بالخیار إن شاء أمر بإخراج المیت وإن شاء سوی الأرض وزرع فیها. کذا في التجنیس. (۱/ ۱٦۷، زکریا ۱/ ٥۸۸، مجمع الأنهر بیروت ۱/ ۲۷٦)

قال رحمه اللّٰه: إلا أن تکون الأرض مغصوبةً، فیخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زراعة أو غیرها. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة / الجنائز ۱/ ٥۸۸ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۵ھ

بلا اجازت غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنے والوں کا حکم؟

سوال (۲۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زبردستی میتوں کو دفن کرنے والے (وارث میت) کو کوئی وعید یا گناہ ہے، تو کیا گناہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جو لوگ غیر کی زمین میں مردے دفن کرنے پر مصر ہیں وہ شرعاً غاصب کے درجہ میں ہیں، جن کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کو ایک بالشت زمین پر بھی ناجائز قبضہ جمایا، تو روز قیامت ساتوں زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دی جائیں گی؛ اس لئے ان لوگوں کو اس عمل سے باز آجانا چاہئے۔

عن أبي هریرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: من أخذ من الأرض شبرًا بغیر حقه طوقه من سبع أرضین یوم القیامة. (رواه أحمد ۲/ ۳۸۷)

وأخـرج الـبـخـاري ومسـلـم نحوه عن عائشة مرفوعاً. (صحيح البخاري رقم: ٢٤٥٣، صحيح مسلم ٢/٣٢ رقم: ١٦١٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۵ھ

کیا زبردستی غیر کی زمین میں دفن کرنے سے میت کو عذاب زیادہ ہوتا ہے؟

سوال (۲۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زبردستی غیر کی جگہ پر میت کو دفن کرنے سے کیا میت کو کوئی عذاب یا قبر کی سختی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض غیر کی زمین میں میت کو بلا اجازت دفن کردینے کی وجہ سے میت پر کوئی عذاب وسختی نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۵/۳۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۵ھ

حکومت سے قبرستان میں جگہ حاصل کرنے کے لئے نعش کو بیچ سڑک پر کر دفن کرنا؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر پونہ میں ایک علاقہ کونڈ وا کے نام سے معروف ہے، یہاں مسلمانوں کی آبادی کثیر ہے؛ لیکن آبادی کے تناسب سے کوئی ایسا بڑا قبرستان نہیں ہے جہاں مسلمان اپنے مردوں کی تدفین کا کام آسانی سے انجام دے سکیں، ایک انتہائی چھوٹا سا قبرستان ہے؛ لیکن وہ قانونی نہیں ہے، بس وہاں دفن کرتے چلے آرہے ہیں، وہ کبھی بھی ختم کیا جاسکتا ہے، جس کے نتیجے میں سخت مشکلات ودشواریاں درپیش ہیں، مسلمان اپنے مردوں کی تدفین انتہائی دور دراز کے علاقوں میں کرنے پر

مجبور ہیں، قبرستان کی جگہ کے حصول کے لئے وارڈ کے غیر مسلم کارپوریٹرس بھی مسلمانوں کا بھرپور تعاون کررہے ہیں؛ لیکن حکومت قبرستان کے لئے جگہ دینے میں ٹال مٹول اور ظلم سے کام لے رہی ہے، اس ظلم اور ٹال مٹول کو ختم کرنے اور قبرستان کی جگہ کے حصول کے لئے ایک موثر تدبیر اہلیان کونڈ وا کے ذہن میں ہے، وہ تدبیر یہ ہے کہ ''مسلمان بڑی تعداد میں ایک جنازے کو لے کر کونڈ وا کی شاہراہ عام پر پہنچ جائیں اور بیچ سڑک پر قبر کھود کر مردے کو قبر میں اتار دیں، اور یہ کہا جائے کہ چونکہ ہمارے پاس قبرستان کے لئے جگہ نہیں ہے؛ اس لئے ہم اپنے مردوں کو سڑک ہی پر دفن کریں گے''، اس موقع پر پولیس اور حکومت کے افسران بھی پہونچ جائیں گے اور حکومت مسلمانوں کے لئے قبرستان کی جگہ کی فوراً منظوری دیدے گی، اور مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ مسلمان اپنے مردے کو سڑک پر دفن نہ کریں، ایک صورت اس معاملہ کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مسلمان سڑک پر کھودی گئی قبر میں کسی حقیقی مردے کو نہ اتاریں؛ بلکہ مصنوعی طور پر کسی چیز کا مردہ بنالیں اور اسے ہی قبر میں دفن کریں، اس پورے عمل میں وارڈس کے غیر مسلم کارپوریٹرس کا مسلمانوں کو پورا پورا تعاون حاصل رہے گا، اور وہ لوگ بھی اس عمل میں شریک رہیں گے؛ لیکن یہ حضرات اپنے طور پر کرنا نہیں چاہتے ہیں کہ مبادا ہم مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ایک کام کریں اور مسلمان ہی ہمیں بدنام کریں کہ ہم نے ایک مسلم مردے کی توہین کی ہے، یہ تدبیر انتہائی موثر ہے، اور حکومت اسی موقع پر فوراً قبرستان کی جگہ دینے پر آمادہ ہوجائے گی، تو کیا مسلمان اپنے حق کو حاصل کرنے اور ظلم واستحصال سے تحفظ کی خاطر اس تدبیر کو اختیار کرسکتے ہیں؟ کیا ''الضرورات تبيح المحظورات'' المشقة تجلب التيسير، اورإذا ضاق الأمر اتسع، نیزاعلم أن الكذب قد يباح ويجب الضابط فيه كما في تبيين المحارم وغيره عن الإحياء ان كل مقصود محمود يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعا، فالكذب فيه حرام وإن أمكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيده. جیسی عبارتوں سے اس کا جواز نکل سکتا ہے، اس سلسلے میں حکم شرعی کو جلد از جلد واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے لئے زمین مہیا کرنا خود مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، حکومت اگر اس سلسلہ میں تعاون کرے تو یہ اس کی طرف سے تبرع ہے؛ لہٰذا حکومت سے حکمت عملی اور حسن تدبیر سے قبرستان کے لئے جگہ مقرر کرنے کی اپیل کی جاسکتی ہے؛ لیکن اس پر بے جا دباؤ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ مسلمانوں کے آپسی تعاون سے مشترکہ قبرستان بنانا چاہئے، بالخصوص سوال میں حکومت سے مطالبہ کی جو تدبیر لکھی گئی ہے کہ نعش کو بیچ سڑک میں دفن کیا جائے یہ فتنہ انگیز اور اشتعال آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرح سے میت کی سخت بے حرمتی بھی ہے، اور اگر نعش کے بجائے مصنوعی طور پر مردہ بنا کر دفن کریں تو یہ دھوکہ اور فریب ہے، اس طرح کی باتیں ہرگز درست نہیں ہیں۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ. (سنن الترمذي، كتاب الجنائز / باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها ٢٠٣/١ رقم: ١٠٥٨)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه يقول: لأن أطأ على جمرة أحب إلي من أن أطأ على قبر رجل مسلم. (المعجم الكبير للطبراني ٣٢١/٩ رقم: ٩٦٠٥)

المستفاد من هذه العبارات: ولا يخرج منه بعد إهالة التراب ...... فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب. (الدر المختار مع الشامي زكريا ١٤٥/٣)

لا ينبغي إخراج الميت من القبر بعد ما دفن. (الفتاوىٰ الهندية ١٦٧/١)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضي عليه حاجته. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٧٣/٣ رقم: ٣٧٤٠ زكريا)

وكره وطئها بالأقدام. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٣٤٢) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حادثاتی اموات اور شہید کے احکام

شہید کے ایک سال بعد مرنے والے کا شہید سے پہلے جنت میں داخل ہونا

سوال (۲۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فضائلِ اعمال میں میں نے ذیل میں درج شدہ ایک حدیث پڑھی کہ شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوگئے، جب کہ میں نے سنا ہے کہ قبر سے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور حشر میں جس کو ہونا ہوگا، پھر حوض کوثر کے پاس جائیں گے، پھر پل صراط سے پار ہونگے، تب جنت میں جائیں گے، تو یہ بتایا جائے کہ کیا کچھ لوگ ان مراحل سے پہل بھی جنت میں جاچکے۔ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ان میں ایک صاحب جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا، ان شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوگئے، تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے، وہ پہلے جنت میں داخل ہوئے، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا ان کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہوگئیں، ایک رمضان المبارک کے پورے روزے بھی ان کے زیادہ ہوئے، اور چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں ان کی بڑھ گئیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ حشر کا میدان قائم ہونے سے پہلے بھی کچھ لوگ جنت میں جو گئے ہیں، ان کو پل صراط اور حشر کے مراحل سے بری رکھا جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنت میں داخلہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) روح کا بدن

کے ساتھ جنت میں داخل ہونا، یہ داخلہ حشر ونشر اور پل صراط کے مرحلہ سے پہلے نہیں ہوسکتا اور اس داخلہ کے بعد پھر کبھی جنت سے باہر نکلنا نہ ہوگا۔

(۲) صرف روح کا جنت میں کسی خاص انداز میں داخل ہونا، اس طرح کے داخلہ کا ثبوت شہداء اور نیک لوگوں کے لئے بعض احادیث سے ثابت ہے، اور شرعی اعتبار سے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لما أصيب إخوانكم بأحد جعل اللّٰه تعالى أرواحهم في أجواف طير خضر ترد أنهار الجنة وتأكل من ثمارها....... (جامع الأحاديث ٩٣/٥، مسند أحمد ٢٦٦/١ رقم: ٢٣٨٨)

فيعاد الجسد إلى ما بدأ منه من التراب، وتجعل روحه في النسيم الطيب وهو طير خضر تعلق في شجر الجنة. (شرح الصدور ٨٨)

وقد أخرج مسلم حديثا طويلاً بسنده في باب إثبات رؤية اللّٰه تعالىٰ للمؤمنين يوم القيامة، عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه مرفوعاً...... فيه: ثم يضرب الجسر على جهنم – إلى قوله – فيمر المؤمنون كطرف العين وكالبرق وكالريح والطير وكأجاويد الخيل والركاب، فناج مسلم ومخدوش مرسل ومكدوس في نار جهنم حتى أخلص المؤمنون من النار. (صحيح مسلم، الإيمان / باب معرفة طريق الرؤية ١٠٢/١ رقم: ٣٠٢) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

موذی جانور کا ڈسا ہوا انسان آخرت میں شہید ہوگا

سوال (۲۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: جو ظالم جانور ہیں جیسے سانپ، بچھو، شیر وغیرہ تو ان موذی جانوروں کے کاٹ لینے سے بعض

دفعہ آدمی مرجاتا ہے، تو کیا وہ شہیدوں میں شمار کیا جائے گا، آج کل کے کچھ لوگ اس قسم کے فتوے دیتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص پر دنیا میں شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے؛ البتہ آخرت کے اعتبار سے وہ شہید ہوگا۔

أو بافتراس السبع ...... أو لدغته هامة. (شامي ۲/ ۲۵۲ کراچی، ۳/ ۱٦٥ زکریا، کذا في حاشية الطحطاوي علی مراقي الفلاح / باب أحکام الشهيد ۱/ ٤۱٥ مصر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۳/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

کیا فسادات میں موقع پر دم توڑنے والا شہید ہے؟

سوال (۲۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسے پرفتن دور میں جو مسلمان شہید کیا جارہا ہے، اگر وہ شہید مسلمان اور فاسق بے نمازی ہو، تو اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ نیز کفن کا کیا مسئلہ ہے؟ بہت سی لاشیں بمبئی آرہی ہیں، بغیر کفن کے دفن کردیں، یا باقاعدہ غسل وکفن دے کر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسلمان فرقہ وارانہ فسادات میں اپنے جان ومال کا دفاع کرتے ہوئے ظلماً قتل ہوجائیں تو ایسے لوگ شہید ہیں، انہیں غسل نہ دیا جائے؛ بلکہ صرف کفن پہنا کر دفن کردیا جائے گا، جزئیات سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔

یہ حکم اس شہید کا ہے جو موقع پر ہی دم توڑ جائے، اگر وہ زخمی رہ کر کچھ وقفہ کے بعد مرا ہے تو اسے غسل بھی دیا جائے گا۔

عن سعيد بن زيد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله أو دون دمه أو دون دينه فهو شهيد. (سنن أبي داؤد،

كتاب السنة / باب في قتال اللصوص ۳۰۹/۲)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من قتل دون مظلمة فهو شهيد. (مسند الإمام أحمد ۳۰۱/۱ رقم: ۲۷۷۵)

وزاد في المحيط سبباً رابعاً: وهو من قتل مدافعاً ولو عن ذمي فإنه شهيد.

(شامي ۲۴۹/۲ كراچی، ۱۶۰/۳ زكريا)

فلو أرتث غسل. (درمختار / باب الشهيد ۲۴۹/۲ كراچي)

هو (أي الشهيد) من قتله أهل الحرب والبغي......قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لو مات حتف أنفه أو تردى من موضع، أو احترق بالنار، أو مات تحت هدم أو غرق، لا يكون شهيداً: أي في حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء. (البحر الرائق / باب الشهيد ۳۴۳/۲ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

کیا فسادات میں مرنے والے مسلمان شہید ہوتے ہیں؟

سوال (۲۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ فسادات مثلاً بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر یا اسی طرح بمبئی کے حالیہ فسادات میں مرنے والے تمام مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسلمان فساد کی ابتداء کریں اور قوانین حکومت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مارے جائیں انہیں شہید نہیں کہا جائے گا، ہاں اگر فساد کی ابتداء غیر مسلموں نے کی ہو اور ظلم کا تحقق ان کی طرف سے ہوا ہے، پھر مسلمان اپنی جان ومال کا دفاع

کرتے ہوئے جان بحق ہوجائیں تو انہیں شرعاً شہید کہا جائے گا، اور جو مسلمان کسی طرح کی فساد انگیزی میں شریک نہ ہوں اور ان کے گھروں میں گھس کر انہیں ظلما مارا جائے تو وہ یقیناً شہید ہوں گے، اکثر فسادات میں مرنے والے لوگ اسی قسم کے ہوتے ہیں۔

وکذا یکون شهیداً لو قتله باغٍ أو حربي أو قاطع طریق. (درمختار مع الشامي ۱٦۰/۳ زکریا)

ودخل فیه المقتول مدافعاً عن نفسهٖ أو ماله أو المسلمین أو أهل الذمة فإنه شهید. (کذا في الشامي کراچی ۲٤۸/۲، کفایت المفتي ۱۸٥/٤)

قتل ظلماً بغیر حقٍ (درمختار) وقید بالقتل لانه لو مات حتف انفهٖ او ابترد او حرق او غرق او هدم لم یکن شهیداً فی حکم الدنیا وان کان شهید الاٰخرة کما سیأتی، وبقولهٖ ظلماً لما یأتی من انه لو قتل بحد او قصاصٍ مثلاً لا یکون شهیداً فیغسل. (شامي ۱٥۹/۳ زکریا، البحر الرائق / باب الشهید ۳٤۳/۲ رشیدیة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۴/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عالم برزخ میں شہداء کے لئے رزق کا انتظام

سوال (۲۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہداء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں قرآن میں ہے کہ ان کو رزق دیا جاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان کو رزق کہاں سے دیا جاتا ہے اور کیا دیا جاتا ہے، اور کیا دیگر نیک مردوں کو بھی رزق دیا جاتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شہداء کے بارے میں احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے بعد ان کی ارواحِ طیبہ کو ہرے پرندوں کے پپوٹوں میں منتقل کردیا جاتا ہے، اور ان پرندوں کو جنت میں جانے آنے اور کھانے پینے کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے، اور یہ عرش خداوندی سے لٹکی ہوئی

قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں، اس طرح شہداء کے رزق کا انتظام ہوتا ہے اور دیگر مؤمنین کے لئے اس انداز کی زندگی اور رزق کا ثبوت نہیں ہے؛ البتہ ان کے لئے قبر میں راحت کا انتظام ثابت ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لما أصيب إخوانكم بأُحد جعل اللّٰه أرواحهم في جوف طير خضر ترد أنهار الجنة تأكل من ثمارها، وتأوِي إلى قناديل من ذهب معلقة في ظل العرش، فلما وَجَدُوْا طيبَ مأكلهم ومشربهم ومقيلهم، قالوا: من يبلّغ إخواننا عنا إنّا احياء في الجنة نرزق لئلا يزهدوا في الجهاد ولا ينكلوا عند الحرب؟ فقال اللّٰه سبحانه: أنا أبلغهم عنكم، فأنزل اللّٰه تعالى: ﴿وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا﴾ (سنن أبي داؤد ۱/۳٤۱ رقم: ۲٥۲۰، مسند أحمد ۱/۲٦٦ رقم: ۲۳۸۸، جامع الأحاديث ٥/۹۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مفقود الخبر کو شہید کہنا؟

سوال (۲۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مفقود الخبر کو شہید کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک مذکورہ شخص کی موت کے بارے میں علم نہ ہوجائے، اس وقت تک ان کے متعلق شہید ہونے یا نہ ہونے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

وأما حكمه ما ذكر محمد رحمه اللّٰه في الكتاب أنه يعتبر حيا في حق نفسه، ولا يحكم القاضي في شيء من أمره حتى يثبت موته أو قتله. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥/٦١١، الفتاویٰ الهندية ۲/۲۹۹، إعلاء السنن ۳/۳۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پوسٹ مارٹم کرنا؟

سوال (۲۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل لوگ گولی مارکر قتل کردیئے جاتے ہیں، ان کی لاش کا اسپتال میں پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، جس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ جسم پر کتنی گولیاں ماری گئی اور کہاں کہاں ماری گئیں، پوسٹ مارٹم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاش کو برہنہ کرکے میز بر ڈال دیتے ہیں پھر ڈاکٹر آ کر اس کا معائنہ کرتا ہے، عورت اور مرد دونوں کا پوسٹ مارٹم اسی طرح ہوتا ہے، کیا شریعت میں یہ پوسٹ مارٹم جائز ہے؟ جبکہ لاش کے وارث منع کرتے ہیں کہ ہم پوسٹ مارٹم نہیں کرائیں گے، ایک تو ظلم کہ فائرنگ کرکے قتل کیا اور پھر ظلم قتل کے بعد پوسٹ مارٹم کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام کی نظر میں انسان کا جسم ہر حالت میں قابل تکریم ہے خواہ زندگی میں ہو یا زندگی کے بعد، بریں بنا انسانی لاش کا پوسٹ مارٹم اصولی طور پر اسلامی شریعت کی نظر میں ناجائز ہے، اس لئے وارثین کو چاہئے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو حادثاتی اموات میں اپنے مرحوم عزیز کی لاش کو پوسٹ مارٹم سے بچانے کی کوشش کریں؛ البتہ اگر کوئی قانونی مجبوری یا مصلحت ہو مثلاً قتل کی وجہ سے مشتبہ ہو اور تحقیق کے لئے پوسٹ مارٹم ناگزیر ہو، یا سرکاری انتظامیہ پوسٹ مارٹم کرنے پر بضد ہو اور وارثین کی بات نہ مانے، تو ایسی صورت میں میت کے وارثین سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔ (کتاب المسائل ۲/۶۴، کفایت المفتی مبوب ۴/۲۰۱)

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تبرز فخذك، ولا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت. (سنن أبي داؤد ۲/۴۴۸)

والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته. (فتح القدير ۶/۴۲۶)

لا يجوز بيع شعر الآدمي والإنتفاع به، ولا شيء من أجزائه؛ لأن الآدمي مكرم غير منبذل، فلا يجوز أن يكون شيئا من أجزائه مهانا متبذلا. (مجمع الأنهر ۳/۸۵)

الإنتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنجاسة وقيل: للكرامة هو **الصحيح.** (الفتاویٰ الهندية ٥/٣٥٤، شامي ١٤٥/٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۴ھ

پوسٹ مارٹم کے بعد دوبارہ غسل دینا؟

سوال (۲۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص ایسی حالت میں مرے کہ اس کے پوسٹ مارٹم کی ضرورت پیش آجائے اور پوسٹ مارٹم کرنے والا مسلمان ہو، اور وہ پوسٹ مارٹم سے پہلے اس میت کو غسل دیدے تو پوسٹ مارٹم کے بعد اس غسل کا اعادہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ کیا وہی غسل کافی ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلمان پوسٹ مارٹم کرنے والے نے اگر شرعی طور پر غسل دیا ہے تو پوسٹ مارٹم کے بعد دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں، پہلے دیا ہوا غسل کافی ہوجائے گا۔

المستفاد: عن ابن سيرين مثله قال هشام وقال الحسن: يغسل ثلاثاً، فإن خرج شيء غسل ما خرج ولم يزد على الثلاث. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الجنائز / باب عصر الميت ٤٠٤/٣، رقم: ٦٠٩٦، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز / ما قالوا في الميت يخرج منه ١٣٦/٧-١٣٧ رقم: ١١٠٣٦-١١٠٤٠)

وإذا غسل الميت ثم خرج منه شيء لا يعاد الغسل ولا الوضوء عندنا، ولكن يمسح ما سال ويكفن. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٢/٣ رقم: ٣٦٠٣ زكريا)

فإن خرج منه شيء غسله ولا يعيد غسله ولا وضوءه. (هداية ١٧٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈاکوؤں کے ہاتھوں ظلما مقتول کا حکم؟

سوال (۲۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کو ڈاکوؤں نے پتھر اور لوہے کے بانٹ وغیرہ سے مارا، مارنے کے بعد پولیس آ گئی تو وہ نیم مردہ تھا، کچھ سانس باقی تھی، اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ ہی کوئی علاج ہوسکا اور نہ ہی ہوش تھا اور انتقال کر گیا، تو یہ شخص شہید ہوگا یا نہیں؟ اگر شہید ہوگا تو کیا احکامات جاری ہوں گے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ شخص کو چوں کہ نامعلوم قاتلوں نے ظلماً قتل کیا ہے اور بے ہوشی کی حالت میں اسے جائے واردات سے اٹھایا گیا ہے؛ اس لئے اس پر شہید حقیقی کے احکامات جاری ہوں گے، یعنی اسے غسل اور کفن دیئے بغیر صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا؛ کیوں کہ فقہ کی رو سے جس مقتول پر شہید کا اطلاق کیا جاتا ہے، اس کا دنیوی حکم یہ ہے اسے غسل وکفن کے بغیر دفن کیا جائے۔ اور شہید قرار دینے کے لئے دو اہم شرطیں ہیں: اول یہ کہ اسے ظلماً قتل کیا گیا ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اس قتل کی وجہ سے دیت یا قسامت واجب نہ ہو؛ کیوں کہ دیت وقسامت ایک طرح بعد القتل انتفاع وارتثاث کی صورت ہے، جس کی بنا پر دنیوی اعتبار سے شہید کے احکامات موقوف ہوجاتے ہیں۔

اور درمختار وغیرہ کی عبارات: ویغسل من وجد قتیلا في مصر الخ وغیرہ سے اشتباہ نہیں ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ وہ مطلق نہیں ہیں؛ بلکہ اس میں غسل کے حکم کے ساتھ یہ قید لگی ہوئی ہے کہ اس میں دیت یا قسامت واجب ہو، اس قید سے یہ معلوم ہوگیا کہ جہاں دیت کے بجائے قصاص واجب ہو، خواہ قاتل کا علم ہو یا نہ ہو اس مقتول پر شہید حقیقی کا حکم جاری ہوگا۔ اور مسئولہ مسئلہ میں یہی صورت پیش آئی ہے کہ نامعلوم قاتلوں نے ظلماً قتل کیا ہے اور یہ قتل موجب دیت نہیں؛ بلکہ موجبِ قصاص ہے؛ لہٰذا مقتول شہید کو بلا غسل وکفن صرف نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا،

عبارات درج ذیل ہیں:

عن سعيد بن زيد رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله أو دون دمه أو دون دينه فهو شهيد.

(سنن أبي داؤد / باب في قتال اللصوص ۲/ ٦٥٨ رقم: ٤٧٧٢، سنن النسائي / باب من قتل دون يدنه ۲/ ١٥٥ رقم: ٤١٠١، صحيح البخاري / من قتل دون ماله ١/ ٣٣٧ رقم: ٢٤١٦)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من أريد ماله بغير حق فقاتل فقتل فهو شهيد. (سنن أبي داؤد / باب في قتال اللصوص ۲/ ٦٥٨ رقم: ٤٧٧١)

قد أخرجه البخاري عن سعيد بن زيد عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم.

(صحيح البخاري / من قتل دون ماله ١/ ٣٣٧ رقم: ٢٤١٦)

ولو نزل عليه اللصوص ليلا في المصر فقتل بسلاح أو غيره، أو قتله قطاع الطريق خارج المصر بلا سلاح أو غيره فهو شهيد. (بدائع الصنائع ۲/ ٦٦، البحر الرائق ۲/ ١٩٩)

ويصلى عليه بلا غسل ويغسل بدمه وثيابه لحديث زملوهم بكلومهم.

(شامي ٣/ ١٦١ زكريا)

الشهيد اسم لكل مسلم طاهر مكلف عند أبي حنيفة: قتل ظلماً في قتال ثلاث: إما مع أهل الحرب أو مع أهل البغي، أو مع قطاع الطريق......وحكمه في الشرع: أنه لا يغسل ويصلى عليه عندنا. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ١٧ رقم: ٣٦١٧-٣٦١٨ زكريا)

فإن وجب كان شهيدا، كمن قتله اللصوص ليلاً في المصر، فإنه لا قسامة ولا دية فيه للعلم بأن قاتله اللصوص. (درمختار ٣/ ١٦٢ زكريا، البحر الرائق ۲/ ١٩٩)

وأما حكم الشهادة في الدنيا ...... أحدهما أنه لايغسل عند عامة العلماء.

(بدائع الصنائع ۲/ ٧١ زكريا)

أو نقل من المعركة وهو يعقل (درمختار) فلو لم يعقل لايغسل، وإن زاد على يوم وليلة. (درمختار مع الشامي ۱٦۳/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱۱/ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خودکش بمبار شہید ہے یا نہیں؟

سوال (۲۱۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا خودکش بمبار شہید کے حکم میں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دنیوی اعتبار سے اس پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے؛ البتہ آخرت میں اس کے ساتھ شہیدوں جیسا معاملہ ہوجائے تو یہ رحمت خداوندی سے بعید نہیں ہے۔

ففيه حجة لقاعدة عظيمة لأهل السنة، إن من قتل نفسه أو ارتكب معصية غيرها، ومات من غير توبة فليس بكافر أولايقطع له بالنار، بل هو في حكم المشية. (حاشية النووي على الصحيح لمسلم ۷٤/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب اور زیارتِ قبور

قرآن کریم پڑھ کر مردوں کو ایصال ثواب

سوال (۲۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردوں کو پورا قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟ کیا اس کا ثبوت احادیث شریفہ سے ملتا ہے، جبکہ قرآن کریم کی بعض سورتیں، مثلاً سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھکر ایصال ثواب کرنے کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکثر علماء اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ آدمی اپنی نفلی عبادتوں -خواہ وہ مالی ہوں یا بدنی ہوں یا دونوں سے مرکب ہوں- کا ثواب دوسرے زندہ یا مردہ لوگوں کو بخش سکتا ہے اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی نفل نمازیں، روزے یا حج وعمرہ یا قرآنِ پاک کی تلاوت وغیرہ کا ثواب اپنے مرحوم یا زندہ متعلقین کو پہنچانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بس شرط یہ ہے کہ یہ اعمال نفلی ہوں اور ان پر دنیا میں کوئی اجرت نہ لی گئی ہو۔

عن معقل بن يسار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤا يس على موتاكم. (سنن أبي داؤد ۲/ ٤٤٥)

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعا: من مر على مقابر، وقرأ: ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (إعلاء السنن دارالكتب العلمية ۸/ ۳۳۰ رقم: ۲۳۲۰)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الكتاب، و قل هو اللّٰه أحد، و ألهٰكم التكاثر، ثم قال: اللّٰهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامک لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى اللّٰه تعالى. (إعلاء السنن ٣٣١/٨ رقم: ٢٣٢١)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: **وأما قراءة القرآن وإهدائها إليه تطوعاً بغير أجرةٍ، فهٰذا يصل إليه كما يصل إليه ثواب الصوم والحج.** (كتاب الروح ٢١١)

اورعلامہ ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں ہے: **لا نزاع بين علماء السنة والجماعة في وصول ثواب العبادات المالية، والصواب أن الأعمال البدنية كذٰلک.** (مجموع فتاویٰ ابن تیمیه ٣٦٦/٢٤، حاشية البحر العميق ٢٢٤١/٤)

اورصاحب بدائع علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: **وقول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: "لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلي أحد عن أحد"، أي في حق الخروج عن العهدة لا فى حق الثواب فان من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات او الاحياء جاز، ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة ......، وعليه عمل المسلمين من لدن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الى يومنا هٰذا فى زيارة القبور وقراءة القراٰن عليها والتكفين والصدقات والصوم والصلاة وجعل ثوابها للاموات ولا امتناع فى العقل ايضاً؛ لان اعطاء الثواب من اللّٰه تعالىٰ افضال منه لا استحقاق عليه فله ان يتفضل على من عمل لاجله بجعل الثواب له كما له ان يتفضل باعطاء الثواب من غير عمل رأساً .** (بدائع الصنائع ٤٥٤/٢)

اورحضرت امام مالک اورحضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے یہ بات منقول ہے کہ تلاوت وغیرہ کا ثواب دوسرے کونہیں پہنچتا؛ لیکن فقہ شافعی کی کتابوں میں یہ صراحت بھی ہے کہ اگران عبادات کوانجام دے کرآدمی یہ دعا کرلے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب فلاں کوپہنچادے تواس اعتبار

سے انجام کار اس کا ثواب دوسرے کو پہنچ جائے گا اور اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

چناں چہ علامہ ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں: **محل الخلاف مالم تخرج القراءة مخرج الدعاء بان يقول قبل قراءته "اللّٰهم اجعل ثواب ما اقرؤه لفلان" فاذا خرجت مخرج الدعاء كان الثواب لفلانٍ قولاً واحداً جاز ذٰلک من غير خلافٍ**. (حاشية: البحر العميق ١/٤ ٢٢٤١-٢٢٤٢)

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ بعض حضرات کا میت کو نفس ایصالِ ثواب پر شدت سے نکیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب مردوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے

سوال (۲۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآنِ کریم کا ثواب جو میت کو بخشا جاتا ہے مرحوم کے گناہ کا کفارہ ہے اور عذاب قبر اور آتش جہنم سے نجات کا سبب ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندوں کا مردوں کے لئے دعاء خیر کرنا اور ایصالِ ثواب کرنا مردوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے۔

يستحب عند زيادة القبور قراءة سورة الإخلاص سبع مرات؛ فإنه بلغني من قرأها سبع مرات إن كان ذٰلک الميت غير مغفور له يغفر له. (الفتاویٰ الهندية ٥/٠ ٣٥)

إن دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم عنهم نفع لهم في علو الحالات.

(شرح الفقه الأكبر ١٥٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں مینار بنانا اور چٹائیاں دینا؟

سوال (۲۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرحوم کے ایصال ثواب کے ارادہ سے اگر مسجد مدرسہ کی حفاظت کے لئے کوئی دیوار یا مسجد کا مینار تعمیر کرایا جائے اور وہ پھر منہدم یا نیست ونابود ہو جائے، یا مسجد میں چٹائیاں ڈالی جائیں اور وہ خراب وخستہ ہو جائیں، یعنی بے کار قابل استعمال نہ رہیں تو اس کا ثواب بھی مرحوم کو قیامت تک ملتا رہے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک وہ دیوار باقی رہے گی، یا وہ عمارت موجود رہے گی، اس وقت تک ہی اسے ثواب ملتا رہے گا، اسی طرح جب تک چٹائیوں پر نماز پڑھی جاتی رہے اس وقت تک وہ ثواب کا مستحق رہے گا، خراب ہونے کے بعد قیامت تک ثواب نہ ملے گا۔

(مستفاد: فضائل صدقات ۱/۹۷)

عن عكرمة مولىٰ ابن عباس رضي اللّٰه عنهما يقول: أنبأنا ابن عباس أن سعد بن عبادة رضي اللّٰه عنه – أخا بني ساعدة – توفيت أمه وهو غائب عنه فأتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال يا رسول اللّٰه! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقتُ به عنها، قال نعم! قال: فإني أُشهِدك أن حائطي المخرافَ صدقة عليها. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا / باب الإشهاد في الوقف والصدقة ٢٦١١ رقم: ٢٧٦٢)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله، إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (صحيح مسلم ٢/٤١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایصالِ ثواب کی دائمی صورت؟

سوال (۲۱۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دائمی اجر وثواب کا کوئی ایسا ذریعہ بھی ہوسکتا ہے جس میں نمود نہ ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دائمی ثواب کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مسجد یا مدرسہ کے لئے زمین وقف کردی جائے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن سعد بن عبادة أخا بني ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها فأتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال يا رسول اللّٰه! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها، قال نعم! قال: فإني أشهدک أن حائطي المخراف صدقة عليها. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا / باب الإشهاد في الوقف والصدقة ۳۸۷/۱ رقم: ۲۶۸۱ ف: ۲۷۶۲)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله، إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له. (صحيح مسلم ۴۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے نیچے کی دری مسجد میں دینا اور نماز پڑھنا؟

سوال (۲۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں جب کوئی مرجاتا ہے تو کفن پہنانے کے بعد میت کے نیچے دری وغیرہ رکھتے ہیں، مردہ کے دفن کے بعد وہ دری لاکر مسجد میں دے دیتے ہیں، اس پر مصلیان نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، اور متولی مسجد امام کے مصلیٰ کے نیچے بچھا دیتا ہے، یعنی مصلیٰ کا کام بھی لے لیتے ہیں، آیا یہ سب چیزیں مسجد میں

دینا جائز ہے یا نہیں؟ لوگ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا کون لوگ ان چیزوں کے مستحق ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بالغ ورثہ یا مالکین کی طرف سے یہ دری مسجد میں دی جائے تو اس پر نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹۸/۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میت کے گھر جاکر دعا کرنے کو لازم سمجھنا؟

سوال (۲۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لوگ میت کے گھر جاکر دونوں ہاتھوں کو اٹھاکر بلند آواز سے دعا مانگتے ہیں، کیا یہ بدعت ہے یا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے گھر جاکر بلند آواز سے دعا کو لازم سمجھنا بدعت ہے، اس طرح کے التزام سے بچنا چاہئے۔

یکره الاجتماع عند صاحب البیت، ویکره له الجلوس في بیته حتی یأتي إلیه من یعزی، بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورهم وصاحب البیت بأمره. (شامی زکریا ۱٤۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اولیاء کے مزاروں پر حاضری دینا؟

سوال (۲۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھا، اور صابریہ چشتیہ سلسلہ

میں بعض مرتبہ بڑوں کے مشورہ سے اولیاء اللہ کی درگاہوں پر جائز طریقہ پر حاضری دینی پڑتی ہے، ہماری مسجد کے ایک ذمہ دار...... صاحب اس کو عقیدے کی خرابی قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اور دیگر بزرگوں کے ساتھ اولیاء اللہ کی درگاہوں پر حاضری دیتے رہے ہیں، اور اب بھی دیتے ہیں، تو شرعاً اولیاء اللہ کی مزاروں پر حاضری دینے کا کیا حکم ہے؟ اور علماء دیوبند کا اس سلسلہ میں کیا عمل رہا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبھی کبھار اتفاقاً اور بلا اہتمام کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہونا خاص کر ایسے اوقات میں جب کہ وہاں بدعات وخرافات نہ ہورہی ہوں منع نہیں ہے، لیکن آج کل چونکہ اکثر ایسے مقامات پر شرک وبدعات کا بول بالا ہے، اس لئے مقتدا حضرات اور ائمہ کا بالاہتمام اور علی الاعلان ایسی جگہوں پر آنا جانا اور برسرعام عوام کو اس کی ترغیب دینا مناسب اور مصلحت کے خلاف ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/۱۸۱-۱۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اجمیر اور کلیر زیارتِ قبور کی نیت سے جانا؟

سوال (۲۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اولیاء اللہ کے مزارات مثلاً اجمیر شریف، کلیر شریف وغیرہ ایک شخص برائے زیارت جاتا ہے اور مستقل طور پر اسی غرض سے سفر کرتا ہے اور خرافات ورسومات سے اجتناب بھی کرتا ہے اور جانا باعث ثواب سمجھتا ہے اور مقصد سفر محض زیارت ہے، تو کیا اس طرح سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ حدیث: ”لا تشد الرحال إلا لثلاثة مساجد“ کے تحت ممنوع ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفس زیارت وفاتحہ کے لئے بزرگانِ دین کے مزار پر

جانا منع نہیں ہے؛ البتہ عرس اور میلوں کے موقع پر نہ جائیں؛ کیوں کہ ان مواقع پر جانا ایک غیر شرعی اجتماع کی رونق بڑھ جانے کا ذریعہ ہوگا، جو ممنوع ہے۔

من کثر سواد قوم فهو منهم. (تذكرة الرشيد ۹/۲)

اور حدیث **لا تشد الرحال** کا تعلق زیارت قبور سے نہیں؛ بلکہ اجر وثواب زیادہ حاصل کرنے کی نیت سے مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کے لئے سفر کرنے سے ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۸۱/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے لئے سفر کرنا؟

سوال (۲۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید بزرگانِ دین کے مزاروں پر وقتاً فوقتاً حاضری دینے کے لئے جایا کرتا ہے، تو کیا قصداً کسی مزار کے لئے سفر کر کے جانا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی محظور شرعی نہ پایا جائے تو کسی بزرگ کے مزار پر حاضری شریعت میں ممنوع نہیں ہے، اور فقہاء کے کلام سے اس مقصد کے لئے سفر کی اجازت بھی معلوم ہوتی ہے۔

وفي الحديث: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تشد الرواحل إلا إلى ثلاثة مساجد...... الخ. (الترغيب والترهيب مكمل ٢٨٤ رقم: ١٩٠٢)

قال الشامي: والمعنى – كما أفاده في الإحياء – أنه لا تشد الرحال لمسجد من المساجد إلا لهٰذه الثلاثة، لما فيها من المضاعفة، بخلاف بقية المساجد، فإنها متساوية في ذٰلك، فلا يرد أنه قد تشد الرحال لغير ذٰلك،

كصلة الرحم، وتعلم علم، وزيارة المشاهد كقبر النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، وقبر الخليل عليه السلام وسائر الأئمة. (رد المحتار، كتاب الحج / باب الهدي، قبيل مطلب في المجاورة بالمدينة المشرفة ومكة المكرمة ٦٢٧/٢ كراچی)

قلت: استفيد منه ندب الزيارة وإن بعد محلها. (شامي ٢٤٢/٢ كراچی، ١٥٠/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۳/۲/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی بزرگ کی یاد میں انجمن وجلسہ کا انعقاد یا رسالہ جاری کرنا؟

سوال (۲۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکابرین واسلاف کی یادگار میں کسی دینی جلسہ کا انعقاد یا کسی انجمن ولائبریری کا قیام یا کسی دینی رسالہ کا اجراء مثلاً بیادگار رفلاں ۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس بیادگار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کسی دینی کام کی نسبت اکابرین عظام کی طرف کرنے سے اگر ایصال ثواب یا ان کے محاسن اور دینی خدمات کی یاد مقصود ہو؛ تاکہ بعد کے لوگوں کے لئے رہنمائی کا نمونہ مل سکے، تو شرعاً اس طرح کی یادگار قائم کرنے میں حرج نہیں ہے، بلکہ یہ بھی "**اذكروا محاسن موتاكم**". (سنن أبي داؤد ٦٧١/٢ رقم: ٤٩٠٠، مشكوٰة المصابيح ١٤٧/١) کے امر پر عمل کرنے کا ایک ذریعہ ہے؛ اس لئے کہ جب یادگار میں اس شخص کا نام سامنے آئے گا تو اس کے محاسن بھی یاد کئے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱/۲/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتاب الصوم

رؤیتِ ہلال سے متعلق مسائل

ثبوت رؤیتِ ہلال کا ایک اہم اصول

سوال (۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امسال ۲۰۰۳ء میں ۲۹/شعبان کو آسمان ابر آلود تھا اور یہ کیفیت تقریباً پورے ملک کی تھی، جس کی بنیاد پر متعدد مقامات کے علاوہ ۲۹ شعبان کو رؤیت کا ثبوت نہ ہو سکا اور ۳۰ شعبان گذار کر رمضان کی پہلی تاریخ بروز منگل سے شروع ہوئی اور ۲۹/رمضان کو عید کا چاند بھی نظر آ گیا اور لوگوں کا انتیس واں روزہ حدیث کے مطابق پورا ہو گیا۔

جن جگہوں پر ۲۹/شعبان کی رؤیت پر شہادت ہو چکی تھی وہاں کے لوگوں نے رؤیت کے اصول وضابطہ کے مطابق اور جہاں پر رؤیت نہیں ہوئی تھی، ثبوت فراہم ہونے کے بعد وہاں کی ہلال کمیٹیوں نے ۲۹/شعبان کی رؤیت کی تصدیق کر کے اپنے حلقہ میں ایک روزہ کی قضاء کا اعلان کر دیا، یہ صورت کہیں کہیں ہوئی ہے، جیسا کہ مرکزی دارالقضاء امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ نے اعلان کیا کہ ۲۹/شعبان مطابق ۲۶/اکتوبر بروز اتوار رمضان المبارک کا چاند دیکھا جانا شرعی طور پر ثابت ہے، اس لئے ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز سوموار رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہے، جن مسلمانوں نے ۲۷/اکتوبر کو روزہ نہیں رکھا وہ بعد میں ایک روزہ قضا کر لیں۔

ہردوئی میں بھی ۳۰/شعبان کے حساب سے تراویح اور روزہ کی ابتداء ہوئی، مگر ۲۳/رمضان المبارک مطابق ۱۹/نومبر کو صبح سات بجے میل وشارم مدراس سے مفتی افضال الرحمٰن صاحب سلطان پوری کا فون آیا کہ یہاں تین بستی والوں نے ۲۹/شعبان کو چاند دیکھا ہے، اس

علاقہ میں آج ۲۴؍رمضان المبارک ہے، جس کی بناء پر ہردوئی میں بھی ایک روزہ کی قضا کا اعلان ہوا۔

دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مرکزی امارتِ شرعیہ دہلی، جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، الٰہ آباد اور بنارس جو ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔اور دیگر شہروں کی ہلال کمیٹیوں نے مرکزی دارالقضاء امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ کے فیصلہ کی جانکاری کے بعد ایک روزہ کی قضا کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ اس کے کیا اصول وضوابط ہیں؟ جب کہ لکھنؤ، مرادآباد، دہلی، دیوبند اور سہارنپور ہردوئی سے قریب ہیں، تشفی بخش اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا اعلان کیا خبر مستفیض کا درجہ رکھتا ہے؟ جب کہ بعض جگہوں پر جو ۲۹ کی تصدیق ہوئی، وہ امارتِ شرعیہ کے اعلان پر ہوئی نہ کہ رؤیت ہلال پر۔

مئوشہر میں محدث جلیل ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی وفات کے بعد مفتیان مدارس کی ایک ہلال کمیٹی قائم ہے، جو دس بارہ سال سے چاند کے بارے میں شرعی تحقیق کے بعد جو فیصلہ کرتی ہے، عوام الناس اور اطراف وجوانب کے لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں، امسال ۲۹ شعبان کو شرعی ثبوت فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ۳۰؍شعبان گذار کر پہلی رمضان کا اعلان ہوا، ایک شاہی مسجد کے امام صاحب جو عید بعد اپنے شیخ کے وہاں الٰہ آباد گئے اور وہاں پر سنا کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے بھی ایک روزہ کی قضا کا اعلان کر دیا ہے اور ان کے شیخ نے بھی اپنے حلقۂ اثر میں قضا کو کہا، جب کہ الٰہ آباد کی ہلال کمیٹی نے آپ کو تسلیم نہیں کیا، امام صاحب مئو آئے اور اپنے منبر سے اتباعاً للشیخ ایک روزہ کی قضا کا اعلان بطور احتیاط کیا، مگر مئو ہلال کمیٹی نے شرعی ثبوت فراہم نہ ہونے کی بنا پر اس کو رد کر دیا، تب دوبارہ امام صاحب نے وجوباً قضا کا اعلان کیا، اگر ہر امام اپنے منبر سے اس طرح اعلان کرتا پھرے تو یہ مسئلہ ہلالی بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔کیا اس طرح امام صاحب کو من مانی اعلان کرنا جائز ہے؟ یا ہلال کمیٹی والوں سے صلاح ومشورہ کے بعد مناسب تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چاند کے معاملہ میں جب اختلاف ہو جائے، تو اصول

یہ ہے کہ حکم حاکم رافع اختلاف ہے۔اور ہندوستان میں چوں کہ حاکم شرعی نہیں ہے؛ لہٰذا چاند کے معاملہ میں مقامی وعلاقائی رؤیت ہلال کمیٹیاں حاکم کا درجہ رکھتی ہیں؛ لہٰذا یہ کمیٹیاں اگر تحقیق وشرح صدر کے بعد چاند کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں، تو ان کی تعمیل ان کے حلقہ اثر میں ضروری ہوگی، ہر کس وناکس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی بات دوسرے کو منوانے پر مجبور کرے۔

اس اصولی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ اس سال (۱۴۲۴ھ) رمضان کے چاند کے بارے میں امارتِ شرعیہ دہلی، دارالعلوم دیوبند وغیرہ جیسے اداروں کو شرعی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا؛ اس لئے انہوں نے چاند کا اعلان نہیں کیا، عوام الناس کو ان اِداروں کے فیصلہ کی تعمیل ضروری ہے، اور ''مجلس دعوۃ الحق ہردوئی'' کی طرف سے جو اعلان کیا گیا، وہ دہلی، دیوبند، مرادآباد، لکھنؤ اور بنارس وغیرہ علاقوں کے لئے قابل عمل نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ علاقے اس کے زیر اثر نہیں ہیں، البتہ کوئی احتیاطاً روزہ رکھنا چاہے تو حرج نہیں ہے، مگر اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

المستفاد: عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إني رأيت الهلال، فقال: أتشهد أن لا إله إلا اللّٰه، أتشهد أن محمداً رسول اللّٰه، قال: نعم، قال: يا بلال! أذّن في الناس أن يصوموا غداً. (سنن الترمذي، الصلام / باب ما جاء في الصوم بالشهادة ١٤٨/١ رقم: ٦٨٦، سنن أبي داؤد ٣٢٠/١ رقم: ٢٣٤٠، سنن النسائي ٢٣١/١ رقم: ٢١٠٨ سنن ابن ماجة ١١٩/١ رقم: ١٦٥٢)

شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا، وقضى القاضي به، ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى أي جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضي حجة، وقد شهدوا به، لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية (درمختار) قال الشامي: تنبيه: قال الرحمتي: معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه، كما قد تشيع أخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة ولا يعلم من أشاعها، كما ورد: أن في

آخـر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها، ويقولون: لا ندري من قالها، فمثل هذا لاينبغي أن يسمع، فضلا عن أن يثبت به حكم اهـ .

قلت: وهو كلام حسن، ويشير إليه قول الذخيرة: إذا استفاض و تحقق، فإن التحقق لايوجد بمجرد الشيوع. (تنـوير الأبصار مع الدر والشامي، كتاب الصوم / قبيل مطلب في رؤية الهلال نهاراً ۳۵۸/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۵/۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ثبوتِ رؤیت کے لئے شرعی تصدیقات کی تفصیل

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رؤیتِ ہلال کے بارے میں شرعی تصدیقات کی تفصیل واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی جگہ رؤیت عامہ نہ ہو سکے تو چاند کے ثبوت کے لئے شرعی تصدیق کے طور پر درج ذیل ذرائع میں سے کوئی ایک ذریعہ بھی متحقق ہوجائے تو شرعا چاند کا ثبوت مانا جائے گا:

(۱) شہادت علی الرؤیۃ:- جس کا مطلب یہ ہے کہ چاند دیکھنے والے دو عادل شخص خود قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں۔

(۲) شہادت علی شہادۃ الرؤیۃ:- یعنی چاند دیکھنے والے خود تو حاضر نہ ہوں؛ لیکن ان میں سے ہر ایک کی گواہی پر دو عادل شخص گواہی دیں، مثلاً کہیں کہ ہمارے سامنے فلاں فلاں شخص نے چاند کی گواہی دی ہے۔

(۳) شہادت علی القضاء:- یعنی کسی جگہ قاضی یا کمیٹی شرعی ثبوت حاصل ہونے کی وجہ سے چاند کا فیصلہ کر دے، پھر اپنے فیصلہ کو دو گواہوں کے سامنے مہر بند کر کے دوسرے شہر کی کمیٹی یا قاضی کو بھیج دے۔

(۴) استفاضہ:- یعنی کسی جگہ سے چاند کی خبر یا قاضی کے فیصلہ کے بعد اس کی خبر دوسرے شہر تک اس تواتر سے پہنچے کہ اس سے چاند کے ثبوت کا غلبۂ ظن ہو جائے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/ ۱۲۷، انوار رحمت ۴۹۸، ایضاح المسائل ۷۸، امداد المفتیین ۴۸۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹)

عن ربعي بن حراش عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: اختلف الناس في آخر يوم من رمضان، فقدم أعرابيان فشهدا عند النبي صلى الله عليه وسلم، بالله لأهلا الهلال أمس عشيّة، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس أن يفطروا. زاد خلف في حديثه: وأن يغدوا إلى مصلاهم. (سنن أبي داؤد، الصيام / باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال ۱/ ۳۱۹ رقم: ۲۳۳۹)

عن حسين بن الحارث الجدلي أم أمير مكة خطب ثم قال: عهد إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن ننسک للرؤية فإن لم نره وشهد شاهدا عدل نسكنا بشهادتهما ...... الخ. (سنن أبي داؤد، الصوم / باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال رقم: ۲۳۳۸)

طريق موجب كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهد على حكم القاضي أو يستفيض الخبر. (شامي ۳/ ۳٦٤ زكريا، طحطاوي ۳٥۹)

تقبل فيما لا يسقط بالشبهة إن شهد رجلان على شهادة شاهدين. (البحر الرائق ۷/ ۱۲۰)

ولا يجيز في هلال ذي الحجة والفطر إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين. (الفتاویٰ التاتارخانيه ۳/ ۳٦۰- ۳٦۱ رقم: ٤٥٦٦ زكريا)

وفي مجموع النوازل: شاهدان شهدا عند قاضي مصر لم ير أهله الهلال على أن قاضي مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال وقضى به ووجد شرائط صحة الدعوىٰ قضى بشهادتهما حكاه عن شيخ الإسلام. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳٦٦ زكريا، منحة الخالق ۲/ ۲۷۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۸/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرعی شہادت وتصدیقات کے بعد قاضی کا رؤیتِ ہلال کا اعلان نہ کرنا جائز نہیں؟

سوال (۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عند القاضی شرعی شہادت یا شرعی تصدیقات حاصل ہوجانے کے بعد کسی بہت ہی اہم مصلحت کے پیشِ نظر کیا قاضی کے لئے اس بات کی کوئی گنجائش ہوتی ہے کہ وہ رمضان وعید کے چاند کا اعلان نہ کرے؟ اس نکتہ کو بالتفصیل بیان فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شہر قاضی یا رؤیتِ ہلال کمیٹی کو چاند کے متعلق شرعی طور پر تصدیق ہوجائے اور کوئی ابہام نہ رہے، تو اب اس کے لئے کسی مصلحت کی بنیاد پر چاند کا اعلان نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ چاند کا ثبوت ہونے کے بعد اگر رمضان کا چاند ہے، تو اگلے دن روزہ رکھنا فرض ہوتا ہے، اب اگر اعلان نہ کیا گیا تو ایک فرض روزہ چھوٹ جائے گا اور اگر عید کے چاند کا معاملہ ہوا اور اعلان نہ کیا جائے تو عید کے دن روزہ رکھنے کا گناہ لازم آئے گا؛ لہٰذا چاند کا ثبوت ہونے کے بعد اعلان نہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ البتہ اگر چاند کے ثبوت ہی میں شبہ ہو تو مسئلہ الگ ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الأَهِلَّةِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ [البقرة ۱۸۹]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته. (سنن الترمذي ۱۴۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آلاتِ جدیدہ سے رؤیتِ ہلال کا ثبوت؟

سوال (۴):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہلالِ رمضان وہلالِ عید کا ثبوت کیا آلاتِ جدیدہ مثلاً ٹیلی فون، فیکس، تار، ریڈیو سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مذکورہ آلات کے ذریعہ خبر کسی درجہ میں معتبر ہے یا بالکل ساقط الاعتبار رہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلی فون وغیرہ کی خبروں سے استفاضہ کا تحقق ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ آج کے دور میں ان ذرائع سے کامل یقینی خبریں حاصل کی جاتی ہیں؛ لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ معتبر قاضی کے سامنے شہادت پیش ہوچکی ہو، اور اس نے چاند کا فیصلہ کردیا ہو، پھر اس خبر کو ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ عام کیا جائے؛ تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا إن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرىٰ يلزمهم حكم هٰذه البلدة. (شامي ۳/۳۵۹ زكريا، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/۳۶۶ زكريا، مجمع الأنهر ۱/۲۳۹، منحة الخالق ۲/۲۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

TV اور ریڈیو کی خبر سے چاند کا ثبوت

سوال (۵):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹی وی اور ریڈیو کی خبر سے چاند کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں، جو لوگ بغیر چاند دیکھے اور بغیر شہادت کے صرف ٹی وی اور ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھیں یا عید کریں، ان کے لئے شریعتِ مطہرہ کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ریڈیو یا ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ اگر چاند کی خبر دوسری

جگہ پہنچتی ہے اور اس کے صدق میں کوئی شبہ نہیں رہتا، تو اس خبر کی بنا پر وہاں رہنے والوں کو روزہ رکھنا یا عید کرنا درست ہے، ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۴۰۲، احسن الفتاویٰ ۴/۴۹۰، امداد الفتاویٰ ۲/۹۴، کفایت المفتی ۴/۲۰۹، مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۲۸۱، فتاویٰ رشیدیہ ۴۵۷، بحوالہ انوار رحمت ۵۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر سے پرواز کر کے چاند دیکھنا؟

سوال (۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر سے پرواز کر کے چاند دیکھا، مگر زمین پر کسی کو نظر نہ آئے، تو محض ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر کی خبر رؤیتِ ہلال کے بارے میں معتبر ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہوائی جہاز سے جو چاند دیکھا جائے اور وہ زمین پر نظر نہ آئے تو اس بارے میں قدرے تفصیل ہے، اگر ہوائی جہاز سے نیچے پرواز کر کے وہیں سے چاند دیکھ لیا گیا تو اس کا شرعاً اعتبار ہے جیسا کہ ہیلی کاپٹر سے چاند دیکھنے میں ہوتا ہے۔ اور اگر ہوائی جہاز سے اتنی بلندی پر جا کر چاند دیکھا کہ وہاں مطلع بدل جاتا ہے اور اس خبر کو مان لینے سے مہینہ ۲۸/دن کا ہونا لازم آجائے تو ہوائی جہاز سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار نہ ہوگا۔

اور اگر ہیلی کاپٹر (جو کم اونچائی کی پرواز کرتا ہے) سے افق پر جا کر چاند دیکھا جائے اور وہ چاند زمین سے دیکھنے والوں کو نظر نہ آئے تو شرعاً اس چاند دیکھنے کا اعتبار ہے، اور اس رؤیت پر شرعی ثبوت کے بعد چاند کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بلند مقامات پر چاند دیکھنے والے لوگ کسی میدانی جگہ پر واقع بستی میں آکر خبر دیں، تو ان کی خبر قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح ہیلی کاپٹر میں چاند دیکھنے والوں کی خبر بھی قبول کی جائے گی؛ کیوں کہ ہیلی کاپٹر اتنے اوپر پرواز نہیں کرتا کہ مطلع بدل جائے۔ (ایضاح المسائل ۸۰، انوار رحمت ۵۲۳، امداد المفتیین ۴۸۲)

الأشبه أن يعتبر ؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار . (تبيين الحقائق ۲/ ۱٦٥ زكريا)

إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة لا البلاد النائية الخ، أقول: لا بد من تسليم قول الزيلعي، وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين، أو الثامن والعشرين، أو يوم الحادي والثلاثين، أو الثاني والثلاثين.

(العرف الشذى على هامش الترمذى ۱/ ۱٤۹، جديد فقهى مسائل ۲/ ۳۳، امداد الفتاوىٰ ۲/ ۱۰۸)

وصحح في الأقضية الاكتفاء بواحد إن جاء من خارج البلد أو كان على مكان مرتفع (درمختار) وفي الشامية: فأما إذا كانت متغيمة أو جاء من خارج المصر أو كان من موضع مرتفع، فإنه يقبل عندنا، فقوله عندنا: يدل على أنه قول أئمتنا الثلاثة ...... وقد يرىٰ الهلال من أعلى الأماكن ما لايرىٰ من الأسفل فلا يكون تفرده بالرؤية على خلاف الظاهر بل على موافقة الظاهر، ففيه التصريح بأنه ظاهر الرواية. (شامي ۳/ ۳٥۷ زكريا، مجمع الأنهر ۱/ ۲۳۷، هداية ۱/ ۲۱٦، خانية ۱/ ۱۹٦، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳٥۹ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۹۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاند دیکھنے میں اختلاف ہو تو کس دن عید منائیں؟

سوال (۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید الفطر کسی جگہ سنیچر کو ہوئی، اور کسی جگہ اتوار کو ہوئی، تو کس دن کی نماز صحیح ہوئی؟ اور رات ۱۰-۱۱/ بجے چاند دیکھنا ممکن ہے یا نہیں؟ آپ حضرات نے مرادآباد میں کس دن عید الفطر کی نماز پڑھی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرادآباد شہر میں ۲۹/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو مختلف

محلوں میں چاند دیکھا گیا،جس کی بناء پر یہاں سنیچر کوعید ہوئی اور جن جگہوں پر بھی معتبر طریقوں سے چاند کا ثبوت ہو چکا تھا، وہاں سنیچر ہی کوعید منانی چاہئے تھی، رات میں دس بجے چاند تو نظر نہیں آ سکتا،مگر چاند کی خبر تو آ سکتی ہے۔

عن ربعي بن حراش عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: اختلف الناس في آخر يوم من رمضان، فقدم أعرابيان فشهدا عند النبي صلى الله عليه وسلم، بالله لأهلاّ الهلال أمس عشيّة، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس أن يفطروا. زاد خلف في حديثه: وأن يغدوا إلى مصلاهم. (سنن أبي داؤد، الصيام / باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال ۱/ ۳۱۹ رقم: ۲۳۳۹)

وإنما الخلاف في اعتبار اختلاف المطالع بمعنى أنه هل يجب على كل قوم اعتبار مطلعهم، ولا يلزم أحداً العمل بمطلع غيره أم لا، يعتبر اختلافها؛ بل يجب العمل بالأسبق رؤية حتى لو رأى في المشرق ليلة الجمعة، وفي المغرب ليلة السبت، وجب على أهل المغرب العمل بما راٰه أهل المشرق؟ فقيل بالأول، واعتمده الزيلعي وصاحب الفيض وهو الصحيح عند الشافعية .... وظاهر الرواية الثاني، وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة. (شامي، الصوم / مطلب في اختلاف المطالع ۳/ ۳٦٤ زكريا)

وكذا المستفاد من العبارة الآتية: ولا يصام يوم الشک هو يوم الثلاثين من شعبان وإن لم يكن علة أي على القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية في بلدة أخرىٰ (درمختار) أي فيلزم البلدة التي لم ير فيها الهلال.

(درمختار مع الشامي / مبحث في صوم يوم الشك ۳/ ۳٤٦ زكريا، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳٦٥ زكريا، خانية ۱/ ۱۹۸، مجمع الأنهر ۱/ ۲۳۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رؤیتِ ہلال میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، فون، فیکس وغیرہ کی خبر کا حکم؟

سوال (۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہلالِ عیدالفطر کی اطلاع میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، فون، فیکس وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟ جب کہ مذکورہ آلات میں سے کچھ کا استعمال شرعاً ممنوع ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کسی جگہ رؤیت عام یا معتبر شہادتوں سے حاکم شرعی یا معتبر مفتی یا ہلال کمیٹی چاند کا فیصلہ کردے، اور فیصلہ کی خبر ٹیلی فون، فیکس یا ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ دوسری جگہ اس طرح پہنچے کہ اس کی صحت پر کامل یقین ہوجائے، تو اس طرح کی ناقابلِ تردید خبروں کا شرعاً اعتبار کیا جائے گا، اور ان پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ آج کل مواصلاتیز رائع عام ہونے کی بنا پر خبر مستفیض (جو ناقابلِ تردید ہو) کا حصول آسان ہے، ہر جگہ کے علماء ومفتیان کو نفسانیت سے اوپر اٹھ کر استفاضہ کا اعتبار کرکے چاند کے فیصلے کرنے چاہئیں۔

آج ہندوستان جیسے ملک میں جہاں اسلامی نظامِ حکومت نافذ نہیں ہے، رمضان اور عیدین میں انتشار کی وجہ یہی بنتی ہے کہ ایک طبقہ خبر مستفیض کو نہ ماننے پر اڑا رہتا ہے، اور ہر چہار جانب سے چاند کے فیصلہ کی متواتر خبریں مسلسل آنے کے باوجود اپنے یہاں چاند کا اعلان اس وقت تک نہیں کرتا جب تک شخصی شہادت نہ آجائے، حالاں کہ خبر مستفیض میں شخصی شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں، یہی ضد سخت اختلاف وانتشار کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے ایسے سب حضرات کو موجودہ دور میں استفاضہ کی جزئیات کو پیشِ نظر رکھ کر صحیح اور جلد فیصلہ کرنے کی راہ اپنانی چاہئے، اور چاند کے اعلان میں نفسانیت، انانیت اور خودغرضی کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔

قال شمس الأئمة الحلواني: الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخریٰ یلزمهم حکم هٰذه البلدة. (شامي ۳۵۹/۳ زکریا، منحة الخالق ۲۷۰/۲، مجمع الأنهر ۳۵۲/۱ بیروت، شامي ۳۹۰/۲ کراچی، انوار رحمت: ۵۱۲، بوادر النوادر ۲۱۵/۱-۲۱۶)

والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو روية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به. (شامي ۳۵٤/۳ زكريا، جواهر الفقه ٤٠١/١، فتاویٰ محمودیه میرٹھ ۹۳/۱۱، ۸۳/۱۰ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ٤٠٧/٤ –٤١٢، امداد المفتيين ٤٨٤/٢)

إن هٰذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر، وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها؛ لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة، فلا بد من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي، فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهي أقوى من الشهادة بأن أهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا؛ لأنها لا تفيد اليقين، فلذا لم تقبل إلا إذا كانت على الحكم أو على شهادة غيرهم؛ لتكون شهادة معتبرة، وإلا فهي مجرد إخبار بخلاف الاستفاضة فإنها تفيد اليقين الخ. (شامي / مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم ۳۵۹/۳ زكريا، منحة الخالق ۲۷۰/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریڈیو اور ٹی وی کا اعلان

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر شرعی رؤیتِ ہلال کمیٹی یا مسلم حاکم کی طرف سے ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر چاند کا اعلان ہو، تو ایسے اعلان کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شرعی رؤیتِ ہلال کمیٹی یا مسلم حاکم کی طرف سے ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر شرعی ضابطہ کے مطابق چاند کا اعلان ہو اور اس کی سچائی کا گمان غالب ہو جائے تو ایسے اعلان کا شرعاً اعتبار ہے۔

والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به. (شامي ٣٥٤/٣ زكريا، جواهر الفقه ٤٠١/١، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۹۳/۱۱، ۸۳/۱۰ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۴۰۷/۴-۴۱۲، امداد المفتیین ۴۸۴/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تار، ٹیلی فون اور فیکس کی خبریں

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تار، ٹیلی فون اور فیکس کی خبروں کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اپنے یہاں چاند نہ دیکھا جاسکے اور دوسری جگہ سے تار، ٹیلی فون یا فیکس وغیرہ کے ذریعہ چاند کے ثبوت کی متواتر خبریں اس طرح آئیں کہ ان پر یقین ہوجائے، تو ایسی خبروں کا اعتبار کیا جائے گا۔

إن هٰذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر، وقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها؛ لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة، فلا بد من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي، فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور وهي أقوى من الشهادة بأن أهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا؛ لأنها لا تفيد اليقين، فلذا لم تقبل إلا إذا كانت على الحكم أو على شهادة غيرهم؛ لتكون شهادة معتبرة، وإلا فهي مجرد إخبار بخلاف الاستفاضة فإنها تفيد اليقين الخ. (شامي / مطلب: لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم ٣٥٩/٣ زكريا، منحة الخالق ٢٧٠/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاند کے بارے میں فاسق کی شہادت کا حکم؟

سوال (۱۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہادت کے لئے عادل اور ثقہ ہونے کی جو شرط لگائی جاتی ہے، اس عادل اور ثقہ ہونے سے کیا مراد ہے؟ اور کیا موجودہ وقت میں کسی صورت میں فاسق کی شہادت معتبر ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہادت دینے والوں کا ثقہ یعنی دین دار اور موجباتِ فسق سے بچنے والا ہونا ضروری ہے، فاسق کی گواہی چاند کے بارے میں قبول نہیں ہے۔

ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل وصورت اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، ان کو ظاہری حالات کی بنا پر فاسق کہا جاتا ہے، اُن کی شہادت کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ: ایسے لوگ دو قسم پر ہیں:

(۱) وہ لوگ جن کی ظاہری حالت، وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، اور ان کے حالات اور ماحول اور معاملات وگفتگو بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے، ان کو جھوٹ بولنے میں اور وعدہ خلافی کرنے کوئی دریغ نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان کو جھوٹ بولنے میں شرم آتی ہے، ایسے لوگوں کی شہادت دینی معاملات میں مردود ہے، ان کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) ایسا شخص جس کا ظاہری حلیہ اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے؛ لیکن وہ سنجیدہ اور باوقار ہے، جھوٹ بولنے کو خود اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اور اپنے اندر مروت اور غیرت رکھتا ہے، تو ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا جائز؛ بلکہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا بعض حالات میں واجب ہوجاتا ہے، اسی لئے رؤیتِ ہلال کے مسئلہ میں چاہے ہلالِ رمضان ہو یا ہلالِ شوال یا ذی الحجہ، ہر ایک کے بارے میں ایسے شخص کی شہادت قابلِ قبول ہوگی، اور اس کے مطابق فیصلہ دینا بلا کراہت اور بلا شبہ جائز ہوگا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ

لِلّٰهِ، ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ﴾ [الطلاق: ٢]

عن عامر قال: تجوز شهادة الرجل المسلم ما لم يُصب حداً، أو تعلم عليه حوبة في دينه. عن محمد قال: قال شريح: ...... وائتِ على ذٰلک بشهود عدول، فإنا قد أمرنا بالعدول. وأنت فَسَلْ عنه ...... فإن قالوا: ما علمنا إلا عدلاً مسلمًا، فهو إن شاء اللّٰه كذٰلک، وتجوز شهادته. (مصنف ابن أبي شيبة / ما العدل في المسلمين ٤/ ٤٢٨-٤٢٩ رقم: ٢١٧٣٦-٢١٧٣٩ دار الكتب العلمية بيروت)

عن علي رضي اللّٰه عنه في الهلال قال: إذا شهد رجلان ذوا عدل على رؤية الهلال فأفطروا. (مصنف ابن أبي شيبة ٢/ ٣٢١ رقم: ٩٤٦٩ دار الكتب العلمية بيروت)

وتشترط العدالة؛ لأن قول الفاسق في الديانات غير مقبول، وتاويل قول الطحاوی عدلاً كان أو غير عدلٍ أن يكون مستوراً. (هداية / فصل في رؤية الهلال ٢/ ١٠١ مكتبة البشرىٰ كراچی)

عن عكرمة عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إني رأيت الهلال، قال الحسن في حديثه: يعني رمضان، فقال: أتشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه؟ قال: نعم، قال: أتشهد أن محمداً رسول اللّٰه؟ قال: نعم، قال: يا بلال! أذن في الناس فليصوموا غدًا، وسكت عنه. (سنن أبي داؤد ١/ ٣٢٧، إعلاء السنن ٩/ ١٢٥-١٢٦ دار الكتب العلمية بيروت)

والحديث الثاني يدل على أن من لم يظهر فسقه قبل شهادته في صوم رمضان فإنه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يفتش أمر العدالة في الواقعة وإن قال: إنه صلى اللّٰه عليه وسلم لعله كان يعرفه فيجاب بأنه لو كان كذٰلک لما فتش عن إسلامه. (إعلاء السنن ٩/ ١٢٦ بيروت)

خبر عدل أو مستور على ما صححه البزازي عل خلاف ظاهر الرواية. لا فاسق اتفاقاً. (درمختار مع الشامي ٣/ ٣٥٢ زكريا)

لا يـقبل الفاسق بأن من قلد فاسقاً ياثم، وإذا قبل القاضي شهادته يأثم، وقوله حتى لو قبلها القاضي وحكم بها كان آثما لكنه ينفذ. (شامي ٢٥/٨ زكريا، ٣٥٦/٥ كراچی)

واستثنى الثاني الفاسق ذا الجاه والمروة فإنه يجب قبول شهادته. (درمختار مع الشامي ٣٥٦/٥ كراچی، ٢٦/٨ زكريا)

ولا بد في ذٰلک كله من العدالة ...... لقوله تعالىٰ: ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ ولأن العدالة هي المعينة للصدق ...... وعن أبي يوسف أن الفاسق ذا مروة كان وجيهًا في الناس ذا مروة تقبل شهادته؛ لأنه لا يُستأجر لو جاهته ويمتنع عن الكذب لمروءته، والأول أصح. (هداية / كتاب الشهادة ١٤٠/٣ رشيدية)

قال في العناية: يعني عدم قبول شهادة الفاسق مطلقًا وجيها ذا مروءة كان أو لا أصح؛ لأن قبولهما إكرام الفاسق ونحن أمرنا بخلاف ذٰلک قال صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا ألقيت فالقه بوجه مكفّر، والمعلن بالفسق لا مروءة له.

(العناية ٤٥٥/٦، هداية ٤٠٦/٥ مكتبة البشرىٰ كراچی)

العدل في الشهادة: أن يكون مجتنبًا عن الكبائر، ولا يكون مصراً على الصغائر، ويكون صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من خطائه، وأن يستعمل الصدق ديانة ومروةً، ويجتنب عن الكذب ديانة ومروءة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٢٤/١١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اختلافِ مطالع کہاں معتبر نہیں ہے؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختلافِ مطالع کہاں معتبر نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاند کے مطالع میں حقیقی اختلاف تسلیم کرنے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ یہ اختلافِ مطالع شریعت کی نظر میں معتبر ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں تمام فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بلادِ قریبہ میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے، اور قریب کی حد یہ ہے کہ اس جگہ کی معتبر خبر کو مان لینے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹؍دن سے کم یا ۳۰؍دن سے زیادہ لازم نہ آتا ہو۔

إنه ليس بين تلك البلاد بعد كثير بحيث تختلف به المطالع؛ لكن ظاهر الإطلاق يقتضي لزوم عامة البلاد ما ثبت عند بلدة أخرىٰ، فكل من استفاض عندهم خبر تلك البلدة يلزمهم اتباع أهلها، ويدل عليه قوله: فيلزمهم أهل المشرق برؤية أهل المغرب. (منحة الخالق ۲۷۰/۲ کوئٹہ)

واعلم أن دليل من لم يقل باعتبار اختلاف المطالع قوله عليه السلام: إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، متفق عليه. (مشكاة المصابيح ۱۶۶/۱)

فإن اعتباره يتوقف على دقائق الهيئة والحساب التي لم نكلف بها، فاعتباره يستلزم التكليف بها، وهو منتف بالحديث فينفي الملزوم. (إعلاء السنن ۱۱۸/۹ دار الكتب العلمية)

وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳٦٥/۳ زكريا)

هٰذا اذا كانت المسافة بين البلدتين قريبة لا تختلف فيها المطالع. (بدائع الصنائع ۲۲٤/۲ زكريا، فتاویٰ الولوالجية ۲۳٦/۱، معارفِ مدنيه ۱۷/۱۰، احسن الفتاویٰ ٤۷٤/٤، فتاویٰ رشيديه ٤٥۱، امداد المفتيين ٤۸۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اختلافِ مطالع کہاں معتبر ہے؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختلاف مطالع کہاں معتبر ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا شرعاً اعتبار ہے، اور بعیدہ کی حد یہ ہے کہ وہاں کی رؤیت تسلیم کرنے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹ر دن سے کم یا ۳۰ر دن سے زیادہ کا لازم آجاتا ہو، ایسی جگہوں کی خبریں تسلیم نہیں کی جائیں گی، اگرچہ کتنے ہی وثوق کے ساتھ کیوں نہ آئیں، اس لئے کہ شریعت کی نظر میں کوئی مہینہ نہ تو ۲۹ر دن سے کم ہوسکتا ہے اور نہ ۳۰ر دن سے زیادہ ہوسکتا ہے۔

وحجة من يعتبر اختلاف المطالع في الصوم والفطر حديث كريب هٰذا (أي حديث الباب) قال الشوكاني: وجه الاحتجاج به أن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما لم يعمل برية أهل الشام، وقال في آخر الحديث: هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فدل ذٰلك على أنه قد حفظ من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه لا يلزم أهل بلد العمل برؤية أهل بلد آخر ...... واعلم أن الحجة إنما هي في المرفوع من رواية ابن عباس ...... وهو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: لا تصوموا حتى تروا الهلال ...... فإن غمّى عليكم فأكملوا العدة ثلاثين ...... ولو توجّه الإشارة في كلام ابن عباس إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد لأهل بلد آخر لكان عدم اللزوم مقيدًا بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم ۱۱۳/۳ رشيدية)

الأشبه أن يعتبر لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار. (تبيين الحقائق ۱٦٥/۲ زكريا)

أن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة لا البلاد النائية

الخ، أقول: لابد من تسليم قول الزيلعي، وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين، أو الثامن والعشرين، أو يوم الحادي والثلاثين، أو الثاني والثلاثين.

(العرف الشذي على هامش الترمذي ١٤٩/١، انوار رحمت ٥٥١، جدید فقهی مسائل ٣٣/٢، امداد الفتاویٰ ١٠٨/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اختلافِ مطالع معتبر ہے یا نہیں؟

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مختلف صوبوں میں رؤیتِ ہلال ہوئی؛ لیکن ہمارے صوبہ میں رویت نہیں ہوئی، تو کیا صوبوں کے درمیان اختلاف مطالع معتبر ہوگا؟ (ب) مطلع کی حدود کیا ہیں؟ (ج) ہم کس بنیاد پر دیگر صوبوں کی رویت کو مان کر رمضان وعید منا سکتے ہیں؟ (د) کیا پورے ہندوستان کا مطلع ایک ہی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندوستان کے کسی بھی صوبہ میں اگر معتبر طریقہ سے چاند کا ثبوت ہو جائے، تو اگر چہ اپنے یہاں چاند نہ دیکھا گیا ہو، پھر بھی اس معتبر خبر پر قاضی یا ہلال کمیٹی چاند کا فیصلہ کرسکتی ہے، ہندوستان کے سبھی صوبوں کا مطلع ایک ہی ہے، مطلع کی تبدیلی کا حکم اسی وقت لگتا ہے جب کہ وہاں کی رویت مان لینے سے اپنے یہاں ۲۸/ یا ۳۱/ دن کا مہینہ لازم آجاتا ہو، اگر یہ بات لازم نہ آتی ہو، تو حکماً مطلع ایک ہی سمجھا جائے گا، اس کو حضرات فقہاء نے بلادِ قریبہ اور بلادِ بعیدہ سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی بلادِ قریبہ میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں اور بلادِ بعیدہ میں معتبر ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱۲۳/۲)

عن ربعي بن حراش عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: اختلف الناس في آخر يوم من رمضان، فقدم أعرابيان فشهدا عند النبي

صـلى اللّٰه عليه وسلم، باللّٰه لأهلاّ الهلال أمس عشيّة، فأمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الناس أن يفطروا. زاد خلف في حديثه: وأن يغدوا إلى مصلاهم. (سنن أبي داؤد، الصيام / باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال ۱/ ۳۱۹ رقم: ۲۳۳۹)

إنه ليس بين تلك البلاد بعد كثير بحيث تختلف به المطالع؛ لكن ظاهر الإطلاق يقتضي لزوم عامة البلاد ما ثبت عند بلدة أخرىٰ، فكل من استفاض عندهم خبر تلك البلدة يلزمهم اتباع أهلها، ويدل عليه قوله: فيلزمهم أهل المشرق برؤية أهل المغرب. (منحة الخالق ۲/ ۲۷۰ كوئٹه)

وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳٦٥ زكريا)

هـذا إذا كـانت المسافة بين البلدتين قريبة لا تختلف فيها المطالع. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۲٤ زكريا، أحسن الفتاویٰ ٤/ ٤٧٤، فتاویٰ رشيدية ٤٠١)

إن عـدم عبـرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة لا البلاد النائية، أقـول: لابد من تسليم قول الزيلعي وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين أو الثامن والعشرين أو يوم الحادي والثلاثين أو الثاني والثلاثين. (العرف الشذي على هامش الترمذي ۱/ ۱٤۹، انوار رحمت ٥٥۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سعودی عرب کی رویت ہندوستان میں معتبر ہے یا نہیں؟

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختلافِ مطالع معتبر ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہے جیسا کہ کتبِ احناف سے ظاہر ہے، تو عیدین اور رمضان شریف میں امتِ مسلمہ کے درمیان شدید اختلاف کا کیا سبب ہے؟ ہر ملک میں

ہندوستان میں تو یہ معمول بن گیا ہے کہ دو مشہور جماعتوں میں اختلاف ہوجاتا ہے، ایک طبقہ اگر عید آج مناتا ہے، تو دوسرا طبقہ دوسرے دن، حالاں کہ موجودہ زمانہ میں ذرائع ابلاغ کی اتنی کثرت ہے کہ ایک لمحہ میں ایک خبر ساری دنیا میں پہنچ جاتی ہے، تو کیا موجودہ ذرائع ابلاغ کی خبر معتبر نہیں ہے؟ جیسا کہ تار کی خبر لائق اعتبار نہیں تھی، جب کہ تار میں کفار کا واسطہ ہوا کرتا تھا، اور اب فون یا فیکس میں کوئی واسطہ نہیں ہے، پس اگر ایک شہر میں جوکہ دور دراز مقام پر واقع ہے چاند کی تصدیق ہوگئی، وہاں سے ہمارے کسی متعارف نے موبائل یا فیکس پر ہم کو اطلاع دی کہ رمضان کا چاند ہوگیا ہے، یا عید کا چاند ہوگیا، تو یہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ جب کہ میں اس صاحب فیکس کی تحریر سے بخوبی واقف ہوں کوئی شبہ اور تردد نہیں ہے، نیز عموماً دیکھا جاتا ہے کہ مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ یعنی مملکت سعودی میں روزہ ایک دن پہلے ہوتا ہے، اور عید بھی ایک دن قبل ہوتی ہے، وہاں ہمارے ملک کے بے شمار لوگ قیام پذیر ہیں، وہ ہم کو بذریعہ ٹیلی فون عید کی مبارک باد دیتے ہیں، حالاں کہ یہاں معاملہ برعکس ہے، کیا ان کی خبر پر روزہ توڑ کر عید منانا شرعاً درست ہوگا؟ نیز خبر دینے والا عادل بھی ہے، اور اگر عادل نہیں ہے؛ لیکن وہ خبر اس وقت دے رہا ہے کہ مذکورہ شہر میں قاضی یا چاند کمیٹی نے اعلان رویت ہلال کردیا ہے، حاصل یہ کہ جب اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے، تو پوری دنیا میں عید ایک ساتھ منائی جاسکتی ہے یا رمضان کی ابتداء ایک ساتھ ہوسکتی ہے؟ تو امتِ مسلمہ میں اختلاف کا کیا سبب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جاننا چاہئے کہ چاند کا ایک قدرتی نظام ہے، اور مہینہ کے ہر دن کے لئے اس کی منزلیں متعین ہیں، اور بلا شبہ طول البلد اور عرض البلد کے اعتبار سے ہر علاقہ میں چاند کا مطلع بھی الگ الگ ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ مطالع کا یہ اختلاف شریعت کی نظر میں معتبر ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں تمام فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ:

الف:- بلادِ قریبہ میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے، اور قریب کی حد یہ ہے کہ اس جگہ کی

معتبر خبر کو مان لینے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹ر دن سے کم یا ۳۰ر دن سے زیادہ لازم نہ آتا ہو۔

ب:- بلادِ بعیدہ میں شرعاً اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے اور بعیدہ کی حد یہ ہے کہ وہاں کی رویت تسلیم کرنے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹ر دن سے کم یا ۳۰ر دن سے زیادہ کا لازم آتا ہو، ایسی جگہوں کی خبریں تسلیم نہیں کی جائیں گی، اگرچہ کتنے ہی وثوق کے ساتھ کیوں نہ آئیں؛ چوں کہ شریعت کی نظر میں کوئی مہینہ نہ تو ۲۹ر دن سے کم ہوسکتا ہے اور نہ ۳۰ر دن سے زیادہ ہوسکتا ہے۔

درج بالا دونوں اصولوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ ہندوستان کے طول وعرض میں سے کسی بھی جگہ سے آمدہ خبر جب کہ طریق موجب یا استفاضہ کے طور پر آئے اسے مانا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر سعودی عرب سے کوئی خبر آئے گی، تو یقینی خبر کے باوجود اس خبر پر ہندوستان میں چاند کے ثبوت کا مدار نہیں رکھا جاسکتا؛ کیوں کہ وہاں کا مطلع یہاں سے الگ ہے، اور وہاں کی خبر کو مان لینے سے اپنے یہاں کا مہینہ کم یا زیادہ ہونا لازم آتا ہے۔

چاند کے متعلق ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھنے چاہئے کہ چاند کے فیصلہ کا اختیار ہر کس وناکس کو نہیں ہوتا؛ بلکہ اسلامی حکومت اور اس کے ذمہ داروں کو ہی چاند کے اعلان کا حق حاصل ہے۔ اور جہاں اسلامی نظام حکومت قائم نہ ہو، وہاں معتبر رؤیتِ ہلال کمیٹیاں حاکم شرعی کے قائم مقام ہوتی ہیں؛ لہٰذا قریبی علاقہ سے آمدہ خبروں پر شرح صدر ہونے پر رؤیتِ ہلال کمیٹیاں چاند کا اعلان کرسکتی ہیں؛ لیکن جب تک کمیٹیاں اعلان نہ کریں کسی فرد کو اپنے طور پر چاند کے ثبوت پر عمل کرنا درست نہ ہوگا؛ اس لئے کہ آنجناب نے سوال نامہ میں جو باتیں لکھی ہیں وہ یقیناً قابلِ توجہ ہیں؛ لیکن ان کے متعلق درج بالا اصول کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ (مستفاد فتاوی رشیدیہ ۴۵۱، امداد الفتاوی ۱۰۸/۲، معارف مدینہ ۱۰/۱۷، انوار رحمت ۵۵۱، احسن الفتاوی ۴/۴۷، جدید فقہی مسائل ۲/۳۳)

عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى الخ. (درمختار ۳/۳٦۳-۳٦٤)

ولا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۹۸)

وإذا ثبت في مطلع قطر لزم سائر الناس في ظاهر المذهب، وعليه الفتوى وأكثر المشايخ. (نور الأيضاح ١٢٤)

عن كريب أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، قال: فقدمت الشام فقضيت حاجتها واستهل على رمضان وأنا بالشام، فرأيت الهلال، فقلت: رأيناه ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته؟ فقلت: نعم رآه الناس وصاموا، وصام معاوية، فقال: لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال أصوم حتى تكمل ثلاثين أو نراه، فقلت: ألا تكفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا، هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح مسلم ٣٤٩/١، سنن أبي داؤد ٣١٩/١، سنن الترمذي ١٤٨/١)

وحجة من يعتبر اختلاف المطالع في الصوم والفطر حديث كريب هٰذا (أي حديث الباب) قال الشوكاني: وجه الاحتجاج به أن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما لم يعمل برية أهل الشام، وقال في آخر الحديث: هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فدل ذٰلك على أنه قد حفظ من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه لا يلزم أهل بلد العمل برؤية أهل بلد آخر ...... واعلم أن الحجة إنما هي في المرفوع من رواية ابن عباس ...... وهو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: لا تصوموا حتى تروا الهلال ...... فإن غمّى عليكم فأكملوا العدة ثلاثين ...... ولو توجّه الإشارة في كلام ابن عباس إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد لأهل بلد آخر لكان عدم اللزوم مقيدًا بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع. (فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم ١١٣/٣ رشيدية)

هٰذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا يختلف فيها المطالع، فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدتين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف، فيعتبر في أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع

الصنائع ۲/ ۲۲٤ – ۲۲۵)

وقيل: يختلف ثبوته باختلاف المطالع، واختاره صاحب التجريد كما إذا زالت الشمس عند قوم وغربت عند غيرهم، فالظهر على الأولين لا المغرب لعدم انعقاد السبب في حقهم. (مراقي الفلاح ۳۵۹)

أهل بلدة إذا راؤوا الهلال، هل يلزم في حق كل بلد؟ اختلف فيه، فمنهم من قال: لا يلزم الخ، وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع لزم حكم أحد البلدتين البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوت يختلف المطالع لم يلزم حكم أحد البلدتين البلدة الأخرى. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۸/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے معتبر ہوگی؟

سوال (۱٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شہر میں چاند کی رؤیت ہوگئی ہے اور شرعی شہادت کے بعد اس شہر کی ہلال کمیٹی نے چاند کا اعلان کردیا، تو کیا یہ اعلان صرف اسی شہر کے لئے معتبر ہے یا اس اعلان کا اعتبار دوسرے شہروں میں بھی کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں دوسری جگہوں پر بھی اس فیصلہ کا اعتبار کیا جائے گا، جب کہ یقینی طور پر استفاضہ وغیرہ کے ذریعہ وہاں خبر پہنچ جائے، اور اسے تسلیم کرنے سے اپنے یہاں کے مہینہ میں کمی بیشی نہ ہوتی ہو۔

عن ربعي بن حراش عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: اختلف الناس في آخر يوم من رمضان، فقدم أعرابيان فشهدا عند النبي

صلى الله عليه وسلم، بالله لأهلاّ الهلال أمس عشيّة، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس أن يفطروا. زاد خلف في حديثه: وأن يغدوا إلى مصلاهم. (سنن أبي داؤد، الصيام / باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال ۳۱۹/۱ رقم: ۲۳۳۹)

قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاضه وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هٰذه البلدة. (شامی ۳۵۹/۳)

اعلم أن المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت إلى البلدة التي لم يثبت بها. (منحة الخالق ۲۷۰/۲)

عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: أرأيت إن أصبح أهل مكة مفطرين أو رجل أو رجلان، ثم جاء هم أن قد رأى الهلال، فجاء هم الخبر من أول النهار، أو من آخر النهار، كانوا يقضونه بعد؟ قال: يأكلون ويشربون إن شاؤوا ولم يوجب عليهم أن يصوموا بقيته. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۵۸/٦ رقم: ٦٥٦٩)

إن الصحيح من مذهبنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلدة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳٦٦/۳ زکریا، مجمع الأنهر بیروت ۳۵۲/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مضافاتی رؤیت اور تصدیقات کا شہر میں اعتبار ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شہر میں چاند کی رؤیت نہیں ہوئی، نہ شرعی شہادت وتصدیق حاصل ہوئی؛ لیکن اس شہر کے مضافات میں رؤیتِ ہلال ہوگئی، یا شرعی شہادت وتصدیقات حاصل ہوگئیں، تو کیا ان مضافاتی رؤیت وشہادت وتصدیقات پر شہر مذکورہ میں روزہ رکھنا اور عید منانا صحیح ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر کے مضافات سے اگر رؤیتِ ہلال کی خبر شرعی شہادت یا استفاضہ کے ساتھ موصول ہو اور اس شہر کی رؤیتِ ہلال کمیٹی اس خبر کو تسلیم کرلے، تو اس کی بنیاد پر مذکورہ شہر میں روزہ رکھنا اور عید منانا درست ہوگا۔ (مستفاد: مرغوب الفتاویٰ ۳/۳۹۲، کتاب المسائل ۲/۱۲۶)

لو استفاض الخبر في البلدة الأخریٰ لزمهم علی الصحیح من المذهب، وفي الشامي قال شمس الأئمة الحلواني: الصحیح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فیما بین أهل البلدة الأخریٰ یلزمهم حکم هٰذه البلدة. (شامي ۳/۳۵۹ زکریا)

وإنما الخلاف في اعتبار اختلاف المطالع بمعنی أنه هل یجب علی کل قوم اعتبار مطلعهم ولا یلزم أحدا العمل بمطلع غیره أم لا یعتبر إختلافها؛ بل یجب العمل بالأسبق رؤیته، حتی لو رأی في المشرق لیلة الجمعة وفي المغرب لیلة السبت وجب علی أهل المغرب العمل بما رآه أهل المشرق، فقیل: بالأول واعتمده الزیلعي وصاحب الفیض، وهو الصحیح عند الشافعیة ...... وظاهر الروایة الثاني وهو المعتمد عندنا، وعند المالکیة وعند الحنابلة. (شامي ۳/۳٦٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۸/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خبرِ مستفیض کے بعد جب چاند کا ثبوت ہوجائے تو قریبی علاقوں میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں؟

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں اب گذرے رمضان کے آخر میں عید کے بارے میں اختلاف ہے، دہلی وغیرہ میں چند آدمیوں کی شہادت پر عید ہوگئی، بہت سی جگہوں پر دہلی کی خبر کو غیر معتبر مان کر عید نہیں ہوئی، ہمارے یہاں بھی خبر پر ۲۹/رمضان کے حساب سے ۲۴/اکتوبر کو عید کی نماز پڑھی گئی، بعد میں معلوم

ہوا کہ ہندوستان کے اکثر جگہوں پر مثلاً: لکھنؤ، مرادآباد، سورت، بمبئی، مہاراشٹر، جموں وکشمیر وغیرہ اور جگہوں میں بھی عید کی نماز نہیں پڑھی گئی، ان خبروں کی بناپر یہاں لوگوں کو شک میں ڈال دیا ہے؛ کیوں کہ خبروں پر عید منائے جانے کی جو صورت ہے اس میں خبر مستفیض ہونا شرط ہے، اختلاف کی وجہ سے خبرِ متواتر ہونا نہ مانا گیا۔ اسی بناپر جن جن لوگوں نے ۲۴؍اکتوبر کو عید کی نماز پڑھی، وہ رمضان کا مہینہ ہونے کی وجہ سے عید نہ ہونا بتا کر ۲۵؍اکتوبر دوبارہ عید کی نماز پڑھی۔

اب سوال یہ ہے کہ برابر کے مطلع پر رہنے والے لوگوں پر ایک جگہ ۳۰؍رمضان کا اور ایک جگہ ۲۹؍رمضان کا ہونا کہاں تک صحیح ہے؟ ۲۹؍رمضان والے لوگوں کا ایک دن کا روزہ قضا ہوگا یا نہیں؟ ایک ملک کے ہی لوگ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں چند آدمیوں کی شہادت پر یا خبر پر ۲۹-۳۰؍میں اختلاف ہوجائے، تو شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سال ۱۴۲۷ھ عید الفطر کا چاند ۲۹؍رمضان، مطابق ۲۳؍اکتوبر ۲۰۰۶ء کو ملک کے بہت سے حصوں میں دیکھا گیا، مثلاً میوات، مدراس، کرناٹک اور یوپی کے متعدد علاقے، ان مقامات سے شہادت اور اخبار مستفیضہ کی بنیاد پر دلی کی رؤیتِ ہلال کمیٹیوں نے چاند کے ثبوت کا اعلان کیا، دارالعلوم دیوبند کی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے بھی ان خبروں کو تسلیم کرکے چاند کے تصدیق کردی اور یوپی اور بہار میں ان اعلانات پر اکثر جگہ ۲۴؍اکتوبر بروز منگل عید منائی گئی، بعض جگہوں پر مسلکی اختلاف کی بناپر دوسرے فرقہ والوں نے ۲۵؍کو عید منائی، مگر علماحق نے خبر مستفیض کو تسلیم کرکے ۲۴؍اکتوبر کی عید ہی کو صحیح سمجھا؛ اس لئے کہ مفتی بہ قول کے مطابق اختلافِ مطالع قریبی علاقوں میں معتبر نہیں ہے، اس لئے جب استفاضہ کے طور پر چاند کا ثبوت ہوجائے، تو ہر علاقہ والوں کو اس کا ماننا ضروری ہے۔

إن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا أستفاض، وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلدة. (شامي ۳/ ۳۵۹ زكريا)

لـو استفاض الخبر في البلدة الأخرىٰ لزمهم على الصحيح من المذهب،

وفي الشامي قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرىٰ يلزمهم حكم هٰذه البلدة. (شامي ۳/ ۳۵۹ زكريا)

وإنما الخلاف في اعتبار اختلاف المطالع بمعنى أنه هل يجب على كل قوم اعتبار مطلعهم ولا يلزم أحدا العمل بمطلع غيره أم لا يعتبر إختلافها؛ بل يجب العمل بالأسبق رؤيته، حتى لو رأى في المشرق ليلة الجمعة وفي المغرب ليلة السبت، وجب على أهل المغرب العمل بما رآه أهل المشرق، فقيل: بالأول واعتمده الزيلعي وصاحب الفيض وهو الصحيح عند الشافعية......، وظاهر الرواية الثاني وهو المعتمد عندنا وعند المالكية وعند الحنابلة. (شامي ۳/ ۳٦٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/ ۱۰/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس جگہ مطلع ابر آلود ہو وہاں کی رؤیت دو گواہوں کے ساتھ ایسے شہر میں جہاں مطلع صاف ہو؟

سوال (۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۲۹/ رمضان کو ایک شہر میں مطلع صاف ہے جم غفیر کی انتہائی چھان بین کے باوجود چاند نظر نہ آیا، کسی قریبی یا دور کے شہر میں مطلع ابر آلود ہے، وہاں عمومی رؤیت نہ ہوئی؛ لیکن دو گواہوں کی گواہی سے شہر کے امیر نے رؤیت کا فیصلہ کیا۔ تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ جس شہر میں مطلع ابر آلود ہے، وہاں دو گواہوں کے ذریعہ کیا جانے والا فیصلہ آیا اس شہر کے لئے قابلِ اعتبار رہے جہاں مطلع صاف ہے؛ لیکن چاند نظر نہیں آیا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں مطلع صاف ہے اور چاند نظر نہیں آیا، اگر وہاں کسی دوسرے شہر سے چاند کے ثبوت کی گواہی یا فیصلہ طریقِ موجب کے طور پر پہنچے کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے اور اس کو ماننے سے وہاں کا مہینہ ۲۸/دن کا ہونا بھی لازم نہ آتا ہو، تو اس شہر والوں کے لئے اس خبر کے مطابق اپنے یہاں مہینہ کی ابتداء اور انتہاء کا فیصلہ کرنا درست ہے۔

(مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، تحفہ رمضان ۴۰)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون. قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث غريب حسن، وفسر بعض أهل العلم هٰذا الحديث، فقال: إنما معنى هٰذا الصوم والفطر مع الجماعة وعظم الناس. (سنن الترمذي ١٥٠/١)

قال العلامة التهانوي: تقريره أنه عليه السلام أضاف الصوم والفطر إلى جماعة ...... فلا بد في أصل الحكم من الجماعة الكثيرة أو جميع المسلمين الموجودين في بلدة مثلاً في هٰذه الأحكام إلا إذا عرض عارض ككون السماء مغيمة مثلاً. (إعلاء السنن ١٢٦/٩ دار الكتب العلمية بيروت)

قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاضه وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هٰذه البلدة. (شامی ٣٥٩/٣ زكريا)

اعلم أن المراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت إلى البلدة التي لم يثبت بها. (منحة الخالق ٢٧٠/٢)

إن الصحيح من مذهبنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلدة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٦٦/٣ زكريا، مجمع الأنهر ٣٥٢/١ بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶؍۶؍۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاند کی رؤیت کے لئے فلکیاتی حساب کو معیار بنانا؟

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) ۲۹؍شعبان یا ۲۹؍رمضان کو اگر مطلع ابر آلود ہو اور اس دن فلکیاتی حساب کے اعتبار سے رؤیتِ ہلال کا امکان نہ ہو، تو اس دن دو گواہوں کی گواہی سے رؤیت کے ثبوت کا فیصلہ شرعی اعتبار سے کیا جاسکتا ہے؟ اس دن اگر مطلع صاف ہو تو دو گواہوں کی گواہی سے کیا رؤیتِ ہلال کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ ہلال کی رؤیت یا عدم رؤیت کے فیصلے میں فلکیاتی حساب کی مدد لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) سعودی عرب ودیگر عرب ممالک کے رؤیتِ ہلال کے فیصلے سے متعلق مفتیانِ ہند کیا رائے رکھتے ہیں؟

(۳) فلکیاتی حساب سے اجتماعِ شمس وقمر سے پہلے اگر دو گواہ رؤیت کی گواہی دیں، تو یہ گواہی قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟

(۴) پیدائش قمر کے بعد لیکن جب کہ چاند کی عمر انسانی آنکھ سے دکھائی دینے کے قابل نہ ہو، (یہ وقفہ کم سے کم اٹھارہ گھنٹے ہوتا ہے) اس سے پہلے دو گواہوں کی گواہی سے (جب کہ ملک میں سیکڑوں شہروں میں جم غفیر کو چاند نظر نہ آیا ہو) رؤیتِ ہلال کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

(۵) انٹرنیٹ پر ویب کیمرہ کی مدد سے (جس میں بولنے والے کی تصویر نظر آتی ہے) چاٹنگ کے ذریعہ کسی شہر یا دیہات کا باشندہ امیر رؤیتِ ہلال کمیٹی کو چاند دیکھنے کی گواہی دے تو یہ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاند کے ثبوت کے لئے فلکیاتی حساب کو شرعاً معیار نہیں بنایا جاسکتا؛ بلکہ چاند کے ثبوت کا مدار رؤیتِ بصری پر ہے، اگر مطلع ابر آلود ہو تو چند افراد کی

شہادت معتبر مانی جاتی ہے؛ لیکن اگر مطلع صاف ہوتو جم غفیر کا دیکھنا شرط ہے، فلکیاتی حساب سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا، بلکہ وہ محض تخمینی چیز ہے؛ لہٰذا جس دن حساب کی رو سے چاند ہونے کا امکان نہ ہوا اور اس دن چاند کی گواہی قاضی (یا اس کے قائم مقام) کے سامنے پیش کی جائے تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ اس گواہی پر مضبوط انداز میں جرح کرے؛ تاکہ گواہی کے خلافِ واقعہ ہونے کا امکان نہ رہے، اس کے بعد ہی چاند کے بارے میں فیصلہ کا اعلان کیا جائے۔

عن حسين بن الحارث الجدلي قال: خطب عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب في اليوم الذي يشك فيه، فقال: ألا إني قد جالست أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وسألتهم، ألا وإنهم حدثوني أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، وأنسكوا لها، فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين، وإن شهد شاهدان مسلمان فصوموا وأفطروا. (مسند أحمد ٤/ ٣٢١ رقم: ١٨٨٩٤، سنن النسائي ٤/ ١٣٢ رقم: ٢١١٦)

ولا عبرة بقول الموقتين أي في وجوب الصوم على الناس (شامي ٣/ ٣٥٤ زكريا)

وإذا لم تكن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم، وإذا كان بالسماء علة قبل الإمام شهادة الواحد العدل في رؤية الهلال. (هداية ١/ ١٩٥، ومثله في المجمع الأنهر ١/ ٢٣٦، البحر الرائق ٢/ ٢٦٨، تبيين الحقائق ٢/ ١٦٣ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٣٥٩ زكريا، درمختار مع الشامي ٣/ ٣٥٥-٣٥٦ زكريا)

هٰذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا يختلف فيها المطالع، فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة فيعتبر في كل أهل مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع ٢/ ٢٢٤)

وعبارة الزيلعي والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، وكلما تحرك

الشـمس بدرجة فتلك طلوع فجر لقوم، وطلوع شمس لآخر، وغروب لبعض ونصف الليل لبعض. (الجواهر النيرة ۱۹-۱۸)

إلا أن أصـحاب الشافعي صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البعيد. (رحمة الأمة في اختلاف الأئمة ۷٦)

سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں چاند کا اعلان ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک کے لئے معتبر نہیں ہے؛ کیوں کہ وہاں کا فیصلہ ماننے سے یہاں قمری مہینہ ۲۸؍ دن کا ہونا لازم آتا ہے، جو قابلِ قبول نہیں۔ (مستفاد: انوار رحمت ۵۵۱، تحفہ رمضان ۴۰)

فـإمـا إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عـنـد الـمسـافة الفاحشة تختلف فيعتبر في أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر الخ. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۲٤ زكريا)

هٰذا إذا كـانـت الـمسـافة بين البلدتين قريبة لا تختلف فيها المطالع.

(بـدائـع الـصـنـائـع ۲/ ۲۲٤ زكريا، ومثله في إعلاء السنن ۹/ ۱۰۲، الولوالجية ۱/ ۲۳٦، معارفِ مدنيه ۱۰/ ۱۷، احسن الفتاویٰ ٤/ ٤۷٤، فتاویٰ رشيديه ٤٥۱، امداد المفتيين ٤۸۳)

فلکیاتی حساب کے خلاف پیش کردہ گواہی گہری چھان بین کے بعد ہی قبول کی جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ تجربہ سے یہ بات مشاہد ہے کہ اجتماعِ شمس وقمر اور پیدائش قمر کے بغیر چاند دیکھنے کا تحقق نہیں ہو پاتا۔

لاعبرة بقول المؤقتين أي في وجوب الصوم على الناس. (شامي ۳/ ۳٥٤ زكريا)

انٹرنیٹ کی باتصویر خبر شہادت نہیں ہے؛ لہٰذا محض اس خبر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ دیگر قرائن یا خبر مستفیض سے چاند کا ثبوت نہ ہو جائے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۵۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ممالکِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع معتبر ہونے اور نہ ہونے کی تحقیقی بحث

سوال (۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرات ائمہ مجتہدین وفقہاء کرام کی متفقہ رائے ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں، یعنی ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، چاہے دونوں شہروں میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو؟ حتی کہ اگر ابتداء مغرب میں چاند دیکھنا ثابت ہو جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔

نمونہ کے طور پر کچھ ادلہ پیش خدمت ہے:

(۱) **قوله: ولا عبرة لاختلاف المطالع، فإذا رأه أهل بلدة ولم يره أهل بلدة أخرى وجب عليهم أن يصوموا برؤية أولئک إذا ثبت عندهم بطريق موجب ويلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب.** (البحر الرائق ۲۸)

(۲) **فصل: واتفقوا على أنه إذا رأى الهلال في بلد رؤية فاشية، فإنه يجب الصوم على سائر أهل الدنيا.** (رحمة الأمة في اختلاف الأئمة ۷٦، من تاليف أبي عبدالله صدر الدين محمد بن عبدالرحمن بن حسين الدمشقى العثمانى الشافعى المتوفى ۷۸۰)

(۳) اختلافِ مطالع صوم اور افطار میں معتبر نہیں، اور سوائے اس کے معتبر ہے یہ ظاہر روایت ہے، اور بعض علمائے حنفیہ کے نزدیک صوم افطار میں بھی معتبر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۳۴۸)

(۴) ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر ابتداء مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہاء مشرق کے رہنے والوں کو پہنچ جائے، تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا۔ (بہشتی زیور تتمہ ۳/۱۰۴)

(۵) **اختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب، فيلزم أهل المشرق بروية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريقة موجبة.**

(درمختار ۱٤۹)

(۶) اورعدم اعتبار اختلاف مطالع امام اعظم کی ظاہر روایت میں ہے۔ كـــمـــا فـــي الشـامـي: وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة لحديث أبي هريرة قال: صوموا لرؤية وأفطروا لرؤية، متفق عليه. (تنظيم الأشتات ١ ٤١)

(۷) ولا عبرة لاختلاف المطالع. (كنز الدقائق ٦٧)

إذا رأى الهلال أهل بلدة يلزم ذلک أهل بلدة أخرى في ظاهر الرواية، مطلقاً سواء كان بين البلدتين تفاوت أولا، وعليه الفتوىٰ. (حاشية كنز الدقائق)

(۸) ولا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية، لو رأى أهل المغرب هلال رمضان يجب الصوم على أهل المشرق. (الفتاوىٰ الهندية ١٩٨)

(۹) إذا ثبت رؤية الهلال من الإفطار وجب الصوم على سائر الأقطار لا فرق بين القريب والبعيد ولا عبرة باختلاف مطلع الهلال مطلقاً عند ثلاثة من الأئمة. (الفقه على المذاهب الأربعة ١ ٤٣١)

(۱۰) وإذا رأه أهل بلد أي إذا ثبت رؤيته ببلد لزم الناس كلهم الصوم، لقوله عليه السلام: صوموا لرؤيته خطاب للأمة كافة. (الروض المربع للشيخ منصور بن يوسف المتوفى ١٠٥١ قاهره)

(۱۱) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون، قال أبوعيسى: هذا حديث غريب حسن، وفسر بعض أهل العلم هٰذا الحديث فقال: إنما معنى هذا: الصوم والفطر مع الجماعة، وعظم الناس. (سنن الترمذي ١/ ١٥٠)

(۱۲) وإذا ثبت في مطلع قطر لزم سائر الناس في ظاهر المذهب، وعليه الفتوى وأكثر المشايخ. (نور الإيضاح ١٢٤)

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم!

مواصلات کے عدم فراوانی کی وجہ سے اب تک بلادِ بعیدہ یعنی بنگلہ دیش، ہندوستان،

پاکستان وغیرہ میں حضرات ائمۂ مجتہدین وفقہاء کرام کی رائے پر پوری طرح عمل ممکن نہ ہوا؛ بلکہ متاخرین احناف واصحابِ شافعی کی رائے پر اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہوئے اکثر مسلمین عامل ہیں،ان کے بھی کچھ دلائل پیشِ خدمت ہے۔

(۱) بـاب ما جاء لكل أهل بلد رؤيتهم: قال كريب: ثم قدمت المدينة في آخـر الشهـر، فسـالـنـي ابـن عبـاس، ثـم ذكـر الهلال، فقال: متى رأيتم الهلال؟ فـقـلـت: رأيـنـاه لـيـلـة الـجمعة، فقال: أنت رأيته ليلة الجمعة؟ فقلت: رآه الناس وصـامـوا وصام معاوية، فقال: لكن رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثـلثيـن يوما، فقلت: ألا تكتفي برؤية معاوية وصيامه؟ قال: لا، هٰكذا أمرنا رسول اللّٰـه صـلـى الـلّٰـه عـليـه وسلم، قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حديث حسن صـحيـح غـريـب، والـعـمـل عـلـى هٰذا الحديث عند أهل العلم إن لكل أهل بلد رؤيتهم. (سنن الترمذي ١٤٩/١)

(۲) متاخرین فقہائے حنفیہ میں علامہ فخر الدین زیلعیؒ صاحبِ تبیین الحقائق، اور صاحبِ بدائع علامہ ابوبکر علاء الدین الکاسانیؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ اور علامہ جرجانیؒ، اور صاحب تجرید القدوریؒ وغیرہم جن کی جلالتِ شان فقہاء حنفیہ میں مسلم ہے، انہوں نے آخری قول کو راجح قرار دے کر کہا کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا چاہئے، اگرچہ بلادِ قریبہ میں اس کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ بدائع الصنائع کی عبارت یہ ہے:

(۳) هٰذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا يختلف فيها المطالع، فأما إذا كـانـت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة فيعتبر في كل أهل مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع ٢/ ٢٢٤)

(۴) وعبارة الزيلعي والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانـفـصـال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، وكلما تحرك

الشـمس بدرجة فتلك طلوع فجر لقوم، وطلوع شمس لآخر، وغروب لبعض ونصف الليل لبعض. (الجواهر النيرة ۱۹-۱۸)

(۵) إلا أن أصحاب الشافعي صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البعيد. (رحمة الأمة في اختلاف الأئمة ٧٦)

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم!

دورِ حاضر میں ایجادات کی فراوانی نے ساری دنیا کے لوگوں کو ایک ہتھیلی میں کر دیا ہے، بناء بریں مواصلات کے اعتبار سے پوری دنیا میں اب کوئی جگہ بلادِ بعیدہ نہیں ہے، حالاں کہ جن حضرات نے مجبوراً اختلافِ مطالع کا جو اعتبار کیا ہے، وہ بلاد بعیدہ میں؛ اس لئے حضرات ائمۂ مجتہدین وفقہاء کرام کی رائے پر عمل کرنا سہل وضروری ہوگیا، ورنہ قرآن حدیث کی روشنی میں ان حضرات کی رائے کے موافق جان بوجھ کر روزے میں افطار کرنا اور عید میں روزہ رکھنے جیسے حرام کام میں مسلمان مبتلا ہوگا، مثلاً: بیٹا مکہ مکرمہ سے فون کر کے کہتا ہے کہ ابا جان کیسے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ باپ بولا بیٹا اچھا ہوں، دوپہر کا کھانا کھا رہا ہوں، بیٹا بولتا ہے ابا جان! یہاں گذشتہ کل سے روزہ ہے، عید کی نماز کے بعد بیٹا بولتا ہے کہ ابا جان! عید مبارک! باپ بولتا ہے بیٹا! ہمارے یہاں اب تک روزہ ہے، آج اگر چاند نظر آئے تو کل عید ورنہ پرسوں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ! نیا چاند سب سے پہلے اکثر حجاز مقدس میں رونما ہوتا ہے، جس طرح مکہ مکرمہ مکاناً سارے عالم کا مرکز وقبلہ ہے، اگر زماناً بھی اس کو سارے عالم کا مرکز بنا کر ہجری کیلنڈر کو پورے دنیا کے لئے ایک ہی کیا جائے تو تمام مسلمان اس بارے میں متحد ہو سکتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ! حضرات ائمۂ مجتہدین کے رائے گرامی قرآن وحدیث اور واقعہ کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے مختلف فرقے نہایت زور شور سے ان کو تقریراً وتحریراً اس طرح آشکارا کر رہے ہیں، شاید کہ عنقریب وہ سرکاری طور پر عملاً نافذ کرالیں گے۔

محترم مفتی صاحب مدظلہ! چوں کہ ہم حضرات ائمۂ مجتہدین کی تقلید کو واجب سمجھتے ہیں،

حضرات فقہاء کرام کی اتباع واطاعت کرتے ہیں، علماء دیو بند یعنی حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ وغیر ہم کے معتقد ہیں، ہمارے لئے ان کے خلاف نہ کرکے ان کے اتباع میں اور ان سے بھی پیش قدمی کرنا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ! آپ اگر ان حضرات سے بجان ودل متفق ہیں، تو براہ کرم اس پر مطلع فرمادیں، ورنہ قرآن وحدیث کے رو سے اپنی رائے گرامی تحریر فرماتے ہوئے ممنون ومشکور فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مما لکِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع یقیناً معتبر ہے، اور بعیدہ کا معیار یہ ہے کہ وہاں کی رؤیت تسلیم کر لینے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹ر سے کم ہونا لازم آتا ہو؛ البتہ مما لکِ قریبہ یعنی جہاں کی رؤیت تسلیم کرنے سے اپنے یہاں کی تاریخ میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو، ان میں اختلافِ مطالع کا واقعۃً اعتبار نہیں ہے، فقہاء واکابر کی وہ عبارتیں جن میں اختلافِ مطالع معتبر نہ ہونے کی بات مطلق لکھی گئی ہے، ان کا تعلق صرف مما لکِ قریبہ سے ہے مما لکِ بعیدہ سے ہرگز نہیں ہے، اور چوں کہ سابقہ زمانہ میں مواصلات کے ایسے ذرائع نہ تھے، جو آج موجود ہوگئے ہیں؛ اس لئے ان کے ذہن میں یہ بات ہی نہ تھی کہ مطلع بدلنے والی جگہ سے بروقت چاند کی خبر آسکتی ہے؛ اس لئے انہوں نے ہر جگہ اس کی وضاحت ضروری نہ سمجھی، جیسا کہ آپ نے سوال نامہ میں عبارتیں اور فتاویٰ نقل کئے ہیں؛ لیکن بعض دیگر عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مما لکِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع معتبر ہونے کی بات ہی راجح ہے۔ عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن كريب أن أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، فقدمت الشام فقضيت حاجتها، واستهل علي رمضان وأنا بالشام فرأيت الهلال، فقلت: رأيناه ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته؟ فقلت: نعم، ورآه الناس وصاموا وصام معاوية، فقال: لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين أو نراه، فقلت: ألا تكتفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا، هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه

صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح مسلم ۱/ ۳٤۸، سنن أبي داؤد ۱/ ۳۱۹، سنن الترمذي ۱/ ۱٤۸)

(۲) **هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا يختلف فيها المطالع، فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف، فيعتبر في أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر.** (بدائع الصنائع ۲/ ٤ ۲۲-۲۲۵ زکريا)

(۳) علامہ شامیؒ نے منحۃ الخالق میں لکھا ہے: **أنه ليس بين تلك البلاد بعد كثير بحيث تختلف به المطالع.** (منحة الخالق على هامش البحر ۲/ ۲۷۰)

(۴) علامہ شرنبلالیؒ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

وقيل: يختلف ثبوته باختلاف المطالع، واختاره صاحب التجريد، كما إذا زالت الشمس عند قوم غربت عند غيرهم، فالظهر على الأولين لا المغرب لعدم انعقاد السبب في حقهم. (مراقي الفلاح ۳۵۹)

(۵) علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

وهو الأشبة؛ لأن انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، كما في دخول الوقت وخروجه، وهذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة، وأقل ما تختلف فيه المطالع مسيرة شهر كما في الجوهرة. (حاشية الطحطاوي على المراقي ۳۵۹)

(٦) فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

أهل بلدة إذا رأووا الهلال، هل يلزم في حق كل بلدة اختلف فيه، فمنهم من قال: لا يلزم – إلى قوله – وفي القدوری: إذا كان بين البلدين تفاوت لا يختلف المطالع، لزم حكم أحد البلدين البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوت يختلف المطالع لم يلزم حكم أحد البلدين البلدة الأخرى. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۳۵۵)

(۷) **بعضهم قالوا: لا يلزم، وإنما المعتبر في حق كل بلدة رؤيتهم**

وبنحوه ورد الأثر عن ابن عباس رضي الله عنهما. (المحيط البرهاني ٢/ ٥٤٩)

(۸) علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وقال الزيلعي شارح الكنز: إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة: لا البلاد النائية، قال: وكذلك في تجريد القدوري، وقال به الجرجاني: أقول: لا بد من تسليم قول الزيعلي، وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين، أو الثامن والعشرين، أو يوم الحادي والثلاثين، أو الثاني والثلاثين، لأن هلال بلاد قسطنطنية ربما يتقدم على هلالنا بيومين، فإذا صمنا على هلالنا ثم بلغنا رؤية هلال قسطنطنية يلزم تقديم العيد أو يلزم تاخير العيد – إلى قوله – وكنت قطعت بما قال الزيلعي، ثم رأيت في قواعد ابن رشد إجماعاً على إعتبار اختلاف المطالع في البلدان النائية، وأما تحديد القرب والنائي فمحمول إلى المبتلى به، ليس له حد معين. (العرف الشذي على هامش الترمذي ١/ ١٤٩)

(۹) علامہ زیلعیؒ نے لکھا ہے:

الأشبة أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت، وخروجه يختلف باختلاف الأقطار. (تبيين الحقائق ١/ ٣٢١)

(۱۰) علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

ولو سلم توجه الإشارة في كلام ابن عباس إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد لأهل بلد آخر لكان عدم اللزوم مقيداً بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع. (إعلاء السنن ٩/ ١٠٢ كراچی)

(۱۱) علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلی لکھنوی نے ''مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ'' میں بزبانِ فارسی جو لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: عقل ونقل ہر دولحاظ سے سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ

ایسے دوشہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطلعے بدل جائیں، جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے، اس میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہیں ہونی چاہئے، اور قریبی شہروں میں جن کے مابین ایک ماہ سے کم مسافت ہو، تو ایک شہر میں رؤیت دوسرے شہر کے لئے لازمی اور ضروری ہے، یہ رائے بالکل متوازن اور معتدل ہے۔ (جدید فقہی مسائل ۲/۳۳)

(۱۲) فقیہ النفس حضرت گنگوہیؒ نے بعض علماء حنفیہ کا مسلک اختلافِ مطالع صوم وافطار میں معتبر ہونے کا نقل کیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۴۵۱)

(۱۳) حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافِ مطالع کو قیاس کا مقتضی قرار دیا ہے۔ (امداد الفتاوی ۲/۱۰۸)

(۱۴) حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ اگر اتنا فاصلہ ہو کہ اعتبار نہ کرنے کی صورت میں ایک تاریخ یا اس سے زائد کا فرق پڑ جاتا ہو، تو ایسے دو مقامات کے درمیان اختلافِ مطالع معتبر ہونا چاہئے؛ کیوں کہ احادیث میں صراحت ہے کہ مہینہ ۲۹/دن سے کم اور ۳۰/دن سے زائد نہیں ہوتا۔ (معارف مدنیہ ۱/۱۷۰، مستفاد از: انوار رحمت ۱۵۵)

(۱۵) علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں: بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا معتبر ہونا مسئلۂ اجماعی ہے۔ (كما صرح به ابن عبدالبر وغيره) حنفیہ کے یہاں بھی بلادِ بعیدہ میں معتبر ہونا متعین ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/۴۷۴)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت اور فقہی جزئیات وکلیات کی روشنی میں مکہ معظّمہ کی رؤیت کو ساری دنیا کی رؤیت قرار دینے کا نظریہ قطعاً غلط اور ناقابلِ عمل ہے، اور حدیث "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته" (سنن الترمذي ١٤٨/١) اور ماقبل میں ذکر کردہ حدیثِ کُریب کے مدلول کے خلاف ہے، اسے ہرگز معیار نہیں بنایا جاسکتا، ہمارے تمام اکابر کا نظریہ یہی رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۳/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹؍ویں شب میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے دیر رات فون پر چاند کی اطلاع ملنا؟

سوال (۲۲) :-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر رمضان المبارک کی ۲۹؍ویں شب کو مطلع صاف نہیں تھا، اس وجہ سے چاند نظر نہیں آیا اور کوئی اطلاع بھی رات کا کچھ حصہ گذرنے تک نہیں تھی کہ بعد میں ریڈیو یا کسی مفتی نے اطلاع دی، فون آگیا تو شرعاً چاند کا ثبوت ہوا یا نہیں؟ اگر ثبوت ہوگیا تو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور روزہ رکھنے والوں کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ نیز مفتیانِ کرام کی اطلاع کتنی مسافت تک معتبر ہے، اور مفتیانِ کرام کے ہر فتویٰ پر عمل ضروری ہے، خواہ وہ شرعی ہو یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فون یا ریڈیو سے جب چاند کا یقینی ثبوت ہو چکا تھا تو اگلے دن روزہ رکھنا درست نہیں ہوا، اور معتبر قول کے مطابق چوں کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے؛ لہٰذا جہاں تک بھی خبر مستفیض پہنچ جائے اس کا اعتبار ہوگا، بشرطیکہ مہینہ ۲۸؍ کا لازم نہ آئے۔

واختلاف المطالع ......، غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه أكثر المشائخ، بحر عن الخلاصة، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب كما مر. (درمختار ۳/ ۳٦٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴؍۱۱؍۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر مطلع صاف ہو تو رؤیتِ ہلال کے لئے کتنے لوگوں کی شہادت شرط ہے؟

سوال (۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کئی سال سے عید الفطر کے موقع پر عجیب طرح کا انتشار واختلاف رؤیت کے سلسلہ میں پیدا ہورہا ہے، جس کی وجہ سے شہر شہر اور قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں میں دو دو عیدیں ہونے لگی ہیں، عین عید کے دن جو محبت ومسرت کے اظہار کا دن ہے، اس میں آپسی اختلاف اور جھگڑوں کے مظاہرے ہونے لگے ہیں، جس کو کوئی سمجھ دار انسان پسند نہیں کرتا ہے؛ اس لئے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کیا جائے، اور شرعی اصول کے مطابق رؤیتِ ہلال کے اعلان کے لئے ملک کے ماہرین فتویٰ علماء سے استفتاء کر کے ایسا ضابطہ کار بنایا جائے جس پر علماء اور عوام کو اطمینان ہوسکے، اور پھر اسی ضابطہ کا سب کو پابند بنایا جائے۔ اسی غرض کے لئے مندرجہ ذیل استفتاء حضرات مفتیانِ کرام کی خدمت میں ارسال ہے۔

اگر مطلع صاف ہو تو ہلالِ رمضان اور ہلالِ عید کیلئے کتنے آدمیوں کی شہادت ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شہر میں مطلع صاف ہو (اور کہیں سے معتبر خبر بھی نہ آئے) تو اس وقت تک چاند کا ثبوت نہ ہوگا، جب تک کہ وہاں معتد بہ جماعت چاند نہ دیکھے، ایک دو آدمیوں کی شہادت کا اعتبار نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون. قال أبو عيسىٰ: هٰذا حديث غريب حسن، وفسر بعض أهل العلم هٰذا الحديث، فقال: إنما معنى هٰذا الصوم والفطر مع الجماعة وعظم الناس. (سنن الترمذي ۱/ ۱۵۰)

قال العلامة التهانوي: تقريره أنه عليه السلام أضاف الصوم والفطر إلى جماعة ...... فلا بد في أصل الحكم من الجماعة الكثيرة أو جميع المسلمين الموجودين في بلدة مثلاً في هٰذه الأحكام إلا إذا عرض عارض ككون السماء مغيمة مثلاً. (إعلاء السنن ۹/ ۱۲٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا لـم تـكـن بـالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يـراه جمع كثير يقــع العــلم بخبرهم. (هـداية ١/١٩٥، ومثـلـه في المجمع الأنهر ١/٢٣٦، البحر الرائق ٢/٢٦٨، تبيين الحقائق ٢/١٦٣ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٣٥٩ زكريا، درمختار مع الشامي ٣/٣٥٥-٣٥٦ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر مطلع ابر آلود ہو تو ہلالِ رمضان اور ہلالِ عید کے لئے کتنے لوگوں کی شہادت شرط ہے؟

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مطلع صاف نہ ہو؛ بلکہ ابر آلود اور کہر آلود ہو، تو ہلالِ رمضان اور ہلالِ عید کے لئے کتنے آدمیوں کی شہادت ضروری ہے؟ مطلع صاف نہ ہونے کی شکل میں کیا ہلالِ رمضان اور ہلالِ عید دونوں کے لئے شہادت شرط ہے یا ہلالِ رمضان اور ہلالِ عید میں کچھ فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مطلع صاف نہ ہو تو ہلالِ رمضان کے لئے ایک ثقہ شخص کی خبر بھی معتبر ہے، یا استفاضہ ضروری ہے اور اس استفاضہ کی صورت یہ ہے کہ کسی جگہ قاضی یا مفتی کے فیصلہ کے بعد اس کی خبر دوسرے شہر میں اس تواتر سے پہنچے کہ اس سے چاند کے ثبوت کا یقینی علم ہو جائے، اور اس کا انکار نہ کیا جا سکے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: تراءى الناس الهلال، فأخبرت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أني رأيته، فقام وأمر الناس بصيامه. (رواه أبو داؤد) قال ميرك: رواه الحاكم، وقال: على شرط مسلم (إعلاء السنن ٩/١٢٥ بيروت)

عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: جاء أعرابي إلى النبي

صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إني رأيت الهلال، قال الحسن في حديثه: يعني رمضان، فقال: أتشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه؟ قال: نعم، قال: أتشهد أن محمداً رسول اللّٰه؟ قال: نعم، قال: يا بلال! أذن في الناس فليصوموا غدًا، وسكت عنه. (سنن أبي داؤد ۱/۳۲۷، إعلاء السنن ۹/۱۲۵-۱۲۶ دار الكتب العلمية بيروت)

وقيل بلادعوى وبلا لفظ أشهد وبلا حكم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا شهادة للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور على ما صححه الرازي على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً ...... وشرط الفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد. (درمختار مع الشامي ۳/۳۵۲-۳۵۳ زكريا)

نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب. (درمختار مع الشامي ۳/۳۵۹ زكريا)

وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية قبل الحاكم في هلال رمضان خبر عدل أو مستور في الأصح. (مجمع الأنهر ۱/۳٤۸، هداية ۱/۱۹۵-۱۹٦)

اور رؤیت عام نہ ہونے کی صورت میں تو عیدین (اور دیگر مہینوں) کے چاند کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ درج ذیل چار ذرائع میں سے کوئی ذریعہ پایا جائے:

(۱) **شهادة على الرؤية:-** یعنی چاند دیکھنے والے دو عادل شخص خود قاضی یا کمیٹی کے روبرو چاند دیکھنے کی گواہی دیں۔

(۲) **شهادة على شهادة الرؤية :-** یعنی چاند دیکھنے والے خود تو حاضر نہ ہوں؛ لیکن ان میں سے ہر ایک کی گواہی پر دو دو عادل شخص گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں فلاں شخص نے چاند کی گواہی دی ہے۔

(۳) **شهادة على القضاء :-** یعنی کسی جگہ قاضی یا کمیٹی شرعی ثبوت پر چاند کا فیصلہ کر دے پھر اپنے فیصلہ کو دو گواہوں کے سامنے مہر بند کر کے دوسرے شہر کی کمیٹی یا قاضی کو بھیجے۔

(٤) استفاضہ:- یعنی کسی جگہ سے چاند کی خبر یا قاضی کے فیصلہ کے بعد اس کی خبر دوسرے شہر تک اس تواتر سے پہنچے کہ اس سے چاند کے ثبوت کا علم یقینی ہو جائے۔

ان میں سے اگر ایک ذریعہ بھی متحقق ہو جائے تو عید کے چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔

ولا يجزئ في هلال ذي الحجة والفطر إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٣٦٠ زكريا)

(قوله بطريق موجب) كان يتحمل إثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر. (شامي ٣/ ٣٦٤ زكريا، طحطاوي ٣٥٩)

قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرىٰ يلزمهم حكم هٰذه البلدة. (شامي ٣/ ٣٥٩ زكريا)

وفي مجموع النوازل: شاهدان شهدا عند قاضي مصر لم ير أهله الهلال على أن قاضي مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال وقضى به ووجد شرائط صحة الدعوى قضى بشهادتهما حكاه عن شيخ الإسلام. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٣٦٦ زكريا، منحة الخالق ٢/ ٢٧٠)

نوٹ:- یہی حکم رمضان المبارک کے علاوہ سال کے دیگر مہینوں کا بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے معتبر ہے یا نہیں؟

سوال (۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے معتبر ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتبر ہوسکتی ہے جب کہ ثبوت کے سب شرائط پائے جائیں اوراس چیز کوتسلیم کرلینے میں اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹؍دن سے کم لازم آئے۔

فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب. (درمختار مع الشامي ٣٦٣/٣ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸؍۱۱؍۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

باشندگانِ شہر "نیلور" حیدرآباد، کی رؤیت پرعمل کریں یا مدراس کی؟

سوال (۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مجلس العلماء یہاں ایک دینی وملی تنظیم ہے، جوسترہ سالہ عرصہ سے ضلع نیلور آندھرا پردیش کے مسلمانوں کی خاطر دین کے متعدد شعبوں میں سرگرم خدمت ہے۔ مجلس العلماء اپنے ایک اہم شعبہ کے تحت ہر ماہ "رؤیتِ ہلال" کا اہتمام کرتی ہے، مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں شہر کے مضافات، قریب ودور کے شہروں سے حصولِ شہادت یا معتبر خبر لینے کے بعد چاند کا اعلان کرتی ہے۔

ماضی قریب تک عیدالفطر (ماہِ شوال) کے چاند کی رؤیت یا عدم رؤیت کے سبب ملک میں (کبھی ایک ہی ریاست میں) الگ الگ دنوں میں عیدالفطر منائی جارہی تھی، اب گزشتہ سالوں سے آغازِ رمضان (ماہِ رمضان کے چاند) کی بھی وہی کیفیت ہونے لگی ہے، یعنی رمضان کے روزے کہیں ایک دن پہلے کہیں ایک دن بعد شروع ہورہے ہیں۔

استفسار یہ ہے کہ ہم شہر نیلور اوراس کے مضافات یا قریبی گاؤں میں چاند نظر نہ آنے کی صورت میں ریاستی ہلال کمیٹی جو (شہر نیلور سے شمال کی طرف ۵۴۰ کلومیٹر دور ہماری ریاست کے پایہ تخت) حیدرآباد سے چاند کا اعلان کرتی ہے، اس اعلان پرعمل کریں؟ یا نیلور ضلع سے متصل پڑوسی ریاست تامل ناڈو کا پایہ تخت مدراس (جو شہر نیلور سے جنوب کی طرف صرف ۱۷۰؍کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے) کے اعلان چاند پرعمل کریں؟

ہمارا ایک تجربہ یہ ہے کہ ادھر ایک جانب ''ریاستی ہلال کمیٹی'' ۲۹ر رمضان کو چاند نظر نہ آنے اور تیس روزے پورے کر لینے کا اعلان کرتی ہے، تو ادھر دوسری جانب نیلور کے قریب واقع مدراس کے شہر قاضی صاحب اعلان کرتے ہیں کہ آج ۲۹ر رمضان کو فلاں جگہ چاند نظر آ گیا، مدراس اور اس کے پورے صوبہ تامل ناڈو میں کل عید الفطر ہوگی، ایسے پیچیدہ و نازک موقع پر ہم اہل نیلور کس اعلان کو قبول کریں؟ اور کس اعلان کو مسترد کریں؟ حضرت! یہ بھی ملحوظ رہے کہ عید الفطر کی سرکاری تعطیل ریاستی ہلال کمیٹی (حیدرآباد آندھراپردیش) کے فیصلہ کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

ہاں ایسا بھی ہوا ہے کہ ہماری ریاستی ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق ہمیں رمضان کا تیسواں روزہ رکھنا تھا، ہم نے روزہ نہیں رکھا، چونکہ حدود ضلع نیلور سے صرف پچاس کلومیٹر پر پڑوسی ریاست مدراس میں ۲۹ر کی شام ماہ رمضان ختم ہو جانے، معتکفین کے اعتکاف سے اٹھ جانے، یکم شوال شروع ہو جانے اور آنے والی صبح عید الفطر منانے کا اعلان ہو چکا تھا، اور بڑی بات یہ ہے کہ وہاں کی ''رؤیت'' ثقہ اور معتبر ذرائع پر مبنی بھی تھی، اس وقت کی الجھن میں ہم نے ہمارے ریاستی اعلان کے ''تیس رمضان'' کو ''یکم شوال'' یقین کر کے ہم نے سرے سے روزہ ہی نہیں رکھا (اور پھر جنھوں نے سحری کر لی ان بھائیوں نے یکم شوال کے تصور و تیقن سے کھانا پینا شروع کر دیا) اور ادھر پڑوسی ریاست کے اعلان عید کے مطابق عید الفطر بھی ہم نے نہیں منائی؛ اس لئے کہ وہ دن ہمارے ضلع نیلور کی ریاست میں عید کا دن نہیں تھا؛ بلکہ ۳۰ر رمضان کا دن شمار تھا۔

اس وقت ہم نے پڑوسی ریاست کے اعلان چاند کو جو قبول کیا ہے وہ محض شرعی نقطۂ نظر اور معتبر کتبِ فقہ کی تصریحات کی بنیاد پر ہے، یہاں تعلیم الاسلام چوتھا حصہ ۷۰ مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ اردو دہلی کا صرف ایک حوالہ نقل کیا جا رہا ہے۔

سوال: اگر کسی دوسر کے شہر سے چاند دیکھنے کی خبر آئے تو معتبر ہوگی یا نہیں؟

جواب: چاہے کتنی ہی دور سے خبر آئے معتمد ہے، مثلاً ''برما'' والوں نے چاند نہیں دیکھا اور کسی ممبئی کے شخص نے ان کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی، تو ان پر ایک روزہ کی قضاء لازم

ہوگی، ہاں شرط یہ ہے کہ خبر ایسے طریقہ سے آئے جس کا شریعت میں اعتبار ہے، تار کی خبر معتبر نہیں۔

ہر سال ماہ مبارک کے آغاز و اختتام پر جگہ جگہ اختلاف و انتشار ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے لئے ایک ناسور بن گیا ہے، اللہ رحم کرے، بعض مقامات پر یہ اختلاف اس شباب پر پہنچ جاتا ہے کہ رمضان کے روزوں، تراویح و دیگر نیک اعمال کا لطف یکسر ختم ہوجاتا ہے، قبولیت اعلان چاند اور اس کے عدم قبولیت کی بحثا بحثی میں علماء کرام اور عامۃ الناس کے باہمی سلوک وقدر اور اخلاق ومحبت میں نہ صرف کمی بلکہ تشدد اور تلخیاں آجاتی ہیں۔

مجلس العلماء ٹرسٹ کا ارادہ یہ ہے کہ علاقہ کے حضرات علماء، وحفاظ، مساجد کے ائمہ ومتولیان، شہر اعیان، نیز مختلف مکاتب فکر اور جماعتوں کا ایک اجلاس طلب کرکے ملتِ اسلامیہ کے لئے قلب وجگر کا مقام رکھنے والے آپ مفتیان شرع متین کے فتاویٰ کی روشنی میں تمام شرکاء کے اتفاق آراء سے رؤیتِ ہلال کے متعلق ایک حتمی فیصلہ کرلیا جائے کہ ''اہل نیلور'' کو ریاستی ہلال کمیٹی حیدرآباد کا ''اعلان چاند'' قابل اتباع ہے یا قریب میں واقع مدارس کا ''اعلانِ چاند'' قابلِ عمل ہے؟ براہ صد عنایت تسلی بخش جواب صواب مرحمت فرما کر ہم باشندگان ضلع نیلور پر احسان فرمائیں۔ أبد اللّٰہ ظلالکم ویدیم شرفکم.   والسلام مع الاحترام

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجلس علماء نیلور کی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے بارے میں یہ امر قابلِ تحقیق ہے کہ یہ کمیٹی اپنے اعتبار سے مستقل ہے، اور اسے خود چاند کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے، یا یہ کمیٹی صوبہ آندھراپردیش کی ریاستی کمیٹی کے تابع اور اس سے مربوط ہے؟ اگر یہ مستقل اعلان کا اختیار رکھتی ہو، اور علاقہ کے عوام وخواص اس کے فیصلہ پر بلا کسی نزاع کے عمل کرتے ہوں، تو اسے اختیار ہوگا کہ رؤیتِ ہلال کے موقع پر تحقیق کے بعد خواہ مدراس والوں کے فیصلہ پر اعلان کرے یا حیدرآباد والوں کے فیصلہ پر اعلان کرے۔ اور اگر مجلس العلماء کی یہ کمیٹی صوبہ آندھراپردیش کی ریاستی کمیٹی کے تابع ہے، جیسا کہ سوال نامہ کی تحریر سے کچھ اندازہ ہوتا ہے،

تو ایسی صورت میں اس کمیٹی کو بہر صورت صوبہ آندھرا پردیش کے اعلان کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اور صوبہ مدراس کی کمیٹی کے اعلان پر اعتماد کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار رحمت ۵۴۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۱۲۳ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۴/۴۱۱)

وفي الفتاوى النسفية: سئل عن قضاء القاضي برؤية هلال شهر رمضان بشهادة شاهدين عند الاشتباه في مصر، هل يجوز لأهل مصر آخر العمل بحكمهم؟ فقال: لا، ولا يكون مصر آخر تبعا لهذا المصر، وإنما سكان هٰذا وقراها يكون تبعا له. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٣٦٦ رقم: ٤٥٨٦ زكريا)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أنه يعتبر في حق كل بلدة رؤية أهلها.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٣٦٥ رقم: ٤٥٨١ زكريا)

أهل بلدة رأوا الهلال هل يلزمه ذلک في حق أهل بلدة أخرى؟ اختلف المشايخ فيه، بعضهم قالوا: لا يلزم ذٰلک، فإنما المعتبر في حق كل بلدة رؤيتهم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٣٦٥ رقم: ٤٥٨٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۴/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزہ کے اہم مسائل

روزہ کی ابتداء کا وقت کیا ہے؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض افراد کا کہنا ہے کہ روزہ کا آغاز اسی وقت سے ہوتا ہے، جب کوئی فرد روزہ کی نیت کرتا ہے۔ اگر کسی فرد نے شب کے ایک بجے روزہ کی نیت کرلی، تو اس کے روزہ کا آغاز اُسی وقت سے ہوجائے گا؟ براہِ کرم رہنمائی فرمایئے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی ابتداء صبح صادق سے ہوتی ہے، اس سے پہلے روزہ شروع نہیں ہوتا؛ لہٰذا اگر کسی شخص نے رات میں روزہ کی نیت کرلی، تو صبح صادق تک وہ بے تکلف کھا پی سکتا ہے، اس نیت کی وجہ سے اس پر کھانا پینا وغیرہ ممنوع نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

أباح تعالىٰ الأكل والشرب مع ما تقدم من إباحة الجماع في أي الليل شاء الصائم إلى أن يتبين ضياء الصباح من سواد الليل ...... فأباح الجماع والطعام والشراب في جميع الليل رحمة ورخصة ورفقاً. (تفسير ابن كثير ۱۵۰ دار السلام رياض)

وأما من أحب أن يمسک بعد غروب الشمس إلى وقت السحر فله ذٰلک، كما في حديث أبي سعيد الخدري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا

تواصلوا فأيكم أراد أن يواصل فليواصل إلى السحر …… الخ. (تفسير ابن كثير ۲ ٥ دار السلام رياض، صحيح البخاري، الصوم / باب الوصال رقم: ۱۹٦۳)

وهو إمساک عن المفطرات حقيقةً أو حكمًا في وقت مخصوص، وهو اليوم من شخص مخصوص مع النية. (درمختار) وفي الشامية قوله: وهو اليوم، أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب. (درمختار مع الشامي ۳/ ۳۳۰ زكريا)

وإن نوى بعد غروب الشمس جاز. (درمختار مع الشامي ۳/ ۳٤۱ زكريا، كذا في الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۹٤، مراقي الفلاح / كتاب الصوم ٦۳۱ قديمی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ماہِ محرم میں روزہ کی فضیلت

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہِ محرم میں روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی کیا فضیلت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماہِ محرم میں عاشوراء کا روزہ رکھنا بہت فضیلت رکھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عاشوراء کے روزے سے ایک سال (گذشتہ یا آئندہ) کے گناہ معاف ہوتے ہیں، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو آدمی محرم کے مہینہ میں ایک روزہ رکھے گا، اس کو ہر روزہ کے بدلہ میں تیس روزوں کا ثواب ملے گا۔ نیز بعض روایات میں رمضان کے بعد محرم کے مہینہ کو سب سے افضل مہینہ قرار دیا گیا ہے، اور اس میں مطلقاً روزہ رکھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

عن أبي قتادة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سئل عن صيام يوم عاشوراء، فقال: يكفر السنة الماضية. رواه مسلم وغيره وابن ماجة

ولفظه قال: صيام يوم عاشوراء إني أحتسب على الله أن يكفر السنة التي بعده. (الترغيب والترهيب ٢/٤٦)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صام يوم عرفة كان له كفارة سنتين، ومن صام يومًا من المحرم فله بكل يوم ثلاثون يوماً. (الترغيب والترهيب ٢/٤٦)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم. (الترغيب والترهيب ٢/٤٥، سنن أبي داؤد ١/٣٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یکم محرم اور آخری ذی الحجہ کے روزہ کی فضیلت؟

سوال (۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محرم کی پہلی تاریخ اور ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں روزہ رکھنے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس سلسلہ میں وضاحت فرمادیں کہ آیا ایک سال قبل کے گناہ معاف ہوتے ہیں، ایک سال بعد کے؟ یا پھر دونوں سالوں کے معاف ہوتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یکم محرم الحرام اور آخری ذی الحجہ کے روزہ کی کوئی خاص فضیلت کہیں نظر سے نہیں گذری؛ البتہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ (یوم عرفہ) کے روزہ کے بارے میں فضیلت وارد ہے کہ اس سے گذشتہ اور آئندہ سالوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور محرم کی دسویں تاریخ (یوم عاشوراء) کا روزہ سال گذشتہ کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔

أخرج مسلم عن أبي قتادة ...... طرفه هٰذا : صيام يوم عرفة أحتسب على اللّٰه أن يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده، وصيام يوم عاشوراء أحتسب على اللّٰه أن يكفر السنة التي قبله. (صحيح مسلم ۳٦٧/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عاشوراء کا روزہ کب فرض ہوا؟

سوال (۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عاشوراء کا روزہ کس سن میں فرض ہوا؟ اور کس سن میں مستحب؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاشوراء کا روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل ہی سے رکھتے تھے؛ اس لئے اس کی فرضیت کی حتمی تاریخ معلوم ہونا مشکل ہے؛ لیکن ۲ھ میں یعنی ہجرت کے اٹھارہویں مہینہ میں جب رمضان کی مشروعیت نازل ہوئی، تو عاشوراء کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

وكان يوم عاشوراء تصومه قريش في الجاهلية، وكان عليه السلام يصومه، فلما قدم المدينة صامه، وأمر بصيامه، فلما فرض رمضان، قال عليه الصلاة والسلام: من شاء صامه ومن شاء تركه، فهٰذا صريح في الرد عليه، ودليل على أنه كان أمر إيجاب قبل نسخة برمضان ...... وعاشوراء كانت فريضة ثم نسخت برمضان. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٤٦٤/٤ تحت رقم: ٢٠٤٠ بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۰/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ

سوال (۳۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک جامع مسجد کا امام ہے، اور وہ کہتا ہے کہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا حرام ہے، اب عند الشرع کہنے والے زید پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا مسنون ہے حرام نہیں ہے، جو اس کی حرمت کا قائل ہے وہ احکامِ شریعت سے ناواقف ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ ماہِ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل محرم کا روزہ ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: ما رأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يتحرّٰى صيام يومٍ فضَّله على غيره إلا هٰذا اليوم: يومَ عاشوراء. (صحيح البخاري رقم: ٢٠٠٦، صحيح مسلم رقم: ١١٣١-١١٣٢)

عن أبي قتادة رضي اللّٰه عنه أن رجلاً أتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: كيف تصوم؟ ...... وصيام يوم عاشوراء أحتسبُ على اللّٰه أن يكفر السنة التي قبله. (صحيح مسلم ١١٦٢، سنن أبي داؤد رقم: ٢٤٢٥، مرقاة المفاتيح ٤٧١/٤-٤٧٢ رقم: ٢٠٤٤ بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أفضل الصيام بعد رمضان شهر اللّٰه المحرم...... الخ. (مشكوٰة المصابيح ١٧٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲ھ

۱۰ رمحرم کی سحری اور ۱۱ رکی افطاری کرانے والا ''من وسع علی عیاله یوم عاشوراء'' کا مصداق ہے یا نہیں؟

سوال (۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: عرض یہ ہے کہ حدیث ''**من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها، قال جابر: جربته أربعین عاماً فلم یتخلف**''. (شامي ۳۹۸/۳ زکریا)

اس حدیث کی وجہ سے لوگ اپنے اہل وعیال اور طلبۂ کرام کو اچھا کھانا کھلاتے ہیں؛ لیکن دس محرم میں روزہ رکھنے کی وجہ سے گیارہ محرم بعد المغرب اچھا کھانا کھلاتے ہیں، تو ان حضرات کو مذکورہ حدیث کی فضیلت حاصل ہوگی؟ یا ان کو دس محرم بعد المغرب اچھا کھانا کھلانا چاہئے؟ حوالہ کے ساتھ تحقیق مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اولاً یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث: ''**من وسع عیاله یوم عاشوراء الخ**'' محدثین کے ضابطہ پر ضعیف ہے؛ اس لئے اس حدیث سے سنیت ثابت نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ فضائل میں استحباب کا ثبوت ہوسکتا ہے، اور آپ نے جو اشکال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ توسیع علی عیالہ کا اطلاق دسویں تاریخ کی سحری پر بھی ہوتا ہے، اور افطار کی تیاری چوں کہ دن ہی سے کی جاتی ہے؛ اس لئے یہ تیاری بھی توسیع کے مفہوم میں داخل ہے، اگرچہ یہ کھانا مغرب کے بعد کھایا جائے، پھر بھی عاشوراء کے دن ہی کھانا سمجھا جائے گا۔

وفي روایة سائر سنة، قال في الدور تبعاً للزرکشي: لا یثبت إنما هو من کلام محمد بن المنتشر، ورده السیوطي في التعقبات بأنه ثابت صحیح، وأخرجه البیقهي في الشعب عن أبي سعید الخدري، وأبي هریرة وابن مسعود وجابر بأسانید ضعیفة، وإذا ضم بعضها إلی بعض وثقت. (کشف الخفاء ۲۵۴ بیروت، المقاصد الحسنة ۴۹۴، فوائد المجموعه في بیان أحادیث الموضوعة ۳۶ مطبوعه لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۵/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عرفہ کے روزہ میں کہاں کی تاریخ کا اعتبار ہوگا؟

سوال (۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: عرفہ کے روزہ کی فضیلت حدیث میں آئی ہے، آیا وہ عرفہ میں حاجیوں کے قیام کا اعتبار کر کے روزہ رکھیں گے یا اپنے یہاں کا؟ (کیوں کہ ہندوستان اور سعودی میں عموماً ایک دن کا فرق ہوتا ہے) تو روزہ نویں ذی الحجہ کو رکھا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ دار کے شہر میں نویں ذی الحجہ جس دن پڑے اسی دن روزہ رکھا جائے گا، عرفات میں حاجیوں کے قیام کے دن کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

عن أبي قتادة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: صیام یوم عرفة أني أحتسب علی اللّٰه أن یکفّر السنة التي بعده والسنة التي قبله. (سنن الترمذي ۱۵۷/۱، صحیح مسلم رقم: ۱۱۶۲، مشکاة المصابیح رقم: ۲۰۴۴)

والتعریف لیس بشيء. (البحر الرائق ۱۶۳/۲، کنز الدقائق ٤٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۷/ رجب کو روزہ رکھنے پر ایک ہزار روزوں کا ثواب

سوال (۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رجب کی ۲۷/ تاریخ کو روزہ رکھنے سے ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رجب کی ۲۷/ تاریخ کو روزہ رکھنے سے ایک ہزار روزوں کا ثواب ملنا قرآنِ پاک یا کسی حدیثِ صحیح یا اور کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶۰/۶، فتاویٰ محمودیہ ۲۸۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۷/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شعبان کے مہینہ میں نفلی روزے رکھنا؟

سوال(۳۵):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:شعبان کے مہینہ میں روزے رکھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ روزے شعبان کے مہینہ میں رکھتے تھے، اس لئے اس مہینہ میں کسی دن کی تعیین وتخصیص کے بغیر بکثرت روزے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم حتى نقول: لا يفطر ويفطر حتى نقول: لا يصوم، وما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم استكمل صيام شهر قط إلا رمضان، وما رأيته في شهر أكثر منه صياماً في شعبان. وفي رواية قالت: كان يصوم شعبان كله، وكان يصوم شعبان إلا قليلاً. (مشكاة المصابيح رقم: ٢٠٣٦، صحيح البخاري رقم: ١٩٦٩، صحيح مسلم رقم: ١١٥٦)

عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في شهر أكثر صياماً منه في شعبان كان يصومه إلا قليلاً؛ بل كان يصومه كله.

(سنن الترمذي ١/١٥٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵/شعبان کے روزہ کی کیا حقیقت ہے؟

سوال (۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:شبِ برأت میں شب بیداری کرنا و پندرہویں کو روزہ رکھنا بالاتفاق علماء اہلِ حدیث بدعت ہے، وبالاتفاق علماء بریلوی سنت ہے، اور ضروری ہے، اس میں علماء حقانی دیوبندی کیا فرماتے

ہیں؟ازروئے حدیث وآثار مکمل واضح فرمائیں۔

نوٹ:- سحری کا وقت گھڑی کے ایک فرضی حساب بنا کرنوازیں، تو مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ روزہ نہ بدعت ہے اور نہ سنتِ مؤکدہ ہے؛ بلکہ محض نفل ہے۔ ابن ماجہ کی ایک ضعیف حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام وغیرہ ۱/۲۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۴ھ

۱۵؍شعبان کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال (۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبِ برأت کے موقع پر کتنے روزے رکھنا حدیث شریف سے ثابت ہیں؟ خطباتِ موعظت (مؤلف مفتی ابوالناصر صاحب) میں لکھا ہے کہ تین روزے ۱۳؍۱۴؍۱۵؍شعبان کو رکھنا چاہئے، ہم نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۵؍شعبان کی رات عبادت کرنے اور دن میں روزہ رکھنے کی ترغیب فرمائی ہے، جس سے ایک کا ثبوت ملتا ہے، صحیح کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۵؍شعبان کو ایک روزہ کا ثبوت بعض ضعیف احادیث سے ہوتا ہے اور ہر مہینہ کے ایامِ بیض ۱۳؍۱۴؍۱۵؍ کے روزے رکھنا بھی مستحب ہے، مذکورہ مصنفؒ نے غالبًا اسی کا لحاظ رکھا ہوگا۔

عن معاذة العدوية أنها سألت عائشة: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم من كل شهر ثلاثة أيام؟ قالت: نعم، فقلت لها: من أي أيام الشهر كان يصوم؟ قالت: لم يكن يبالي من أي أيام الشهر يصوم. (صحيح مسلم رقم: ١١٦٠، مشكاة المصابيح رقم: ٢٠٤٦)

عن عبد الملک بن المنهال عن أبيه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كان يأمر بصيام البيض ثلاث عشرة، وأربع عشرة، وخمس عشرة، ويقول: هو كصوم الدهر، أو كهيئة صوم الدهر. (سنن ابن ماجة رقم: ۱۷۰۷)

ويستحب صوم أيام البيض الثالث عشر والرابع عشر والخامس عشر.

(الفتاویٰ الھندیۃ ۱/ ۲۰۱)

وفيها المرغوبات من الصيام أنواع، والثالث صوم شعبان. (الفتاویٰ الھندیۃ ۱/ ۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شبِ برأت وشبِ معراج اورشبِ قدر میں عبادت کرنا اور دن میں روزہ رکھنا؟

سوال (۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر؛ بلکہ ہر جگہ یہ رواج ہے کہ شب برأت، شبِ قدر اور شبِ معراج میں لوگ راتوں کو عبادت کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، تلاوت وذکر واذکار کرتے ہیں، دعا ومناجات میں لگے رہتے ہیں، اور بعض لوگ صبح میں روزہ بھی رکھتے ہیں، اہل علم ایسی رات کو غنیمت جان کر اس وقتی اجتماع سے فائدہ اٹھا کر عوام کو دین سمجھاتے ہیں، دین کی ترغیب دلاتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے احکام بتلاتے ہیں؛ تاکہ لوگ دین سمجھ سکیں اور دین سے لگے اور جڑے رہیں، مگر یہاں بھی بعض لوگ ان کاموں کو بے اصل بتا کر لوگوں کو روکتے ہیں، یہاں تک شیخی کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے روزے رکھے تھے، ان کو بھی تڑوا دیتے ہیں؛ لہٰذا شرعی اعتبار سے اس کی حقیقت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شبِ قدر کی بات نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے کہ رات

میں عبادت کی جائے اوراسی شبِ قدر کی تلاش میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیاجاتاہے،نفل نماز، ذکرواذکار،مناجات اورتلاوت وغیرہ میں لگے رہیں،اوردن میں روزہ رکھنا فرض ہے؛اس لئے کہ رمضان کامہینہ ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ [القدر: ۳] (شبِ قدر میں ایک رات کی عبادت ہزار رات کی عبادت سے بہتر ہے) مگر نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مشروع نہیں ہے،اورشبِ برأت یعنی شعبان کی پندرہویں شب میں عبادت کرنا بعض روایات سے ثابت ہے،اگرچہ وہ روایات اونچے درجہ کی نہیں ہیں؛لیکن فضائل کے باب میں عمل کی گنجائش ہے،مگراس بات کالحاظ رکھاجائے کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے؛ البتہ دن میں روزہ رکھناکسی صحیح حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے۔

ابن ماجہ شریف میں ایک روایت ہے،وہ روایت بھی عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ کی وجہ سے موضوع کےدرجہ میں ہے،اس لئے اسی دن روزہ رکھنے کا استحباب ثابت نہیں ھوسکتا؛البتہ ایامِ بیض کے اعتبار سے اس دن روزہ رکھنامنع بھی نہیں ہے۔

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها. (سنن ابن ماجة ۹۹)

اب رہی بات شبِ معراج کی،تو خود ہماراسوال ہے کہ پہلے معراج کی تعیین کی جائے کہ کس رات میں معراج شریف کاواقعہ ہواہے؟ قرآن وحدیث میں صرف اتنا ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے ہیں؛لیکن کسی مہینہ کی کس شب میں تشریف لے گئے ہیں؟متعین طور پر ثابت نہیں ہے۔بعض روایات میں ربیع الاول،بعض روایات میں ربیع الثانی، بعض روایات میں رجب،بعض روایات میں رمضان اوربعض روایات میں شوال؟

توہماراسوال ہے کہ پہلے سائل اس بات کوصحیح حدیث شریف سے ثابت کریں،اس کے بعدہی اس رات میں عبادت کی بات کہی جاسکتی ہے،اپنی طرف سے متعین کرکےکسی رات کوشبِ معراج قرار دینا پھراس رات میں عبادت کا اہتمام کرنا اورلوگوں کوترغیب دینا یہ دین اسلام میں

ایک چیز کا اضافہ کرنا ہے، جو حدیث شریف "**من أحدث في أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد**". (مشکوٰۃ شریف ۲۷) کے تحت داخل ہوکر بدعت اور ناجائز ہوگا؛ لہٰذا اس کا ترک مسلمانوں پر لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۵/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳۰؍رمضان کو سفر کر کے دوسرے ملک پہنچا تو وہاں ۲۹؍واں روزہ تھا؟

سوال (۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے ۳۰؍رمضان کو سفر کیا، منزلِ مقصود کو پہنچا، تو وہاں ۲۹؍رمضان ہے، تو کیا یہ شخص افطار کرے گا یا روزہ رکھے گا؟ جو بھی شرعی حکم ہو، مدلل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شخص افطار نہ کرے؛ بلکہ عام لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۳)

مستفاد: عن معاذ بن عبد الرحمن التیمي أن رجلاً جاء عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه فقال: رأیت هلال شهر رمضان، فقال: هل راٰه معک أخر، قال لا، قال: فکیف صنعت؟ قال: صمت بصیام الناس، فقال عمر: یا لک فقهًا.

(المصنف لعبد الرزاق ۱۶۸/٤ رقم: ۷۳٤۹)

لو صام رائي هلال رمضان وأکمل العدة لم یفطر إلا مع الإمام. (شامي ۳۸٤/۲ کراچی، ۳۵۱/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۰/۶/۱۴۱۱ھ

ایامِ نحر وتشریق میں روزے رکھنا؟

سوال (۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بقرعید کے ۳؍دن روزے رکھنا حرام ہے یا ایک دن؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایام نحر وتشریق یعنی ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲؍تاریخوں کے روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰہ عنہ قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صوم یوم الفطر والنحر. (صحیح البخاري ۱/۲۶۷، صحیح مسلم ۱/۳۶۰)

وفي روایة: عن أبي مرة مولیٰ أم هاني أنه دخل مع عبد اللّٰہ بن عمرو علی أبیه عمرو بن العاص فقرّب إلیهما طعاماً، فقال: کل قال: إني صائم، فقال عمرو: فهٰذہ الأیام التي کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یأمرنا بإفطارها وینهی عن صیامها، قال مالک: وهي أیام التشریق. (سنن أبي داؤد ۱/۳۲۸)

وفي روایة: عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰہ عنہ قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صیامین: صیام یوم الأضحیٰ ویوم الفطر. (سنن الترمذي ۱/۱۶۰)

والمکروہ تحریماً کالعیدین (درمختار) أي وأیام التشریق. (شامي ۲/۳۷۵ کراچی)

یکرہ الصوم في العیدین وأیام التشریق لانعقاد الإجماع. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/۴۱۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴/۱۱/۱۴۱۹ھ

صرف جمعہ کے دن روزہ کا معمول؟

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کیا رمضان المبارک کے سوا کسی اور مہینے میں جمعہ کو روزہ رکھنا مناسب نہیں ہے؟ کیا یہ بات درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں خاص جمعہ کے روزہ کا معمول بنا لینے سے منع کیا گیا ہے؛ اس لئے جمعہ کے ساتھ آگے پیچھے کوئی اور دن بھی ملا لینا چاہئے، اور رمضان میں مسلسل روزے رکھے جاتے ہیں، جن کے درمیان جمعہ کا دن بھی آتا ہے؛ اس لئے صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی بات رمضان میں نہیں پائی جاتی ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله، أو يصوم بعده. متفق عليه. (مشكاة المصابيح ١٧٩/١، صحيح البخاري ٢٦٦/١، صحيح مسلم ٣٦٠/١، سنن الترمذي ١٥٧/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَداء اور قضاء روزوں کے ثواب میں کیا فرق ہے؟

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مریض نے روزہ کی قضا کی اس کے ثواب میں اور رمضان کے روزے رکھنے والے کے ثواب میں کیا تفاوت ہے؟ ایک شخص نے بلاعذر رمضان کے روزے نہیں رکھے، بعد میں قضا کی، یہ جو کہا گیا ہے کہ بلاعذر روزہ چھوڑنے والا اگر پوری زندگی روزہ رکھے، جب رمضان کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا ہے، یہ جملہ مریض اور مسافر کے بارے میں ہے، یا بلاعذر روزہ چھوڑنے والے کے بارے میں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ رمضان کے روزے کی

تلافی عمر بھر روزہ رکھنے سے نہیں ہوسکتی، اس کا تعلق بلا عذر روزہ چھوڑنے سے ہے، اگر کوئی شخص سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ چھوڑ دے تو بعد میں روزہ کی قضا سے اس کی تلافی ہوجائے گی۔ انشاء اللہ تعالی۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أفطر يومًا من رمضان في غير رخصة رخصها الله عز وجل لم يقض عنه، وإن صام الدهر كله. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٢٢٨ رقم: ٨٠٦٥، المعجم الكبير للطبراني ٩/٣١٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۹/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کو سفر میں افطار کی رخصت

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان شریف کے اندر سفر کی حالت میں اس نیت سے روزہ قضا کردینا کہ بعد رمضان قضا کا روزہ رکھ لیا جائے گا، جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز ہے، بشرطیکہ سفر؛ سفر شرعی کی مسافت پر ہو؛ لیکن اگر زیادہ مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة: ١٨٤]

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس من البر الصوم في السفر. (صحيح البخاري ١/٢٦١، صحيح مسلم ١/٣٥٦)

وفي رواية: عن حمزة بن عمرو الأسلمي أنه قال: يا رسول الله! أجد بي قوة على الصيام في السفر فهل عليّ جناح، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

هـي رخـصـة مـن اللّٰه، فمن أخذ بها فحسن، ومن أحب أن يصوم فلا جناح عليه.
(صحيح مسلم ۳۵۷/۱، سنن أبي داؤد ۳۲٦/۱)

قـال الـليـث: الأمـر الـذي اجتـمـع الناس عليه أن لا يقصروا الصلاة و لا يفطروا إلا في مسيرة أربعة برد في كل بريد إثنا عشر ميلاً.

عـن نـافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كان يخرج إلى الغابة فلا يفطروا ولا يقصروا. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤٠٦/٤ رقم: ٨١٤٥ دار الكتب العلمية بيروت)

لـمسـافر سفراً شرعياً ...... الفطر ......، ويندب للمسافر الصوم لآية: وأن تـصـومـوا خيـر لـكـم، والخير بمعنى البر، لا أفعل تفضيل إن لم يضره. (درمختار ٤٢٣/٢ كراچی، درمختار ٤٠٥/٣ زكريا، مجمع الأنهر ٢٤٩/١ دار إحياء التراث العربي)

والسـفـر الـذي يبيـح الـفـطر هو ما يبيح القصر. وفي الفتاوىٰ الخلاصة: ويكره للمسافر أن يصوم إذا أجهده الصوم، فإذا لم يكن كذٰلک فالصوم أفضل للمسافر عندنا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٠٣/٣ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۰/۲۷ھ

دماغی مریض کے لئے روزہ کا حکم؟

سـوال (۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کسی دماغی مریض کے لئے ایسی حالت میں رمضان کے روزہ رکھنا ضروری ہے کہ مریض کو روزوں کا ہوش ہی نہ ہو؟ اگر ایسی حالت میں روزے نہ رکھے، تو کیا اس پر قضا یا کفارہ کچھ لازم ہوگا، اور کیا ان روزوں کا فدیہ دینا ضروری ہوگا؟ اگر روزہ رکھے تو کیا ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وباللّٰه التوفيق: اگر بے ہوشی اور جنون کا یہ مرض پورے رمضان باقی

رہے اور مریض کو روزہ کا ہوش ہی نہ ہو، تو اس پر رمضان کے روزوں کی قضا یا فدیہ کچھ لازم نہیں۔

وفي الجنون إن لم يستوعب الشهر قضى ما قضىٰ وإن استوعب …… لا يقضي مطلقاً للحرج. (درمختار مع الشامي ۳/ ۴۱۸ زكريا)

ومن جن رمضان كله لم يقضه وإن أفاق المجنون في بعضه قضى ما قضى. (هداية مع الفتح ۲/ ۳۶۶-۳۶۷)

باب الصبي لا يلزمه فرض الصوم حتى يبلغ ولا المجنون حتى يفيق، أخرج البيهقي تحته قصة رجم المزنية المجنونة، والحديث المرفوع قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: رفع القلم عن ثلاث …… وعن المجنون حتى يفيق. (السنن الكبرىٰ ۴/ ۴۴۸ رقم: ۸۳۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/ ۹/ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سحری کا مستحب وقت کیا ہے؟

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سحری کا مستحب وقت کیا ہے؟ بقول زید رات کے سات حصے کئے جائیں اور چھٹے حصے میں سحری کھائیں، یہی مستحب وقت ہے؟ تو کیا زید کا قول صحیح ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوری رات یعنی غروبِ آفتاب سے صبح صادق تک کے درمیانی وقت کو چھ برابر حصوں میں تقسیم کرکے آخری حصہ میں سحری کھانا مستحب ہے، مثلاً ۱۲/ گھنٹے کی اگر رات ہو تو آخری دو گھنٹوں میں سحری کھانا مستحب ہوگا۔ سات حصوں کی صراحت احقر کی نظر سے نہیں گذری۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إنا

معشر الأنبياء أمرنا ...... وأن نؤخر السحور ...... الخ. (المعجم الأوسط ۱۷۹/۳ رقم: ٤٢٤٩)

عن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: تسحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قمنا إلى الصلاة، قلنا: كم كان بينهما قال: قراءة خمسين آية.

عن عمرو بن مروان أبي العنبس قال: سمعت إبراهيم يقول: من السنة تاخير السحور. (المصنف لابن أبي شيبة ١٢٠/٦-١٢١ رقم: ٩٠٢١-٩٠٢٧)

سنن الصوم ومستحباته كثيرة: أهمها السحور ...... وتاخير السحور.

(الموسوعة الفقهية ٢٨/٢٨)

ثم التسحر مستحب، والمستحب تاخيره، وتاخير السحور إنما يكون مستحبًا إذا لم تكن في السماء علة، وهو غير شاك في وقوع أكله في النهار.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣٥٥/٣ زكريا)

ويستحب السحور وتاخيره. (درمختار) وهو اسم للمأكول في السحر وهو السدس الأخير من الليل. (شامی کراچی ٤١٩/٢، زکریا ٤٠٠/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۴ھ

دورِ رسالت میں کس کی اذان پر ختم سحر معتبر ہوتا تھا؟

سوال (۴۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا یہ بات صحیح ہے کہ دورِ رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پر ختم سحر پر عمل نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی اذان پر ختم سحر مانا جاتا تھا؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورِ رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تہجد کے وقت میں ہوتی تھی، وہ ختم سحر کا وقت تھا ہی نہیں، اور دوسری اذان حضرت عبداللہ ابن ام

مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے، وہ صبح صادق کے طلوع کے بعد ہوتی تھی، جس پر سحر کا وقت ختم ہوجاتا تھا؛ لہٰذا اس ترتیب میں شرعاً کوئی اشکال نہیں۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن بلالاً يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم. (صحيح البخاري / باب الأذان قبل الفجر رقم: ٦٢٣، صحيح مسلم رقم: ٣٨-١٠٩٢، سنن الترمذي ١/ ٥٠)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يمنعن أحدكم – أو أحدًا منكم – أذان بلال من سحوره، فإنه يؤذن أو ينادي بليل، ليرجع قائمكم ولينبّه نائمكم، وليس أن يقول: الفجر أو الصبح، وقال: بأصابعه ورفعها إلى فوق وَطأطأ إلى أسفل، حتى يقول هٰكذا، وقال زهير بسبابتيه إحداهما فوق الأخرىٰ، ثم مدهما عن يمينه وشماله. (صحيح البخاري / باب الأذان قبل الفجر رقم: ٦٢١، صحيح مسلم ١٠٩٣، سنن أبي داؤد رقم: ٢٣٤٧، سنن النسائي رقم: ٦٤٠، سنن ابن ماجة رقم: ١٦٩٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سحری کھانے میں تاخیر کا حکم عام ہے

سوال (۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نفلی روزوں میں سحری اوقاتِ اولیٰ میں کھانا مستحب ہے؟ رمضان میں سحری کی تاخیر کے بارے میں اقوال کثرت سے منقول ہیں؛ جب کہ نفلی روزوں میں سحری جلدی کھالینے کے بارے میں کوئی قول نظر وسماعت سے نہیں گذرا، اس لئے جناب والا سے باادب گذارش ہے کہ اس بارے میں شرع متین کی روشنی میں دل کا خلجان دور کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں، مشکور وممنون ہوں گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سحری کھانے میں تاخیر کا حکم عام ہے، اس میں نفل اور

فرض روزوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چناں چہ علامہ شامیؒ نے بروایت طبرانی یہ حدیث نقل کی ہے:

قلت: من أخلاق المرسلين تعجيل الإفطار وتاخير السحور. (شامي ٢/٤٢٠ كراچی، ٣/٤٠٠ زكريا) اس لئے نفلی روزوں میں تاخیر نہ کرنے کے مستحب ہونے کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی؛ البتہ یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ فرض روزے چوں کہ عام مسلمان رکھتے ہیں اس لئے وہاں صبح صادق کا اعلان ہونے کی وجہ سے ختم سحری کا علم سب کو ہوجاتا ہے اور جب کوئی آدمی اکیلے نفلی روزہ رکھے، تو ہوسکتا ہے کہ اس پر ختم سحری مشتبہ ہوجائے،اس لئے روزہ کے یقینی ہونے اور شک وشبہ سے بچنے کے لئے اسے اگر ابتداء وقت میں سحری کھانے کو کہا جائے تو بہتر ہے۔

عن زيد بن ثابت رضي اللّٰه عنه قال: تسحرنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثم قام إلى الصلاة، قلت: كم كان بين الأذان والسحور؟ قال: قدر خمسين آية. (صحيح البخاري ١/٢٥٧، صحيح مسلم ١/٣٥٠)

كما تستفاد: ومحل الاستحباب ما إذا لم يشك في بقاء الليل، فإن شك كره الأكل في الصحيح. كما في البدائع الصنائع. (شامي ٢/٤١٩ كراچی، ٣/٤٠٠ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/٢٠٠، هداية ١/٢٢٥، مراقي الفلاح ٣٧٣)

ثم التسحر مستحب، والمستحب تاخيره، وتاخير السحور إنما يكون مستحبًا إذا لم تكن في السماء علة، وهو غير شاك في وقوع أكله في النهار.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٣٥٥ زكريا، مجمع الأنهر ١/٢٤٨) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۳ھ

سحر وافطار کے وقت مسجد میں نقارہ بجانا

سوال (۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں افطار وسحر کے وقت مسجد کے صحن میں نقارہ بجاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

بعض لوگ اپنی مسجد میں گھنٹی بجاتے ہیں، تو یہ کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سحر وافطار کے اعلان کے لئے اس طرح کے دف اور گھنٹے بجانا جائز ہے، بشرطیکہ ان میں کوئی ساز نہ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۵۶ امیرٹھ، فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۴۰)

أقول: وینبغي أن یکون طبل المسحر في رمضان لإیقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تأمل. (شامي ٦/ ٣٥٠ کراچی، ٩/ ٥٠٥ زکریا، سکب الأنهر علی هامش مجمع الأنهر / کتاب الکراهیة ٤/ ٢٢٢ دار الکتب العلمیة بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

اشاعتِ دینیات کی ''دائمی اوقات الصلوٰۃ'' جنتری سے سحر وافطار کرنا

سوال (۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر فریضۂ نماز کو اپنے اپنے اوقات پر فرض فرمایا ہے، چنانچہ جب تک ظہر کا وقت رہتا ہے عصر کی نماز اور اس کی اذان صحیح نہیں، مگر ہمارے سامنے جو ٹائم ٹیبل ہے اس کے حوالہ سے یہ ایک اہم مسئلہ سامنے ہے، اور خاص طور سے رمضان المبارک میں درپیش رہتا ہے،

دارالاشاعت اسلامیہ کلکتہ سے شائع ہونے والا دائمی جدول اسٹنڈرڈ قائم جو ہمارے بنگال کے تقریباً سبھی مساجد میں آویزاں ہے، اور اسی کے مطابق اذان ونماز کا اہتمام ہے۔ ادارہ اشاعتِ دینیات دہلی سے شائع ہونے والا دائمی اوقات الصلوٰۃ برائے ہند، دونوں کے اوقات میں ۵-۶/ منٹ کا فرق رہتا ہے، مثلاً کلکتہ کے ٹائم ٹیبل کے مطابق کلکتہ میں ۶/ اکتوبر کو منتہائے سحر ۴/ بج کر ۹/ منٹ پر ہے، اور دہلی ٹائم کے مطابق اسی ۶/ اکتوبر کو کلکتہ میں منتہائے سحر ۴/ بج کر ۵۸/ منٹ پر ہے، اس طرح سے دونوں میں ۶/ منٹ کا فرق ہے، دہلی جنتری کے مطابق ان کے اوقات میں ۳۰/ سکنڈ کا مقدم یا مؤخر امکان ہے، اس کو ایک منٹ مان کر چلیں تو ۵/ منٹ کا فرق ضرور ہے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ رمضان میں کلکتہ کے ٹائم کے مطابق انتہائے سحر کے فوراً بعد فجر کی اذان پڑھ دی جاتی ہے، اور کہیں کہیں ۲-۳؍منٹ کے بعد اذان پڑھ دی جاتی ہے، جب کہ دہلی کے ٹائم کے مطابق ۳؍منٹ یا ۴؍منٹ باقی رہتا ہے، ایسی صورت میں فجر کی اذان صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر صحیح نہ ہو تو اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

اسی طرح غروبِ آفتاب میں کم از کم پانچ منٹ قبل دہلی جنتری کے مطابق غروب ہوتا ہے اور کلکتہ کے ٹائم کے مطابق ۵؍منٹ تاخیر سے غروب ہوتا ہے، اب اگر دہلی جنتری کے مطابق روزہ افطار کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے جو دائمی اوقات الصلوٰۃ شائع کیا گیا ہے وہ فن اصول وقواعد اور تجربات کی روشنی میں صحیح ثابت ہوا ہے؛ اس لئے جو شخص اس میں درج شدہ وقت کے مطابق سحر یا افطار کرے گا اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا، باقی احتیاط اسی میں ہے کہ جب مقامی جنتری کے مطابق وقت ہوجائے تبھی روزہ افطار کیا جائے اور سحر میں جب اوقاتُ الصلوٰۃ میں لکھے گئے وقت کے مطابق ختم سحر ہو، اس کے بعد ہی فجر کی اذان دی جائے؛ تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳۰؍۴؍۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیلنڈر کے مطابق ختم سحر وصبحِ صادق کے درمیان وقفہ میں کھانا پینا؟

سوال (۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ شاہی مرادآباد کے دائمی کیلنڈر میں اذان فجر کا جو وقت دیا گیا اور جو ختم سحر کا وقت ہے، اس میں ۵-۶؍منٹ کے احتیاط کی بات کہی گئی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس احتیاطی پانچ چھ منٹ کے مابین اگر کوئی شخص شرب وطعام میں مصروف رہے، تو اس کا روزہ صحیح ہوگا یا فاسد؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ شاہی مرادآباد کے دائمی کیلنڈر میں ختم سحر کے متعلق جو ۵-۶ منٹ کے احتیاط کی بات مذکور ہے، وہ اصل وقت ختم ہونے سے پہلے کی ہے؛ لہٰذا اس احتیاطی ۵-۶ منٹ کے درمیان کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۹/۵/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد میں اجتماعی روزہ افطار کرنا؟

سوال (۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں رمضان المبارک کے مہینہ میں لوگ مسجد میں برائے ثواب افطاری بھیجتے تھے، جس کو تقسیم کرنے کے سلسلہ میں آپس میں جھگڑا وتکرار ہوجاتا تھا؛ لہٰذا مسجد کے اراکین نے دوسال سے مسجد میں افطاری لینا بند کردیا، اس بارے میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب جھگڑے کا اندیشہ ہو تو مسجد میں افطاری نہ لینا ہی بہتر ہے، جھگڑے کے ہر موقع سے بچنا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا﴾ [الانفال: ٤٦] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۵/۹/۱۴۱۳ھ

انجان مسلمان کی پکی ہوئی چیز سے افطار کرنا؟

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں احباب روزہ داروں کو افطار کرانے کی خاطر کوئی چیز پکوا کر تقسیم کرواتے ہیں، اور کھانے والے احباب ان حضرات سے بالکل واقف نہیں کہ وہ کون ہیں؟ اور ان کے

روپیوں کی کیا حیثیت ہے؟ اب بتائیں کہ وہ کھانے والے احباب بغیر کسی تحقیق کے اس شئ مطبوخ سے افطار کر سکتے ہیں یا کچھ تحقیق کے بعد مسئلہ کو دلائل ونظائر کی روشنی میں سمجھائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مؤمن اور مسلمان بھائی ہم کو افطار کرا رہا ہے تو ہم کو "ظنوا بالمؤمنین خیراً" کے تحت یہی گمان کرنا چاہئے کہ حلال مال سے کھلا رہا ہے، نیز ہم ظاہر کے مکلّف ہیں، باطن کے نہیں؛ لہٰذا ہم کو کسی مسلمان کے بارے میں تحقیق کرنے کا بھی حق نہیں ہے؛ البتہ اگر دلائل وقرائن کے ذریعہ حتمی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ حرام مال سے کھلاتا ہے تو پھر ایسے شخص کے یہاں کھانے پینے سے احتراز لازم ہے۔

روي عن سلمان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من فطّر صائماً على طعام وشراب من حلالٍ صلّت عليه الملائكة في ساعات شهر رمضان وصلى عليه جبرئيل ليلة القدر. (رواه الطبراني في الكبير، كذا في الترغيب والترهيب مكمل: ١٦٥٩)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فاعمه طعاماص، فليأكل من طعامه، ولا يسأله عنه، فإن سقاه شراباًمن شرابه فليشرب من شرابه ولا يسأله عنه. (مسند أحمد ٣٩٩/٢ رقم: ٩١٧٣)

وإن كان الغالب ماله حلالاً لابأس بقبول هديته والأكل منها. (الفتاویٰ الهندية ٣٤٣/٥، بزازية ٣٦٠/٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۵ھ

سودخور اور رشوت لینے والے کی دعوتِ افطار کا حکم

سوال (۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایسا مسلمان کہ جس کی آمدنی مشکوک ہو یعنی وہ سودخور ہے، رشوت لیتا ہے، یا دیگر سیاسی ذرائع سے جو ناجائز ہوں، ان سے آمدنی پیدا کرتا ہے، اس شخص کی دعوت افطار میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کی غالب آمدنی اگر حلال ہے تو اس کی دعوتِ افطار قبول کرنا جائز ہے، اور اگر غالب آمدنی حرام ہے تو اس کی دعوتِ افطار قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۲۳۷)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: جاء إليه رجل، فقال: إن لي جاراً يأكل الربا وإنه لا يزال يدعوني، فقال: فهنأه لک وإثمه عليه. قال سفيان: فإن عرفته بعينه فلا تصبه. (المصنف لابن عبد الرزاق ۸/۱۵۰ رقم: ۱٤٦٧٥)

أكل الربوا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل، وإن كان غالب ماله حلال لا بأس بقبول هديته والأكل منها. (الفتاوىٰ الهندية ٥/٣٤٣، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧/١٧٥ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۸/۸/۱۴۱۷ھ

حرام کاروبار کرنے والے کی آمدنی سے افطار کرنا؟

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالص سودی کاروبار کرنے والا شخص جس کی اس کے علاوہ کوئی حلال آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، اس کا افطار کروانا کیسا ہے؟ نیز افطار کرنا کیسا ہے؟ نیز شراب کا کاروبار کرنے والے کی افطاری وافطار کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کی غالب آمدنی حرام ہو خواہ سود سے ہو یا

شراب وغیرہ سے، تو اس کے یہاں افطار کرنا یا دعوت کھانا قطعاً ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۱۰۲ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [البقرة: ۱۷۲]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... وإن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلک.

(صحيح مسلم رقم: ١٠١٥، تفسير ابن كثير مكمل ١٤٠ دار السلام رياض)

قال الملا علي قاري: ومن الأعذار المسقطة للوجوب أو الندب أن يكون في الطعام شبهة ...... أو هناک منهي كالخمر أو للسهو أو فرش الحرير وغير ذٰلک. (مرقاة المفاتيح / باب الوليمة ٦/٣٧١ رشيدية، كذا في النووي على مسلم / باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة ١/٤٦٢)

رجل أهدى إلى إنسان وأضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٨/١٧٥ رقم: ٢٨٤٠٥ زكريا)

وإن كان غالب ماله الحرام لا يقبله ولا يأكله. (مجمع الأنهر ٢/٥٢٩ دار إحياء التراث العربي بيروت، الأشباه والنظائر ١/١٤٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۲/۵/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص خود روزہ نہ رکھے اس کی دعوتِ افطار کا حکم

سوال (۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسا مسلمان جو خود روزہ کا اہتمام نہ کرتا ہو اور نام کی خاطر مسلم وغیر مسلم کو دعوتِ افطار پر مدعو کرے اور وہاں سنت طریقوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے، یعنی کھڑے ہوکر افطار کیا جاتا ہے، تو اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص بلاکسی عذر شرعی کے رمضان المبارک کا روزہ چھوڑتا ہو اور خلافِ سنت طریقہ پر دعوتِ افطار کرتا ہو، تو ایسے شخص کی دعوتِ افطار میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔

عن عمران بن حصین رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الكبير للطبراني ١٨/١٦٨ رقم: ٣٧٦ بحواله: التعليقات على الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧/١٧٥ زكريا)

لا يجب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه. (الفتاوىٰ الهندية ٥/٣٤٣، درمختارمع الشامي ٦/٣٤٨، البحر الرائق ٨/١٨٨، بزازية على الفتاوىٰ الهندية ٦/٣٦٤، شامي ٩/٥٠١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۸/۱۸ھ

غیر مسلم کی دعوتِ افطار کا حکم

سوال (٥٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روزہ جس کو پاک چیز سے افطار کرنے کا حکم ہے، اگر کوئی غیر مسلم دعوتِ افطار پر مدعو کرے تو اس کی دعوتِ افطار قبول کرنا کیسا ہے؟ کیوں کہ غیر مسلم کی آمدنی مشکوک اور مشتبہ ہوتی ہے، اگر اپنے ہمراہ اپنا افطار لے جا کر وہاں اس شئ سے افطار کرے اور باقی میزبان کے دسترخوان پر کھالے تو کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن پاک اور حلال چیزوں کا کھانا حلال اور جائز ہے، ان تمام چیزوں سے روزہ افطار کرنا بھی جائز ہے؛ لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم پاک اور حلال چیز سے افطار

کرائے، تو اس سے افطار کرنا فی نفسہٖ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۹۴، فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۲۴، ۲/۴۶۱، کفایۃ المفتی ۴/۲۳۶)

تاہم آج کل زیادہ تر ایسے پروگرام سیاسی مقاصد کے لئے کئے جاتے ہیں، اس لئے ان میں شرکت سے احتیاط کرنی چاہئے۔

المجوس أو النصراني إذا دعا رجلاً إلی طعامه تکره الإجابة، وإن قال: اشتریت اللحم من السوق، فإن کان الداعي نصرانیًّا فلا بأس ...... لا بأس بأن یضیف کافراً لقرابة أو لحاجة، ولا بأس بالذهاب إلی ضیافة أهل الذمة. (الفتاویٰ الهندیة ۵/۳۴۷، کذا في فتاویٰ أهل سمرقند وفي النوازل، بحواله: الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۷/۱۷۰ زکریا)

قال الشعبي: إنا نغزوا أرهن أرمینیة – أرض نصرانیة – فما تری في ذبائحهم وطعامهم، قال: کنا إذا غزونا أرضاً سألنا عن أهلها، فإذا قالوا یهود أو نصاریٰ أکلنا من ذبائحهم وطعامهم وطبخنا في آنیتهم. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۷/۴۲۱ رقم: ۳۳۳۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/۸/۱۴۱۷ھ

ہندو شخص کا روزے داروں کو کھانا کھلانا؟

سوال (۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ہندو ثواب کی خاطر روزہ داروں کو کھانا کھلانا چاہتا ہے، جتنا پیسہ لگے بتادیں کہ اتنا لگے گا، تو میں دے دوں گا، کھانا پکاتے وقت چاہے میں رہوں یا نہ رہوں، تم وہ کھانا کھلا دینا اور پیسہ مجھ سے لے لینا، وہ پیسہ ذاتی محنت کا ہے، تو وہ پیسہ ایک ہندو سے لینا شرعاً کیسا ہے؟ یا نہ لینا بہتر ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی غیر مسلم شخص بخوشی مسلمان روزہ داروں یا غیر

روزہ داروں کو کھانا کھلانا چاہتا ہے، تو اس کی پیش کش کو قبول کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۶؍۴۹۴، ایضاح المسائل ۸۳)

عن أبي وائل وإبراهيم قالا: لما قدم المسلمون أصابوا من أطعمة المجوس من جنبهم وخبزهم، فأكلوا ولم يسألوا عن شيء من ذٰلک.

وفي رواية: قال عبد اللّٰه: إنكم نزلتم بين فارس والنبط، فإذا اشتريتم لحمًا، فإن كان ذبيحة يهودي أو نصراني فكلوه، وإن ذبحه مجوسي فلا تأكلوه.

(مصنف ابن أبي شيبة ٤١٦/١٧ - ٤١٧ رقم: ٣٣٣٦٢ - ٣٣٣٦٤، التعليقات على الفتاویٰ التاتارخانية للمفتي شبير أحمد القاسمي ١٦٦/١٧ زكريا)

ولا بأس بطعام اليهودي والنصاریٰ من أهل الحرب أو من غير أهل الحرب ...... ولا بأس بطعام المجوسي كلها إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام.

(الفتاویٰ التاتارخانية ١٦٦/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۴/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزے سے متعلق چند آیات کا مطلب اور احکام

سوال (۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سورۂ بقرہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. ...... فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: ١٨٣-١٨٥]

ان آیات میں روزے کے تعلق سے کہا گیا ہے کہ روزہ ایمان دار لوگوں پر فرض کیا گیا ہے، جیسا کہ پچھلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا؛ تا کہ تم متقی بنو، گنتی کا دن، اگر کوئی بیمار یا سفر پر ہو تو، اتنے ہی دن بعد میں (ادا کئے جائیں) اور پھر جو طاقت رکھتا ہو اس پر فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانے کھلانا اور جو اختیاری طور پر کرے تو اس کے لئے خیر ہے، اور اگر تم روزہ رکھ تو تمہارے لئے بہتر ہی ہے اگر تم جانو۔

یہاں دو چیزوں کی تشنگی تھی کہ کب رکھیں اور کتنے رکھیں؟ اس لئے آیت ۱۸۵ ر میں اس کو بتلا دیا گیا ہے، ماہِ رمضان جو کوئی اس کو پائے اس میں روزہ رکھے، بات صاف ہوگئی کہ کب رکھیں اور کتنے رکھیں؟ اگر بیمار ہو یا سفر پر ہو تو بعد میں اتنے ہی دن کے روزے پورے کریں۔ اس کے ساتھ ہی کہا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں۔

آسانی کس میں ہے؟ روزہ رکھنے میں یا فدیہ دینے میں؟ ایک متمول شخص کے لئے روزہ رکھنا اور فدیہ دینا دونوں برابر ہے، اس کے اندر دونوں چیزوں کی استطاعت ہے؟ مذکورہ آیت: ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا کارانہ طور پر روزہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کوئی لازمی چیز نہیں ہے۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش ہے، اس میں انہوں نے فرمایا کہ ''میری امت کے پہلے اپنے اعمال کی وجہ سے کامیاب ہوئے اور میری امت کے پچھلے اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بھوکا و پیاسا رکھنے کی طرف مائل نہیں ہیں اور خوش ہوتے ہیں؛ بلکہ وہ نیت کو دیکھتے ہیں ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ بلکہ ایک مسکین کی بھوک و پیاس مٹانے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ آیت ۱۸۴ منسوخ ہو چکی، کس نے منسوخ کیا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں قرآنِ کریم کی آیتوں کی تشریح کی ہے، اس میں اِن متعدد آیتوں کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔ کسی راوی نے کہا ہے کہ فلاں آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔

سورۂ بقرہ۲، آیت ۱۰۶ رمیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ آیت میں لفظ ''ما'' نفی کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا ''ہم نہیں منسوخ کرتے کسی آیت کو، ہم بھلا دیتے ہیں، اس جیسی اس سے اچھی یا اس کی مثال لاتے ہیں''۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کا حکم رضا کارانہ طور پر نہیں؛ بلکہ لزومی حکم ہے، اسی وجہ سے بلاعذر رمضان المبارک میں روزہ کے چھوڑنے پر سخت وعیدیں وارد ہیں، اور جان بوجھ کر بلا عذر روزہ توڑ دینے پر کفارہ دینے کا حکم ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ روزہ کا حکم رضا کارانہ طور پر نہیں ہے۔ چند احادیثِ شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أفطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه. (سنن الترمذي ۱۵۳/۱ رقم: ۷۲۳، الترغيب والترهيب مكمل: ۲۳۷ رقم: ۱۵۲۹)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: عرى الإسلام وقواعد الدين ثلاثة: عليهم أسس الإسلام من ترك واحدة منهن، فهو بها كافر حلال الدم، شهادة أن لا إله إلا اللّٰه، والصلاة المكتوبة وصوم رمضان. (مسند أبو يعلى الموصلي ۳۷۸/۲ رقم: ۲۳۴۹، مجمع الزوائد ۴۷/۱، الترغيب والترهيب مكمل: ۲۳۷، رقم: ۱۵۳۱)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا اللّٰه، وأن محمد رسول اللّٰه، وإقام الصلاة وإيتاء الزكوة والحج وصوم رمضان. (صحيح البخاري ۶/۱ رقم: ۸، صحيح مسلم ۳۲/۱، سنن النسائي ۲۳۰/۲، سنن الترمذي ۸۸/۲)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رجلا وقع بامرأته في رمضان فاستفتى

رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن ذٰلک، فقال: هل تجد رقبة؟ قال: لا، قال: وهل تستطيع صيام شهرين؟ قال: لا، قال: فأطعم ستين مسكين. وفي رواية: عن أبي هـريـرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر رجلا أفطر في رمضان أن يعتق رقبة، أو يصوم شهرين، أو يطعم ستين مسكينا. (صحيح مسلم ۱/ ۳٥٥)

درج بالا احادیثِ شریفہ اور آیت: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ اس بات کی دلیل ہیں کہ روزہ کا حکم اختیاری نہیں ہے؛ بلکہ روزہ رکھنا ہی لازم ہے، اور پہلی آیت میں جو اختیار کا ذکر ہے وہ حکم منسوخ ہے اور اس پر دلیل یہی آیت اور یہ مذکورہ روایات ہیں، چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہے:

عـن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه قرأ فدية طعام مسكين قال: هي منسوخة.

(صحيح البخاري ۱/ ٦٤٧ رقم: ٤٣٢١)

وعـن سـلمة قال: لما نزلت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ كـان من أراد أن يفطر ويفتدى حتى نزلت الآية بعدها. (صحيح البخاري ۲/ ٦٤٧ رقم: ٤٣٢٢، صحيح مسلم ۱/ ۳٦۱، صحيح ابن حبان ٤/ ١٤٣ رقم: ٣٤٧٧)

وعـن سـلـمة بـن الأكـوع رضـي اللّٰه عنه قال: كنا في رمضان على عهد رسـول اللّٰـه صـلـى اللّٰـه عليه وسلم من شاء صام ومن شاء أفطر وافتدى بطعام مسـكيـن حتـى أنـزلـت الآية: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (صـحيح مسلم ۱/ ۳٦۱، الـمستـدرك لـلـحـاكـم ۲/ ٥٩٥، وفي النسخة القديمة ۱/ ٤۲۳ رقم: ١٥٣٨، صحيح ابن حبان ٤/ ١٨٢ رقم: ٣٦٢٥)

قـال عـلـي: لا أرى الـصـوم إلا واجبـاً، قال اللّٰه تعالى: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (المصنف لابن عبد الرزاق ٥/ ٢٦٦ رقم: ٧٧٦١)

اور سائل کا آیت: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا، اَلَمْ

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ میں ’’ما‘‘ کونافیہ مراد لینا اس کی عربی زبان سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے؛ اس لئے کہ یہاں "ما" نافیہ مراد لینے کی شکل میں معنی درست ہی نہیں ہوسکتے؛ کیوں کہ آگے "أو'' آرہا ہے جو ننسخ پر عطف ہے، اس سے لازماً "أو'' کے بعد "ما" کو محذوف ماننا پڑے گا، جس سے "ما" نافیہ کی صورت میں مطلب بالکل خبط ہوجائے گا اور کلمہ "أو''کو نظر انداز کرکے سائل نے اپنی طرف سے جو ترجمہ کیا ہے وہ کھلی ہوئی تحریف ہے، ایسی ہی تحریفات پر احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ سائل سے بطور خیر خواہی عرض ہے کہ کلام خداوندی میں ایسی من مانی تشریحات کرکے اپنی عاقبت برباد نہ کریں اور ایسی موشگافیوں سے باز آجائیں۔

من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار. (سنن الترمذي ۱۲۳/۲، مشکوۃ ۳۵/۱، المسند لأبي يعلى ۲۷٤/۲)

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ ...... ما أي أيّ شيء ننسخ من آية واحتمال زيادة من، وجعل آية حالاً كاحتمال كون ما مصدرية شرطية وآية مفعولاً به، أي أيّ نسخ ننسخ آية؛ بل هذا الاحتمال أدهى وأمر كما لا يخفى. (روح المعاني ۵۵٤/۱)

ما شرطية ننسخ من آية أي نزل حكمها أما مع لفظها أولاً. (تفسير الجلالين ۱٦)

ما ننسخ من آية وما مفعول مقدم على ننسخ، وهي شرطية جازمة والتقدير أيّ شيء ننسخ مثل قوله: أيّاما تدعو. (الإسراء: ۱۱۰)

وقوله: "من آية" من للتبعيض، فهي متعلقة بمحذوف؛ لأنها صفة لاسم الشرط، ويضعف جعلها حالا، والمعنى أيّ شيء ننسخ من الآيات. (الفتوحات الإلهية بتوضيح تفسير الجلالين المعروف بتفسير الجمل ۱۳۷/۱)

وأما معنى الآية فقوله: ﴿ما ننسخ من آية﴾ أي نرفعها أو نرفع حكمها، أو ننسها. (تفسير الخازن ۷٤/۱)

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ ...... ونسخ الآية بيان انتهاء التعبد بقراء تها، أو الحكم المستفاد منها، أو بهما جميعا، و انساء ها إذهابها من القلوب، و ما شرطية جازمة لننسخ منتصبة به على المفعولية. (بيضاوي ١/ ٩٨، تفسير المظهري ١/ ١٢٧)

ما ننسخ من آية أو ننسها، أي نؤخرها. (فتح الباري ٨/ ١٣٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

آنکھ میں دوا ڈالنا

سوال (۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آنکھ میں دوائی ڈالنے سے حلق میں اثر پہنچتا ہے، یعنی حلق میں کڑواپن محسوس ہوتا ہے، تو اس صورت میں روزہ کے اندر کوئی کمی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنکھ میں دوا ڈالنے اور اس کا اثر حلق میں محسوس ہونے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

ولو أقطر شيئاً من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا، وإن وجد طعمه في حلقه. (الفتاویٰ الهندية ۲۰۳/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۳۷۹/۳ زكريا، مراقي الفلاح ۳۶۱، جواهر الفقه ۳۷۹/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۵ھ

آنکھ میں دوا ڈالنا روزہ کے لئے کیوں مفسد نہیں؟

سوال (۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اطباء کے نزدیک آنکھ میں دوا ڈالنے پر نغنغہ نامی رگ سے وہ دوا حلق میں پہنچ جاتی ہے، اور اس کا ذائقہ بھی حلق میں محسوس ہوتا ہے، تو روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ باقی رہے گا یا جاتا رہے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا یا آنکھ میں دواڈالنا مفسد نہیں ہے؛ اس لئے کہ آنکھ اور حلق میں براہِ راست کوئی منفذ نہیں ہے اور حلق میں جو سرمہ یا دوا کا اثر محسوس ہوتا ہے، وہ باریک رگوں کے واسطہ سے ہے اور ایسا اثر روزہ کے لئے مانع نہیں ہے۔

ولأنـه لاينـفـذ من العين إلى الجوف ولا إلى الدماغ، وما وجد من طعمه فذلک أثره لا عينه، وإنه لايفسد الخ. (بدائع الصنائع ٢/٢٦٨ زكريا، شامي ٣/٣٦٧ زكريا، البناية شرح الهداية / باب ما يوجب القضاء والكفارة ٤/٤١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزہ میں آنکھ، کان، ناک میں دواڈالنے سے متعلق ایک انوکھی تحقیق

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہ نامہ ’’ندائے شاہی‘‘ ماہِ فروری ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۰/ پر رمضان المبارک کے ضروری احکام ومسائل کا مطالعہ کیا، اس میں تحریر کیا گیا ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور انجکشن وگلوکوز لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کس بنیاد پر یہ رائے قائم کی گئی ہے، مفصل تحریر فرمایئے؟

(۱) آپ نے صفحہ ۱۲/ پر مفسداتِ روزہ میں ناک میں دواڈالنے اور کان میں دواڈالنے کو مفسدِ صوم فرمایا ہے، شاید آپ کو اس حقیقت سے اتفاق نہیں کہ آنکھ میں سے ایک راستہ ناک میں کو بھی کھلتا ہے، اس لئے دونوں کا حکم ایک ہی رہنا چاہئے؛ کیوں کہ آنکھ کی دوا ناک میں پہنچ سکتی ہے، اور حلق میں جاسکتی ہے۔ (اسی راستے کے ذریعہ زیادہ رونے پر آنکھ کے آنسو ناک سے بھی نکلنے لگتے ہیں) ایک کتاب ’’روزہ میں انجکشن وآپریشن کے شرعی احکام‘‘ مؤلفہ: مولانا حافظ مفسر مفتی خواجہ محمد ادریس صاحب لکھیم پوری نے صفحہ ۲۲/ پر آنکھ میں دواڈالنے کو مفسد صوم لکھا ہے۔

(۲) آپ نے انجکشن وگلوکوز کو غیر مفسد روزہ فرمایا ہے، شاید ایسا کہنے میں صرف اس بات

کا خیال رکھا گیا ہے کہ دوا وغذا منفذ (منہ ناک سے داخل نہیں ہوتی؛ بلکہ ورید، شریان اور جلد سے داخل ہوتی ہے، دراصل یہاں تین باتوں پر غور کرنا ضروری ہے: افادیت، منفذ، نیت)

الف: افادیت:- حقیقت یہ ہے کہ انجکشن کے ذریعہ وہ دوائیں آسانی سے دی جاسکتی ہیں جن کو خوردنی سے دیا جاتا ہے، اور بوتل کے ذریعہ جسم انسانی کی غذائیت و کمزوری و پیاس کو دور کیا جاسکتا ہے، تو جناب والا جب دوا وغذا دونوں کا فائدہ ارادۃً حاصل کیا جارہا ہے، تو اس کا حکم وہی ہونا چاہئے جو خوردنی دوا کا ہے؛ کیوں کہ یہ دوا وہی کام کرتی ہے اور معدہ، آنت اور دماغ ہر جگہ پہنچتی ہے۔

دلیـــل: میں نے پڑھا ہے کہ زخم دماغ زخم شکم سے اگر دوا لگانے پر جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں دوا چلی جائے، تو روزہ فاسد ہوجائے گا، پس ظاہر ہوتا ہے کہ اصل بنیاد منفذ نہیں؛ بلکہ اندرونی فائدہ ہے۔

(۳) آگ دھونکنے سے ناک ومنہ سے دھواں پھیپھڑوں میں چلا جاتا ہے، (سانس کے ہمراہ) اور بعد میں نکل آتا ہے؛ لیکن مفسد صوم نہیں، اس کے برخلاف حقہ و بیڑی کا دھواں مفسدِ صوم ہے؛ کیوں کہ یہ عمل ارادۃً نشہ پورا کرنے کے لئے ہے، بس افادیت کا یہاں بھی غلبہ ہے۔

(۴) میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ اگر انگور کو ڈورے میں باندھ کر کوئی نگل جائے اور پھر اس انگور کو بغیر ٹوٹے ہوئے اسی حالت میں باہر نکال لیا جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ لیکن اگر انگور ٹوٹ جائے یا اس کا پانی پلا دیا جائے، پھر چاہے الٹی ہی کردی جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا؛ کیوں کہ انگور کی کچھ نہ کچھ افادیت انسان کو مل جائے گی۔

(۵) سانس کے ذریعہ ذرات، باریک کیڑے مکوڑے، ہوا میں شامل پانی اندر جاتا ہے؛ لیکن مفسد صوم نہیں؛ کیوں کہ انسان کو اس کو روکنے کی قدرت نہیں۔

(٦) بچھو کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ موذی مضرت پہنچانے والے کو کاٹتا ہے، انسان کا ارادہ اس میں شامل نہیں ہے، پس ظاہر ہوتا ہے کہ اراق وفائدہ حاصل کرنا مفسد

صوم ہے، جس کو روزہ کی حالت میں منع کیا گیا ہے، جیسے دوا، غذا، مباشرت (دن میں احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، جب کہ جان کر ارادۃً کسی طریقہ سے انزال سے فاسد ہو جاتا ہے، پس روزہ انجکشن سے فاسد ہونے کا خیال مناسب ہے، اور کچھ مدارس ایسا لکھ بھی رہے ہیں، مہربانی فرما کر ڈاکٹر و علماء کے اجلاس کے ذریعہ تحقیق کے بعد اپنی رائے سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضراتِ فقہاء نے قرآن واحادیث کے تمام نصوص کو سامنے رکھ کر روزہ ٹوٹنے کا مدار دو چیزوں پر رکھا ہے:

(۱) صورتِ افطار:- یعنی منہ سے کوئی چیز قصداً یا خطاء نگل لینا، خواہ وہ کیسی ہی چیز ہو، مفید ہو یا غیر مفید، یا قصداً جماع کرنا۔

(۲) معنیٔ افطار:- یعنی جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ تک پہنچنے والے طبعی راستوں کے ذریعہ کسی طبعًا یا عرفاً مفید چیز کا جوف تک بالقصد پہنچ جانا یا قصداً انزال کر دینا۔

قال العلامة بن الهمام: قد علمت أنه لا يثبت الفطر إلا بصورته أو معناه وقد مر أن صورته الابتلاع، وذكر أن معناه وصول ما فيه صلاح البدن إلى الجوف. (فتح القدير ۲/۷۳)

وقال العلامة الشامي: ويظهر من ذٰلک أن مرادهم بما يتغذى به ما يكون فيه صلاح البدن إن كان مما يوكل عادةً على قصد التغذي أو التداوي أو التلذذ. (شامي ۲/۴۱۰ کراچی، شامي ۳/۳۸۷ زکریا)

وعلىٰ هٰذا فالأصل أن الجماع المفسد للصوم هو الجماع صورة وهو ظاهر أو معنى فقط وهو الإنزال الخ. (شامي، الصوم / مطلب: في حكم الاستمناء بالكف ۲/۳۹۹ کراچی، شامي ۳/۳۷۲ زکریا)

اسی اصول پر مسائل متفرع کرتے ہوئے حضراتِ فقہاء فرماتے ہیں کہ (۱) جہاں صورت

اور معنی دونوں اعتبار سے افطار پایا جائے گا، وہاں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، مثلاً کوئی غذا منہ کے راستہ سے قصداً کھالی، تو یہاں صورتِ افطار بھی پائی گئی اور غذا میں افادہ کی صلاحیت موجود ہونے کی وجہ سے معنیً افطار بھی پائے گئے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلاً أكل في رمضان فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين أو يطعم ستين مسكيناً. (سنن الدار قطني ۲/ ۱۷۰ رقم: ۲۲۸٤) **ورواه أبو داؤد عنه مرفوعاً بلفظ: أفطر، وزاد فيه حديثًا طويلاً.** (سنن أبي داؤد ٤٤٦ رقم: ۲۳۹۲ دار الفكر بيروت)

قال في التنوير: أو أكل أو شرب أو غذاءً أو دواءً ما يتداوىٰ به عمداً ...... قضىٰ وكفر ككفارة المظاهر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۲/ ٤٠٦ كراچی، ۳/ ۳۸٦ زكريا)

(۲) اور جہاں صرف صورتِ افطار یا صرف معنیً افطار پائے جائیں، دونوں جمع نہ ہوں، مثلاً پتھری نگل لینا کہ اس میں افطار کی صورت تو پائی جاتی ہے؛ لیکن افطار کے معنی نہیں پائے جاتے؛ کیوں کہ پتھری بدن کے لئے مفید نہیں ہے یا ناک میں دوا ڈالنا کہ اس میں منفعت پائے جانے کی وجہ سے معنیٔ افطار تو محقق ہیں، مگر صورتِ افطار نہیں پائی جاتی، تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

أو ابتلع حصاةً أي فيجب القضاء لوجود صورة الفطر ولا كفارة لعدم وجود معناه. (شامي ۲/ ٤٠۲ كراچی، شامي ۳/ ۳۷٦ زكريا)

أو استعط في أنفه شيئاً (درمختار) وعدم وجوب الكفارة في ذٰلک هو الأصح؛ لأنها موجب الإفطار صورةً ومعنىً، والصورة الابتلاع كما في الكافي وهي منعدمة والنفع المجرد عنها يوجب القضاء فقط. (شامي / مطلب: في حكم الاستمناء بالكف ۲/ ٤٠۲ كراچی، شامي ۳/ ۳۷٦ زكريا)

عن عطاء كره أن يستدخل الإنسان شيئاً في رمضان بالنهار فإن فعل

فليبدل يوماً ولا يفطر ذٰلک اليوم. (المصنف لا بن عبد الرزاق رقم: ۷۵۰۷)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام، فقال: إنما الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل، وإنما الفطر مما دخل وليس مما خرج. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٢٦٤ رقم: ٨٢٥٣)

(۳) اور جن شکلوں میں افطار کے معنی اور صورت میں سے کوئی بھی چیز نہ پائی جائے، وہاں روزہ کے فساد کا حکم نہیں لگایا جاتا، چناں چہ ٹھنڈے پانی سے نہا لینے یا سر وغیرہ میں تیل لگا لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگرچہ پانی کی ٹھنڈک بدن میں محسوس ہوتی ہے، اور بسا اوقات اس کی وجہ سے پیاس کی شدت ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح تیل بھی مسامات کے ذریعہ بدن کے اندر تک پہنچ جاتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں روزہ کی حالت میں نفس افادیت ممنوع نہیں ہے؛ بلکہ وہ خاص افادیت مفسد ہے، جو صورت افطار یا معنی افطار کی شکل میں پائی جائے۔ چند آثار وجزئیات ملاحظہ ہوں:

وبلَّ ابن عمر رضي اللّٰه عنهما ثوباً فألقى عليه وهو صائم.

وقال ابن مسعود رضي اللّٰه عنه: إذا كان صوم أحدكم فليصبح دهنًا مترجّلاً.

(أخرجهما البخاري تعليقاً / باب اغتسال الصائم رقم الباب: ٢٥، فتح الباري ٥/١٩٢ دار الكتب العلمية)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: أوصاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن أصبح يوم صومي دهِيناً مترجلاً ...... الخ. (المعجم الكبير للطبراني ١٠/٨٤ رقم: ١٠٠٢٨ بحواله: التعليقات على الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٣٩٦ زكريا)

عن أبي بكر بن عبد الرحمن عن بعض أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أمر الناس في سفره عام الفتح بالفطر ...... قال أبوبكر: قال الذي حدثني: لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحرِّ. (سنن أبي داؤد / باب الصائم يصب على الماء من العطش رقم: ٢٣٦٥ دار الفكر بيروت)

والمفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام الذي هو خلل البدن وما يدخل من المسام البدن للاتفاق في من شرع في الماء ...... يجد برده في بطنه ولا يفطر. (فتح القدير ٢/ ٣٣٠)

والمضطر إنما هو الداخل من المنافذ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (شامي / مطلب: يكره السهر إذا خاف فوت الصبح ٣٦٧/٣ زكريا)

وقال في الهندية: وما يدخل من مسام البدن من الدهن لايفطر. (هندية ١/ ٢٠٣)

اس اصولی بحث کی روشنی میں آنکھ میں دوا ڈالنے، اسی طرح بدن کے کسی حصہ میں انجکشن لگانے اور گلوکوز چڑھانے کے مسائل بھی حل کئے جاسکتے ہیں۔ غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان مسائل میں صورت افطار اور معنی افطار کوئی بھی شکل نہیں پائی جارہی ہے۔ صورتِ افطار کا نہ پایا جانا تو ظاہر ہے؛ کیوں کہ منہ کے راستے سے دوا نہیں ڈالی جاتی، اور معنیٰ افطار بھی نہیں پائے جاتے؛ اس لئے کہ یہ دوا براہِ راست جوف تک نہیں پہنچتی؛ بلکہ رگوں اور مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہے، چناں چہ طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنکھ کے کنارے سے ایک نالی آنسوؤں کی تھیلی (کیس دمعی) تک پہنچتی ہے، اس تھیلی کے نیچے کی جانب سے ایک رگ ناک کے منفذ میں کھلتی ہے، اور ناک کا منفذ حلق میں جا کر ملتا ہے، تو درمیان میں کئی رگوں کا واسطہ ہوگیا۔ براہِ راست معدہ یا دماغ میں پہنچنے کی بات متحقق نہیں ہوئی، اس لئے روزہ کے فساد کا حکم نہ لگے گا۔ یہی معاملہ انجکشن اور گلوکوز کا بھی ہے کہ وہاں دوا براہِ راست معدہ میں نہیں پہنچتی؛ بلکہ درمیان میں مختلف رگوں کا واسطہ ہوتا ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: اكتحل رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو صائم. (سنن ابن ماجة ١/ ١٢١ رقم: ١٦٧٨)

قال في الهداية: ولو اكتحل لم يفطر؛ لأنه ليس بين العين والدماغ منفذ، والدمع يترشح كالعرق، والداخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل من الماء البارد. (هداية مع الفتح ٢/ ٣٣٤ زكريا)

وقال في الهندية: لو أقطر شيئاً من الدواء في عينه لايفطر صومه عندنا، وإن وجد طعمه في حلقه. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢٠٣)

وقال في البدائع: ولنا ما روي عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه قال خرج علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في رمضان وعيناه مملوأتان كحلاً كحلته أم سلمة رضي اللّٰه عنها ولأنه لا منفذ من العين إلى الجوف ولا إلى الدماغ، وما وجد من طعمه فذلك أثره لا عينه، وأنه لا يفسد كالغبار والدخان، وكذا لو أدهن رأسه أو أعضاء ه فتشرب فيه أنه لا يضره؛ لأنه وصل إليه الأثر لا العين. (بدائع الصنائع، الصوم / مفسداته ٢/ ٢٤٤ زكريا)

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے بیان فرمودہ ایک جزئیہ سے یہ حکم مستفاد ہوتا ہے کہ بلا عذر طاقت کے لئے انجکشن لگوانا اور گلوکوز چڑھوانا روزہ کی حالت میں مکروہ ہونا چاہئے؛ کیوں کہ یہ منشاءِ عبادت کے خلاف ہے۔

وإنما كره الإمام الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من إظهار الضجر في إقامة العبادة لا؛ لأنه مفطر. (شامي ٢/ ٣٩٦ كراچی، شامي ٣/ ٣٦٧ زكريا)

آپ نے جو مثالیں پیش فرمائی ہیں وہ بھی مذکورہ بالا اصولوں پر منطبق ہیں۔ چناں چہ:

الف: - زخم دماغ اور زخم شکم جسے عربی میں آمّہ اور جائفہ کہا جاتا ہے، ان سے مراد وہ زخم ہیں جن کا دہانہ دماغ کی جھلی یا معدہ میں براہِ راست کھل گیا ہو، ان میں روزہ کے فساد کا حکم معنی افطار کے متحقق ہونے کی بنا پر ہے؛ کیوں کہ ان پر دوا لگانے سے دوا براہِ راست جوف تک پہنچ جاتی ہے، اس سے وہ معمولی زخم مراد نہیں ہے، جس کے اثرات مسامات کے واسطے سے جوف تک پہنچتے ہوں۔

قال في الشامي: الجائفة الطعنة التي بلغت الجوف أو نفذته والآمّة من أممته بالعصا أما: من باب طلب إذا ضربت أم رأسه وهي الجلدة التي تجمع الدماغ. (شامي ٢/٤٠٢ كراچی، شامي ٣/٣٧٦ زكريا)

ب:- بیڑی وغیرہ کا جو دھواں قصداً منہ میں جارہا ہے وہ بھی معنی افطار یعنی منفذ کے ذریعہ قصداً صلاح بدن سے متعلق چیز کے چلے جانے کے وجود کی بناپر مفسد ہے، اس کے برخلاف اگر اچانک دھواں چلا جائے تو وہ مفسد نہیں؛ کیوں کہ قصد اور ارادہ کی شرط نہیں پائی گئی، یہی معاملہ ان اڑنے والے کیڑے مکوڑوں وغیرہ کا ہے۔

قال الحسن: إن دخل حلقه الذباب فلا شيء عليه. (ذكره البخاري تعليقاً ١/٢٥٩ رقم: الباب ٢٦)

عن ابن عباس رضي الله عنهما في الرجل يدخل حلقه الذباب قال: لا يفطر. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٣٤٩ رقم: ٩٨٨٦)

أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكراً استحساناً لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده لو أنه أدخل حلقه الدخان أفطر، أي دخان كان ولو عوداً أو عنبراً لو ذاكراً لامكان التحرز عنه. (الدرالمختار مع الشامي ٢/٣٩٥ كراچی، ٣/٣٦٦ زكريا)

والدخان: المراد به إذا دخل فإنه ليس بمفطر؛ لأنه لا يمكن الاحتراز عنه، لدخوله من الأنف إذا أطبق، قد صرحوا به، ومفاده الإدخال مفسد كما في الدر المختار، فمفاده أن إدخال دخان التنباک المتعارف في زماننا مفسد؛ لأنه إدخال، لا دخول، ويمكن الاحتراز عنه، كذا في السراج المنير. (العناية ٢/٢٥٨، كذا في التعليقات على الهداية ٢/١٠٨ مكتبة البشرىٰ كراچی)

ج:- کوئی چیز ڈورے میں باندھ کر اندر ڈالی جائے، تو جب تک ڈور ہاتھ میں رہے گی اور اندر گئی ہوئی چیز کے اجزاء بعینہٖ باقی رہیں گے، اس وقت تک روزہ کے فساد کا حکم نہ ہوگا؛ کیوں کہ

یہاں صورتِ افطار بھی نہیں پائی جاتی، اس لئے ڈور باہر ہونے کی وجہ سے وہ شئ پوری طرح سے داخل نہیں کہلائے گی، اور رصلاحِ بدن متعلق نہ ہونے کی وجہ سے معنی افطار بھی متحقق نہ ہوں گے۔

قال في الهندية: ومن ابتلع لحماً مربوطاً على خيط ثم انتضعه من ساعته لا يفسد، وإن تركه فسد كذا في البدائع. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۰۴)

حاصل یہ کہ آنکھ میں دوا ڈالنے اور انجکشن وغیرہ سے روزہ فاسد نہ ہونے کا حکم عقل ونقل سے ثابت شدہ ہے، اور نفسِ افادیت موجبِ فساد نہیں ہے؛ بلکہ اس کی کچھ شرائط اور قیودات ہیں، جن کو حضراتِ فقہاء نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ امید ہے کہ یہ تحریر آپ کے لئے موجبِ اطمینان ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بذریعہ انجکشن دوا یا غذا اندر پہنچانا؟

سوال (۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موجودہ دور میں جسم کے اندر دواؤں کے پہنچانے کی ایک صورت انجکشن کی اختیار کی گئی ہے، جو جسم کے مختلف حصوں میں لگائے جاسکتے ہیں، انجکش کے ذریعہ دوا کسی خاص حصہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے، اور رگوں میں بھی پہنچائی جاتی ہے؛ تاکہ خون کے ساتھ پورے جسم میں اس کی رسائی ہوجائے، پھر بعض انجکشن محض دوا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو جسم کی غذا کی ضرورت پوری کرتے ہیں، پس انجکشن کے ذریعہ جسم کے اندر دوا پہنچانا یا جسم کی غذائی ضرورت کو پوری کرنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ یا اس سلسلہ میں کچھ تفصیل بھی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غذائی ضرورت کی تکمیل کے لئے روزے کی حالت میں طاقت کے انجکشن کا استعمال اگرچہ روزہ کی مصلحت اور حکمت کے خلاف ہے؛ لیکن چوں کہ فسادِ صوم کی مقررہ علت (منافذ طبعیہ کے ذریعہ جوف تک دوا یا غذا وغیرہ کا پہنچنا) انجکشن کی صورت

میں عام طور پر نہیں پائی جاتی؛ اس لئے بذریعہ انجکشن رگوں یا گوشت تک دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ البتہ اگر کسی انجکشن سے براہِ راست جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں غذا یا دوا پہنچائی جائے، تو ایسی صورت میں روزہ کے فساد کا حکم ہوگا۔

أما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ، ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة، وإن داواها بدواءٍ رطب يفسد عنده وعنهما لا يفسدهما، اعتبرا المخارق الأصلية؛ لأن الوصول من المخارق الأصلية متيقن به، ومن غيرها مشكوك فيه، فلا يحكم بالفساد.

(بدائع الصنائع ۲/ ۲٤۳ زکریا)

لو أوصل الدواء إلى داخل الساق أو غرز فيه سكيناً أو غيرها فوصلت مخه لم يفطر بلا خلاف؛ لأنه لايعد عضواً مجوفاً. (شرح مهذب للنووي ٥/ ۳۱٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۱۱/۲۸ھ

گلوکوز چڑھانا؟

سوال (۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جسم میں نمکیات کی کمی کو پورا کرنے اور غذا سے مطلوبہ قوت فراہم کرنے کے لئے ''گلوکوز'' چڑھایا جاتا ہے، یہ چوں کہ ایک حد تک غذا کا متبادل ہے؛ اس لئے اس سے بھوک کا احساس کم ہو جاتا ہے، اور بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والی کمزوری سے بھی آدمی محفوظ رہتا ہے، روزہ کی حالت میں کیا اس طرح ''گلوکوز'' کا استعمال درست ہوگا؟ جب کہ یہ فطری منفذ سے داخل نہیں کیا جاتا؛ لیکن اس کی وجہ سے ترک اکل وشرب سے پیدا ہونے والی کیفیت بھی انسان کے اندر متحقق نہیں ہوتی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھوانا مفسدِ صوم نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں گلوکوز کا پانی یا دوا رگوں کے ذریعہ بدن میں جاتی ہے، منافذِ اصلیہ کے ذریعہ نہیں جاتی اور براہِ راست جوف میں نہیں پہنچتی؛ تاہم بلا شدید عذر کے روزہ کی حالت میں گلوکوز نہیں چڑھوانا چاہئے؛ کیوں کہ یہ روزہ کی حکمت کے خلاف ہے۔

أما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داویٰ الجائفة والآمة، فإن داواها بدواءٍ يابس لايفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ، ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة، وإن داواها بدواءٍ رطب يفسد عنده وعندهما لا يفسد، هما اعتبرا المخارق الأصلية؛ لأن الوصول من المخارق الأصلية متيقن به، ومن غيرهما مشكوک فيه فلا يحكم بالفساد. (بدائع الصنائع ۲/ ۲٤۳ زکریا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۸/۱۱/۲۸ھ

روزہ میں پیشاب رک جانے کی وجہ سے شرم گاہ میں نلکی ڈالنا؟

سوال (۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرد یا عورت کا پیشاب رک جانے کی وجہ سے، بحالتِ صوم مرد یا عورت کی شرم گاہ میں نلکی ڈال کر پیشاب نکالا جائے، تو ان دونوں کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ یا عوت و مرد کا حکم الگ الگ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں مرد کا روزہ مطلقاً فاسد نہ ہوگا۔

قال في الدر: أو أقطر في إحليله ماءً أو دهناً، وإن وصل إلى المثانة على المذهب. (درمختار ۲/ ۳۹۹)

واذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ……، وهٰذا الاختلاف فيما إذا وصل المثانة، وأما إذ لم يصل بأن كان في قصبة الذكر بعد لا يفطر بالإجماع. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۲۰٤، ومثله في تبيين الحقائق ۲/ ۱۸۳، البحر الرائق ۲/ ۲۸۹، مراقي الفلاح ۳٦۲، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳۷۸ زكريا)

اورعورت کے روزہ کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگرنلکی خشک ڈالی جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اوراگرترنلکی ڈالیں اوروہ حقنہ کی جگہ تک پہنچ جائے توروزہ فاسد ہوجائے گا۔

أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره وفرجها ولو مبتلة فسد. (درمختار ۲/ ۳۹۹-٤۰۰ کراچی، ۳/ ۳٦۹ زکریا)

لأن الاقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح كذا في غاية البيان. (البحر الرائق ۲/ ٤۸۸ زكريا، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۲۰٤، بزازية ٤/ ۹۷، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳۸۹ زكريا)

أو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي دبره أو فرجها، ولو مبتلة فسد (درمختار) وفي الشامي: لبقاء شيءٍ من البلة في الداخل. (شامي ۳/ ۳٦۹ زكريا)

ولو أدخل إصبعه في استه أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۲۰٤، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳۸۰ زكريا، تبيين الحقائق ۲/ ۱۸۳، طحطاوي ۳٦۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۵/۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزہ کی حالت میں نیم کی مسواک کرنا؟

سوال (٦٥):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی روزہ دار نماز ظہر، عصر یا مغرب سے پہلے پہلے وضو کرتے وقت یا بلاوضو کے نیم کی مسواک استعمال کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا روزہ ٹوٹ گیا، یا فاسد ہوا، یا مکروہ ہوا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں نیم کی مسواک کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

أما الرطب الأخضر فلا بأس به عند الکل. (الفتاویٰ الھندیۃ ۱/ ۱۹۹)

عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ ﷺ قَالَ: رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مَا لاَ أُحْصِیْ یَتَسَوَّکُ وَهُوَ صَائِمٌ. (سنن الترمذي ۱/ ۱۵٤، سنن أبي داؤد ۱/ ۳۲۲، مشکوٰۃ المصابیح ۱/ ۱۷٦)

ولا بأس بالسواک الرطب والیابس في الغداۃ والعشي عندنا الخ. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۹۹، هدایة ۱/ ۲۲۱، بدائع الصنائع ۲/ ۲٦۸ زکریا، شامي ۳/ ۳۹۹ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

روزہ دار کا نصف النہار کے بعد تر مسواک کرنا کیسا ہے؟

سوال (٦٦):- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرح متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روزہ کی حالت میں نیم کی تازہ ترین مسواک کرنا کیسا ہے؟ بعض فقہی جزئیات میں ہے کہ نصف النہار کے بعد تر مسواک نہیں کرنا چاہئے، وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب باللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں نیم وغیرہ کی تازہ مسواک کرنا صبح وشام ہر وقت بلا کراہت درست ہے، حنفیہ کا ظاہر مذہب یہی ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے غیر ظاہر الروایۃ میں جو تر مسواک کی کراہت منقول ہے، اولاً تو اس پر فتویٰ نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اس سے تازہ مسواک مراد نہیں؛ بلکہ پانی میں بھیگی ہوئی خشک مسواک مراد ہے۔ (کتاب المسائل ۲/ ۱۵۸)

عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ ﷺ قَالَ: رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مَا لاَ أُحْصِیْ یَتَسَوَّکُ وَهُوَ صَائِمٌ. (سنن الترمذي ۱/ ۱۵٤، سنن أبي داؤد ۱/ ۳۲۲، مشکوٰۃ المصابیح ۱/ ۱۷٦)

قال الشوكاني: والحديث يدل على استحباب السواك للصائم من غير تقييد بوقت دون وقت. ...... وقال: فالحق أنه يستحب السواك للصائم أول النهار وآخره، وهو مذهب جمهور الأئمة، وقال في البدائع: ولا بأس للصائم أن يستاك، سواء كان السواك يابسًا أو رطبًا مبلولا أو غير مبلولٍ. (بذل المجهود / باب السواك للصائم ۸/ ۰ ۱ ٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، بدائع الصنائع ۲/ ۲٦۸)

ولا بأس بالسواك الرطب واليابس في الغداة والعشي عندنا، قال أبو يوسف: يكره المبلول بالماء وفي ظاهر الرواية لا بأس به، وأما الرطب الأخضر فلا بأس به عند الكل. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۹۹ خانية ۱/ ۲۰٤، شامي ۳/ ۳۹۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۲۱/ ۲/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سحری کھاکر سوگیا پھر احتلام ہوگیا

سوال (٦۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: سحری کھاکر لیٹ گیا، اذان میں دیر تھی، آنکھ لگ گئی، اس کو احتلام ہوگیا تو روزہ ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں روزہ صحیح ہوگیا، مگر نماز قضا کرنے کی کوتاہی پر پکڑ ہوگی، آئندہ احتیاط رکھیں۔

عن عائشة رضي الله عنه قالت: أشهد على رسول الله صلى الله عليه وسلم إن كان يصبح جنباً من جماع غير احتلام ثم يصومه، وفي رواية عنها قالت: فيغتسل ويصوم. (صحيح البخاري/ باب اغتسال الصائم رقم: ۱۹۳۰-۱۹۳۱، فتح الباري ٥/ ۱۹۲ بيروت)

أو أصبح جنباً ولو استمر. (مراقي الفلاح ۳٦۲)

أو أصبح جنباً وإن بقي كل اليوم. (الدر المختار مع الشامي ۳/ ۳۷۲ زكريا، ۳/ ۳۳۳ بيروت، مراقي الفلاح ۳٦۲)

إذا أصبح جنباً لا يفسد صومه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳۸٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۵ھ

حالتِ جنابت میں سحری کھانا؟

سوال (٦٨): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید عشاء کی نماز پڑھ کر سوگیا، اتفاق سے سحری کا وقت ختم ہونے میں صرف ۵-۱۰/ منٹ تھے تو احتلام ہوگیا، اور سوکر آنکھ کھلی، تو ایسی صورت میں سحری کب کھائے؟ اور غسل کب کرے؟ بہرحال روزہ کیسے رکھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں پہلے سحری کھائے، اس کے بعد غسل کرکے نماز فجر پڑھے، حالتِ جنابت میں سحری کھانے اور روزہ کا وقت شروع ہونے سے روزہ میں فساد نہیں آتا۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن رجلاً قال لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو واقف على الباب يا رسول اللّٰه! إني أصبح جنبا وأنا أريد الصيام، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأن أصبح جنباً وأنا أريد الصيام فأغتسل وأصوم الخ. (سنن أبي داؤد / باب في من أصبح جنباً في شهر رمضان رقم: ۲۳۸۹ دار الفكر بيروت)

أو أصبح جنباً ولو استمر به. (مراقي الفلاح ٣٦٢)

أو أصبح جنباً وإن بقى كل اليوم. (الدرالمختار مع الشامي ۳/ ۳۷۲ زکریا، ۳/ ۳۳۳ بيروت، مراقي الفلاح ٣٦٢)

إذا أصبح جنباً لا يفسد صومه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳۸٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۴/۹/۱۴ھ

رمضان میں جنابت کی حالت میں صبح کرنا؟

سوال (۶۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہِ رمضان المبارک میں میاں بیوی ہمبستر ہوتے ہیں، اور کسی وجہ سے وہ سحر سے پہلے غسل نہیں کر پاتے اور بیوی سحر سے پہلے اپنی شرم گاہ (اندرونِ فرج) کی صفائی کرلیتی ہے اور صبح ہونے پر وہ غسل کرتی ہے، تو اس بیوی کا غسل اور روزہ درست ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں غسل اور روزہ سب درست ہے۔

عن عائشة وأم سلمة رضي الله عنهما زوجي النبي صلى الله عليه وسلم أنهما قالتا: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصبح جنباً، قال عبد الله: الأذرمي في حديثه: في رمضان من جماع غير احتلام ثم يصومه. (سنن أبي داؤد رقم: ۲۳۸۸ دار الفكر بيروت)

أو صبح جنباً وإن بقي كل اليوم لم يفطر. (درمختار مع التنوير ۳/ ۲۷۲ زكريا)

وإذا أصبح جنباً لا يفسد صومه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳۸٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ جنابت میں صبح کرنے پر حضور ﷺ کا عمل؟

سوال (۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صبح ہوجاتی اس حال میں کہ آپ اپنے اہل خانہ سے جنبی ہوتے، تو پھر آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کرتے بے احتلام کی جنابت کی حالت میں، پھر روزہ رکھ لیتے۔ (بخاری، مسلم)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ حدیث بھی صحیح ہے اوراس میں بیان کردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل محض بیانِ جواز کے لئے ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی شکل پیش آجائے اور وہ حالتِ جنابت میں سحری کھاکر روزہ رکھ لے اور صبح صادق کے بعد غسل کرے، تو اس کے روزہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، یعنی روزہ کی صحت کے لئے طہارتِ کبریٰ لازم نہیں ہے۔

عن عائشة وأم سلمة رضي الله عنهما زوجي النبي صلى الله عليه وسلم أنهما قالتا: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

يصبح جنباً، قال عبد الله: الأذرمي في حديثه: في رمضان من جماع غير احتلام ثم يصومه. (سنن أبي داؤد رقم: ۲۳۸۸ دار الفكر بيروت)

قال القرطبي: في هٰذا فائدتان: إحداهما أنه كان يجامع في رمضان ويؤخر الغسل إلى بعد طلوع الفجر بياناً للجواز. (عمدة القاري ۱۱/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکروہاتِ روزہ

روزہ کی حالت میں گل منجن کرنا

سوال (۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ماہ رمضان المبارک میں گل بھی استعمال کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں گل استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی حالت میں کوئی بھی منجن لگانا مکروہ ہے، اور گل میں چوں کہ قدرے نشہ بھی ہوتا ہے اور عموماً اس کا اثر پیٹ میں بھی چلا جاتا ہے؛ اس لئے اس میں کراہت اور زیادہ ہے؛ اس لئے اس سے بچنا چاہئے، اگر چہ اسے محض لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(مستفاد: بہشتی زیور تاج ۳/۱۹۳، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۰۴، جواہر الفقہ ۱/ ۳۷۹)

وکره لهٗ ذوق شيءٍ وکذا مضغه (وفي الشامية) الظاهر أن الکراهة في هذه الأشياء تنزيهية. (شامي ۳/ ۳۹۵ زکریا، ۳/ ۳۵۲ بیروت، کذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳۵۹ زکریا، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۰۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲ھ

روزہ کی حالت میں ٹیلی ویژن دیکھنا؟

سوال (۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں افطار کے قریب جو لوگ ٹیلی ویژن پر مختلف پروگرام دیکھتے ہیں، مثلاً

انگریزی فلم، موسیقی کے پروگرام وغیرہ، تو کیا اس سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آتا؟ جب کہ یہاں اناؤنسرز خواتین ہوتی ہیں، اور ہر پروگرام میں بھی خواتین ضرور ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک بات یہ کہ جو مولانا صاحب افطار کے قریب تقریر (ٹیلی ویژن پر) فرماتے ہیں اور مسلمان بہو بیٹیاں جب انہیں دیکھتی ہیں، تو کیا روزہ برقرار رہے گا؟ اور یہ کسی طرح قابلِ گرفت نہیں ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم میں روزہ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو، جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز بھی تقویٰ کے تقاضہ کے خلاف ہوگی، وہ روزہ کی حالت میں بدرجہ اولیٰ ممنوع قرار پائے گی، اور اس کی وجہ سے اگرچہ روزہ ضابطہ کے مطابق نہ ٹوٹے؛ لیکن ایسا شخص ثواب سے ضرور محروم رہے گا؛ لہٰذا جو مرد روزہ کی حالت میں فلمیں اور عریاں پروگرام دیکھتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں، اور روزہ کے ثواب سے محروم ہیں۔ اسی طرح جو عورتیں لطف اندوزی کے لئے مردوں کو دیکھیں وہ بھی ثواب سے محروم رہیں گی؛ لیکن محض ان باتوں کی وجہ سے فقہی طور پر روزہ ٹوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۳]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من لم يدع قول الزور والعمل به، فليس للّٰه حاجة أن يدع طعامه وشرابه. (صحيح البخاري ۲۵۵/۱، مشكوة المصابيح ۱۷۶)

يعني الفواحش من الأعمال؛ لأنها في الإثم كالزور. (مرقاة المفاتيح ۲۵۹/٤، كتاب الفتاویٰ ۳۸٤/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مفسداتِ روزہ

بیوی کے منع کرنے پر روزہ میں جماع کرنا؟

سوال (۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ۱۴۳۰ھ کے رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، بیوی نے منع بھی کیا، زید نہ مانا اور ایک رمضان میں کئی مرتبہ روزہ کی حالت میں جماع کیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میاں بیوی دونوں پر قضا اور کفارہ ہے یا صرف شوہر پر؟ اور چوں کہ کئی مرتبہ جماع کیا، مثلاً چار مرتبہ رمضان میں الگ الگ دن روزہ کی حالت میں جماع کیا، تو کیا ہر روزہ کا کفارہ بھی اور قضا بھی الگ الگ لازم ہوگی، یا صرف ایک ہی کفارہ سے کام چل جائے گا؟ ''مسائلِ روزہ'' (مصنفہ: مولانا رفعت علی صاحب) ص: ۹۲ پر ہے، ''ہاں جماع کے سبب جتنے روزے فاسد ہوئے ہوں، ہر ایک کا کفارہ علیحدہ علیحدہ رکھنا ہوگا''۔ کیا یہ صحیح ہے؟ دارالافتاء اپنا فیصلہ تحریر فرمائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے منع کرنے کے باوجود زید نے رمضان المبارک میں زبردستی جماع کیا ہے، تو زید پر بہرحال روزہ کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں؛ البتہ بیوی پر صرف روزہ کی قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا، نیز اگر ہر بار کا کفارہ ادا نہیں کیا ہے، تو ایک کفارہ ہی تمام روزوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اور آپ نے مسائلِ روزہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ علی الاطلاق نہیں ہے؛ بلکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: بينما نحن جلوس عن النبي صلى اللّٰه

عـليـه وسـلـم إذ جـاء ه رجـلٌ، فقال: يا رسول اللّٰه! هلكتُ، قال: ما لکَ؟ قال: وقـعـت عـلى امرأتي وأنا صائم، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: هل تجد رقبةً تُـعتـقُها؟ قـال: لا، قـال: فهـل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ قال: لا، قـال: فهـل تجدُ إطعام ستينَ مسكينًا؟ قال: لا، قال: فمكث النبي صلى اللّٰه عليه وسـلـم، فبينـا نحن على ذٰلک أُتِيَ النبيُّ صلى اللّٰه عليه وسلم بعرقٍ فيها تمر – والـعـرقُ: الـمِكتَل – قال: أين السائل؟ فقال أنا. قال: خذ هٰذا فتصدق به، فقال الـرجـل: عـلـى أفـقرَ مني يا رسول اللّٰه؟ فو اللّٰه ما بين لابتيها – يريد الحرَّتين – أهـل بيـتٍ أفـقـرُ مـن أهل بيتي. فضحک النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حتى بدت أنيـابه، ثم قال: أطعمه أهلک. (فتـح البـاري شرح صحيح البخاري / باب إذا جامع في رمضان ولـم يكن له شيء فتصدق عليه فليكفر ۲۰٤/٤ رقـم: ۱۹۳٦ دار الكتب العلمية بيروت)

مـن جـامـع عـمـداً في أحد السبيلين فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين، كذا في الهداية. وعلى المرأة مثل ما على الرجل إن كانت مطاوعة، وإن كانت مكرهة فعليها القضاء دون الكفارة، وكذا إذا كانت مكرهة في الابتداء ثم طاوعته بعد ذلک. (الفتاویٰ الهندية ۲۰۵/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۳۹۳/۳ زکریا)

إذا أفـطـر فـي رمـضان في يوم ولم يكفر حتى أفطر في يوم آخر كان عليه كفارة واحدة. (فتاوی خانية ۲۱۵/۱)

إذا تـعـدى الإفطار قبل التكفير يكفيه كفارة واحدة ...... وإن بعد التكفير يلزمه أخرى. (فتاویٰ بزازية ۱۰۲/٤-۱۰۳)

وكفت كفارة واحدة عن جماع وأكل عمداً متعدد في أيام كثيرة. (مراقي الفلاح ۳٦۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزے کی حالت میں لواطت اور مشت زنی؟

سوال (۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں جان بوجھ کر لواطت کرے اور انزال بھی ہوجائے، تو کیا صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی؟ نیز مشت زنی سے اگر انزال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لواطت انتہائی بدترین گناہ اور قابلِ لعنت عمل ہے، بالخصوص روزہ کے دوران اس عمل کا ارتکاب شرم ناک جرم ہے، اس سے فاعل ومفعول دونوں کا روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو؛ البتہ کفارہ لازم نہیں ہے۔ اسی طرح مشت زنی بھی گناہ ہے، جس کی وجہ سے اگر انزال ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: سبعة لا ينظر اللّٰه عزوجل إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولا يجمعهم مع العالمين يدخل النار أول الداخلين إلا أن يتوبوا إلا أن يتوبوا إلا أن يتوبوا، فمن تاب تاب اللّٰه عليه: الناكح يده، والفاعل والمفعول به......الخ. (شعب الإيمان للبيهقي ٣٧٨/٤ رقم: ٥٤٧٠)

إذا أولج رجل رجلا فعليهما القضاء والغسل، أنزل أو لم ينزل، ولا كفارة فيه؛ لأنه بمنزلة الجماع فيما دون الفرج. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣٨٧/٣ زكريا)

ولو ناكح بيده ولم ينزل أو جامع فيما دون الفرج ولم ينزل لايفسد صومه، وإن أنزل كان عليه القضاء دون الكفارة. (الفتاویٰ التاتاخارنية ٣٨٥/٣ رقم: ٤٦٥٠ زكريا)

أو استمنى بكفه فأنزل قضى فقط. (درمختار مع الشامي ٣٧٩/٣ زكريا، ٣٩٩/٢ كراچي، فتح القدير ٣٣٠/٢ بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

استمناء بالید کیا پھر فسادِ صوم کے خیال سے کچھ کھالیا؟

سوال (۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے استمناء بالکف کے ذریعہ اپنی منی خارج کردی، حالاں کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس فعل سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، پھر جب اس نے یہ فعل کرلیا اور سوچا کہ اب روزہ فاسد ہوگیا، تو اس نے جان بوجھ کر کھانا کھالیا، تو ایسی صورت میں اس پر قضا وکفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں چوں کہ فسادِ روزہ استمناء بالکف (مشت زنی) کی وجہ سے ہوا ہے؛ لہٰذا صرف اس روزہ کی قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا۔

عن الحسن في الرجل ...... یعالج فیمذي قال: لیس علیه شيء، وبئس ما صنع، فإن خرج منه الماء الدافق فهو بمنزلة الغشیان، قال: وقال قتادة: إن خرج منه الماء الدافق فلیس علیه إلا أن یصوم یوماً. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۹۲/٤ رقم: ۸٤٥۰)

الصائم إذا عالج ذکره حتی أمنی فعلیه القضاء وهو المختار، به قال عامة المشائخ کذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الهندیة ۲۰۵/۱)

إذا أولج رجل رجلا فعلیهما القضاء والغسل، أنزل أو لم ینزل، ولا کفارة فیه؛ لأنه بمنزلة الجماع فیما دون الفرج. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳۸۷/۳ زکریا)

ولو ناکح بیده ولم ینزل أو جامع فیما دون الفرج ولم ینزل لایفسد صومه، وإن أنزل کان علیه القضاء دون الکفارة. (الفتاویٰ التاتاخارنیة ۳۸۵/۳ رقم: ٤٦٥ زکریا)

أو استمنی بکفه فأنزل قضی فقط. (الدرالمختار مع الشامي ۳۷۹/۳ زکریا، ۳۹۹/۲ کراچی، فتح القدیر ۳۳۰/۲ بیروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اندامِ نہانی میں دوا رکھنا؟

ســـوال (۷٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عابدہ کی طبعیت خراب ہے، استعمالی (اندرونی) دوائی تین دن بعد دوائی کے ذریعہ رکھی جارہی ہے، ایسی حالت میں روزہ ہوجائے گا یا نہیں؟ دوائی صبح کے وقت ہی رکھی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں اندامِ نہانی (عورت کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ) میں دوا رکھنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور قضاء لازم ہوتی ہے؛ لہٰذا روزہ کی حالت میں وہاں دوا نہ رکھوائیں۔

والإقطار في أقبال النساء، قالوا أيضاً هو على هٰذا الخلاف، وقال بعضهم بلا خلاف؛ لأنه يشبه بالحقنة. قال في المبسوط: وهو الأصح. (فتح القدير ۲/ ۳٤٤)

لأن الإقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح، كذا في غاية البيان. (البحر الرائق ۲/ ٤٨٨ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۲۰٤، كذا في خلاصة الفتاوىٰ ۱/ ۲٥۳، بزازية ٤/ ۹۷، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳٨۹ زكريا)

وأما في قبلها فمفسد إجماعاً؛ لأنه كالحقنة، وفي الشامي: قلت: الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه. (الدر المختار مع الشامي ۳/ ۳۷۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۴ھ

بواسیر کے مریض کا کانچ خشک کر کے مقعد میں داخل کرنا؟

ســـوال (۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمر کو بوجہ معدہ وامعاء کی خرابی اور بواسیر کے سبب کانچ نکلنے کا عارضہ ہوگیا ہے، کافی عرصہ

سے معدہ وغیرہ کا علاج بھی چل رہا ہے؛ لیکن فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ عمر اجابت کرنے کے بعد پہلے نکلی ہوئی کانچ پر جو غلاظت وگندگی ہوتی ہے اس کو پانی سے دھوکر صاف کرکے ہاتھ سے دبا کر اسے مقعد کے اندر داخل کرتا ہے۔

قابلِ دریافت بات یہ ہے کہ جو تری اور پانی کانچ کے ساتھ اندر چلا جائے گا، تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ اور اگر نہیں ٹوٹے گا تو کس درجہ کا نقص لاحق ہوگا؟ جب کہ دین کو آسان بتلایا گیا ہے؛ لہٰذا سہولت بخش آسان سی صورت شرعی حکم کے مطابق بتلانے کی زحمت گوارہ فرمائیں اور یہ بھی بیان فرمائیں کہ عمر روزہ رکھے یا نہیں؟ اس صورت مذکورہ میں مدلل ومفصل جواب قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں مطلوب ہے

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورتِ مسئولہ میں اگر عمر نے کانچ کے اندر جانے سے قبل اسے اچھی طرح دھوکر خشک کرلیا ہے، تو اب اندر جانے کے بعد اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ پانی سے دھونے کے بعد اس حصہ کو کسی کپڑے سے اچھی طرح پونچھ لے؛ تاکہ کچھ تری بھی اندر نہ جائے۔

ولو خرج سرمه فغسله إن نشفه قبل أن يقوم ويرجع لمحله لايفسد صومه لزوال الماء الذي اتصل به. (كذا في المراقي ٣٧٠ كراچی)

مستفاد: وفي الفتح: خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا فلا. (شامي ٣٦٩/٣ زكريا، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٨٠/٣ زكريا، تبيين الحقائق ١٨٣/٢، احسن الفتاوىٰ ٤٣٠/٤، فتاوىٰ دارالعلوم ٤١١/٦)

والرجل إذا تثاقل حتى خرج إسته في حالة الاستنجاء ثم عاد إلى مكانه فسد صومه، إلا أن يجفف قبل أن يقوم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٨٠/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲/۴/۱۴۱۳ھ

پیچھے کے راستہ سے دوائی یا مرہم اندر داخل کرنا؟

سـوال (۸۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض سیال یا غیر سیال دوائیں پیچھے کے راستہ سے اندر پہنچائی جاتی ہیں، اسی طرح بواسیر کے مرض میں اندرونی مسوں پر مرہم لگایا جاتا ہے، اور امراض معدہ کی تحقیق کے لئے بعض آلات بھی اندر داخل کئے جاتے ہیں، یہ صورتیں روزہ کے لئے مفسد ہوں گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیچھے کے راستہ سے داخل کی گئی چیز اگر موضع حقنہ سے آگے بڑھ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور خارج دبر سے موضع حقنہ کا فاصلہ تقریباً پانچ انچ ہے (جیسا کہ اطباء کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے) لہٰذا اگر کوئی خشک یا سیال دوا پیچھے کے راستہ سے اندر ڈالی جائے یا بواسیر کے اندرونی مسوں پر دوا لگائی جائے تو اس سے روزہ یقیناً ٹوٹ جائے گا؛ اس لئے کہ اس دوا کا یا مرہم کا موضع حقنہ تک پہنچنا تقریباً یقینی ہے اور اگر پیچھے کے راستہ سے کوئی آلہ اندر داخل کیا جائے اور وہ تر ہو یا اس پر مرہم وغیرہ لگا ہوا ہو، اگر وہ تین انچ سے تجاوز کر جائے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر اس سے نیچے ہی نیچے ہو اور اس میں لگی ہوئی تری کے موضع حقنہ تک پہنچنے کا غالب گمان نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ آلہ بالکل خشک کر کے اندر ڈالا جائے اس میں کوئی تری مرہم وغیرہ نہ ہو اور اس کا ایک سرا باہر رہے، تو اس سے مطلقاً روزہ نہ ٹوٹے گا، خواہ کتنا ہی اندر چلا جائے۔

ولو بالغ في الاستنجاء حتى بلغ موضع الحقنة فسد. (شامي ۳/۳٦۹ زكريا)

ولو أدخل إصبعه في إستهٖ والمرأة في فرجها لا يفسد، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذٍ يفسد لوصول الماء أو الدهن. (الفتاویٰ الهندية ١/٢٠٤)

وهو أن ما دخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار، وإن لم يغب؛ بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلاً بشيء في الخارج لا يفسد لعدم

استقرارہ، ولو مبتلاً فسد لبقاء شيء من البلة في الداخل. (شامي ۳۶۹/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۱۱/۲۸ھ

مرد اور عورت کا آگے کے راستہ سے کوئی چیز اندر داخل کرنا؟

سوال (۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آگے کی راہ سے بھی بعض اشیاء اندر تک پہنچائی جاتی ہیں، جیسے مرد وعورت کے جسم میں مثانہ تک نلکی پہنچائی جاتی ہے، بعض امراض میں خواتین کی شرم گاہ میں سیال یا جامد دوا رکھی جاتی ہے یا مرض کی تحقیق کے لئے بعض آلات رحم تک پہنچائے جاتے ہیں، یہ صورتیں ناقض صوم ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آگے کی راہ سے کوئی چیز اندر پہنچانے کے سلسلہ میں مرد اور عورت کے حکم میں فرق ہے کہ اگر عورت کی آگے کی راہ میں کوئی دوا وغیرہ اندر داخل کی گئی، تو مطلقاً روزہ ٹوٹ جائے گا؛ لیکن مرد کی پیشاب کی نالی میں کوئی چیز اگر داخل کی گئی، تو جب تک وہ مثانہ سے آگے نہ بڑھے، اس وقت روزہ کے فساد کا حکم نہ ہوگا۔

اسی تفصیل کے اعتبار سے اگر کوئی آلہ دوا یا پانی سے تر کرکے آگے کی راہ سے اندر داخل کیا گیا اور وہ موضع فساد تک پہنچ گیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا؛ البتہ اگر بالکل خشک داخل کیا گیا یا موضع فساد تک نہیں پہنچا، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

ولو أدخل إصبعه اليابسة فيه أي في دبره أو فرجها الخارج لو مبتلة فسد. قال الشامي: لبقائي شيء من البلة في الداخل. (شامي ۳۶۹/۳ زکریا)

إذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد ...... وفي الإقطار في إقبال النساء يفسد بلا خلاف وهو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ۲۰٤/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۱۱/۲۸ھ

قلب کے مریض کا زبان کے نیچے دوائی رکھنا؟

سوال (۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امراضِ قلب سے متعلق بعض دوائیں وہ ہیں جنہیں نگلا نہیں جاتا؛ بلکہ زبان کے نیچے دبا کر رکھا جاتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس طریقہ پر مذکورہ دواء کا استعمال کیا جائے اور اس دواء کو لعاب میں مل جانے والے اس کے اجزاء کو نگلنے سے بچا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا، یہ مفسد صوم ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ ٹوٹنے کے لئے شرط یہ ہے کہ طبعی منافذ سے کوئی چیز جوف میں داخل ہو، اگر منافذ کے علاوہ مسامات یا رگوں کے ذریعہ دوا یا غذا اندر جاتی ہے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، ماہر ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ امراضِ قلب میں جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے وہ وہیں رگوں میں جذب ہوکر اپنا اثر دکھاتی ہے، گویا بدن میں اس کے اثرات طبعی منافذ سے داخل نہیں ہوتے؛ بلکہ مسامات اور رگوں کے واسطے سے داخل ہوتے ہیں؛ لہٰذا محض زبان کے نیچے دوا رکھنے سے روزہ کے فساد کا حکم نہ ہوگا؛ البتہ اگر اس دوا کے اجزاء لعاب کے ساتھ مل کر حلق کے نیچے اتر جائیں، تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اور چوں کہ عام حالات میں اس طرح کے لعاب کو اندر جانے سے روکنا ایک مشکل کام ہے اور روزہ کو خطرے میں ڈالنے کے مرادف ہے، اس لئے بلا شدید عذر کے روزہ کی حالت میں ایسی دوا کا استعمال یقیناً مکروہ ہوگا؛ البتہ عذر کے وقت کراہت نہ ہوگی۔

لو ذاق دواءً فوجد طعمه في حلقه، زيلعي وغيره. وفي القهستاني: طعم الأدوية وريح العطر إذا وجد في حلقه لم يفطر، كما في المحيط. (شامي ۳۶۷/۳ زكريا)

وكذا اذا ذاقت شيئاً بلسانها؛ لأن فيه تعريض الصوم للفساد. (بزازية على الفتاوىٰ الهندية ۱۰۰/٤)

وكره له ذوق شيء وكذا مضغه بلا عذر. (البحر الرائق ۴۹۷/۲، شامي ۳۶۷/۳ زكريا)

والمفطر إنما هو الداخل من منافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (شامي ۳/۳٦۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۴/۳/۲۴ھ

تنفس کے مریض کا اِنہیلر استعمال کرنا؟

سوال (۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن لوگوں کو تنفس کا مرض ہو، اُنہیں بعض اوقات ''اِنہیلر'' استعمال کرنا پڑتا ہے، اِنہیلر کے ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ دوا (جو غالباً سفوف کی شکل میں ہوتی ہے) کا نہایت مختصر جز پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، گویا یہ جاتا تو حلق کے راستہ ہی سے ہے؛ لیکن معدہ میں نہیں جاتا بلکہ پھیپھڑے میں جاتا ہے، کیا روزہ کی حالت میں اس کا استعمال درست ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی دمہ کا مریض بغیر ''اِنہیلر'' کے استعمال کے رہ ہی نہ سکتا ہو اور بظاہر اس کا بدن صحیح سالم ہو تو وہ کیا کرے؟ اس بارے میں معاصر مفتیان کی تین رائیں ہیں:

الف:- ایک رائے تو یہ ہے کہ ''اِنہیلر'' کا استعمال مفسد صوم ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ سے منہ کے راستے سے جوف (جس میں معدہ سمیت پھیپھڑا بھی شامل ہے) تک دوا کے اجزاء پہنچتے ہیں، اگرچہ وہ معمولی ہی مقدار میں کیوں نہ ہوں؛ لہٰذا مذکورہ شخص روزہ میں ''اِنہیلر'' استعمال نہ کرے؛ بلکہ یا تو بلا اِنہیلر روزہ رکھے، اور اگر اس طرح روزہ رکھنے پر قدرت نہ ہو تو بر بناء عذر وہ سر دست روزہ نہ رکھے اور صحت ہونے کے بعد قضا کرے یا فدیہ دے۔ برصغیر کے اکثر مفتیان اور مصر وشام کے ممتاز اور محقق علماء مثلاً ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، ڈاکٹر محمد الالفی اور شیخ محمد مختار السلامی کی رائے یہی ہے۔

ب:- اور دوسری رائے یہ ہے کہ ''انہیلر'' سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اندر جانے والے اجزاء نہایت معمولی مقدار میں ہوتے ہیں؛ بریں بناء مذکورہ شخص ''انہیلر'' کے استعمال کے ساتھ روزہ رکھتا رہے، اس کا روزہ درست ہوجائے گا، بعد میں قضاء بھی لازم نہ ہوگی۔ متعدد عرب علماء، مثلاً: شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین، شیخ عبداللہ بن جبرین وغیرہ کی رائے یہی ہے۔ (دیکھئے: مفطرات الصیام المعاصرۃ ۳۹-۴۴)

ج:- اور تیسری رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کو ''انہیلر'' کے استعمال کے ساتھ ساتھ روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا؛ لیکن صحت کے بعد احتیاطاً قضا کا حکم ہوگا، اور اگر تاوفات صحت مند نہ ہوسکے تو فدیہ ادا کرے۔ اس تیسری رائے میں احتیاط زیادہ ہے۔

ومن أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما حتى من تبخر ببخور فأواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه، ودماغه.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، الصوم / باب في بيان ما لا يفسد الصوم ٦٦٠ دار الكتاب ديوبند)

لو أدخل في حلقه دخاناً بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه لإمكان التحرز عنه. (شامي ٣٦٦/٣ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۴ھ

دوائی کا بھپارہ لینا؟

سوال (۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض دوائیں بھاپ کے ذریعہ اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے جو قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے، اور اس سے نکلنے والی

بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، کیا اس طرح بھاپ کا لینا درست ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھپارا لینے یا مشین کے ذریعہ سے دوا آمیز بھاپ منہ یا ناک کے راستے اندر داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؛ اس لئے کہ اگر اس بھاپ کو ہوا کے درجہ میں رکھا جائے، تو دوا آمیز ہونے کی وجہ سے اس کا حکم دھوئیں کے مانند ہوگا، جس کا قصداً داخل کرنا مفسدِ صوم ہے، علاوہ ازیں بھاپ کے اندر خود پانی کے ذرات شامل ہوتے ہیں اور اندر جاکر ان کا پانی کے قطرات میں تبدیل ہونا متیقن ہے، اس بناء پر بھی قصداً بھاپ لینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

ومن أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورةٍ كان الإدخال فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما حتى من تبخر ببخور فاٰواه إلى نفسه وأشتم دخانه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه أو دماغه. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي ٦٦٠)

أو دخل مطر حلقه أو ثلج، قال الشامي: فيفسد في الصحيح. (شامي ۳۷۸/۳ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۱۱/۲۸ھ

روزہ کی حالت میں قے کا حکم؟

سوال (۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روزہ کی حالت میں خود بخود قے ہوجائے یا وہ شخص جان بوجھ کر انگلی ڈال کر قے کردے تو اس کے روزہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز قلیل وکثیر کا فرق ہو تو وہ بھی واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب باللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں اگر خود بخود قے ہوجائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے منہ بھر ہو یا اس سے کم، اور اگر جان بوجھ کر روزہ یاد ہونے کی حالت میں مثلاً انگلی ڈال کر قے کی تو منہ بھر کر قے کرنے کی صورت میں بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر منہ بھر سے کم ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام محمدؒ سے ظاہر الروایہ میں مروی یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا، جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا، بعض فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن امام محمدؒ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے۔ (کتاب المسائل ۲/۱۵۵-۱۶۳)

وإن ذرعه القيء وخرج ولم يعد لا يفطر مطلقاً ملأ أو لا، فإن عاد بلا صنعه ولو هو ملأ الفم مع تذكره للصوم لا يفسد، خلافاً للثاني، وإن أعاده أفطر إجماعًا إن ملأ الفم وإلا لا، هو المختار. وإن استقاء أي طلب القي عامداً أي متذكرًا لصومه إن كان مِلء الفم فسد بالإجماع مطلقًا، وإن أقل لا، عند الثاني وهو الصحيح. لكن ظاهر الرواية كقول محمدؒ إنه يفسد كما في الفتح عن الكافي. (درمختار، كتاب الصوم / باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده ۳/۳۹۲-۳۹۳ زكريا، مراقي الفلاح / باب في بيان ما لا يفسد الصوم ۳۶۲ كراچی، هداية ۱/۲۱۸، البحر الرائق ۲/۲۷٤ كراچی)

وإن استقار عمداً وخرج إن كان مل الفم فسد صومه بالإجماع ....وإن كان أقل من مل فمه أفطر عند محمدؒ ...... ولايفطر عند أبي يوسف وهو المختار عند بعضهم لكن ظاهر الرواية كقول محمد ذكره في الكافي. (فتح القدير ۲/۳٤۰ دار الفكر بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۸/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

قضاء وکفارہ کے مسائل

چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا

سوال (۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سلمیٰ اپنی بیماری اور کمزوری کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھ سکی، ۵-۶ رسال کے بعد رمضان کے روزے رکھنے کے قابل ہوئی، تو اب گذشتہ سالوں کے روزوں کی صرف قضا ضروری ہے یا قضاء اور فدیہ دونوں ضروری ہیں؟ اگر فدیہ بھی دینا ضروری ہے تو ہر روزہ کا کتنا فدیہ دیا جانا ضروری ہے؟ اور فدیہ وطنِ اقامت کے حساب سے دیا جائے گا یا سلمیٰ کے وطنِ اصلی کے اعتبار سے دیا جانا بھی کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے، تو اب بہر حال روزوں کی قضا لازم ہے فدیہ دینا کافی نہ ہوگا، اور جب روزہ کی قضا رکھ لے تو فدیہ دینے کی ضرورت نہیں۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

أي المريض والمسافر لا يصومان في حال المرض والسفر؛ لما في ذٰلک من المشقة عليهما؛ بل يفطران ويقضيان من أيام أخر. (تفسير ابن كثير ١٤٥ دار السلام رياض)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كنا نحيض عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثم نطهر فيأمرنا بقضاء الصيام ولا يأمرنا بقضاء الصلاة. (سنن الترمذي ١٦٣/١، سنن أبي داؤد ٣٥/١ رقم: ٢٦٣)

عـن أبـي سـلـمة قـال: سـمعت عائشة رضي اللّٰه عنها تقول: كان يكون علي الـصـوم من رمضان، فما استطيع أن أقضى إلا في شعبان، قال يحيىٰ: الشغل من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أو بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح البخاري ۲٦۱/۱ رقم: ۱۱٤٦)

وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدية. (الدرالمختار ٤۰٥/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بالغ ہونے کے بعد کے روزوں کی قضا

سـوال (۸٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بچپن میں مجھے والدین روزے رکھنے کی اجازت نہیں دیتے کہ تم پر روزے ابھی فرض نہیں ہیں، یہ محسوس کررہا ہوں کہ میں بالغ تھا، اور میرے خیال کے مطابق میں نے چار پانچ سال کے بعد روزے رکھنے شروع کئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وباللّٰه التوفيق: بالغ ہوتے ہی روزہ فرض ہوجاتا ہے، بریں بنا جتنے دن آپ نے بالغ ہونے کے بعد روزے نہیں رکھے ہیں، حساب لگاکر ان کی قضا آپ پر لازم ہے، جلد از جلد ان کو ادا کر لینا چاہئے۔

قال إبراهيم إذا فرط حتى جاء رمضان آخر يصومهما ولم ير عليه طعاماً.

(ذكر البخاري تعليقاً في صحيحه ۲٦۱/۱ رقم الباب: ٤۰)

شرط وجوبه: الإسلام والعقل والبلوغ. (الفتاوىٰ الهندية ۱۹٥/۱)

إذا كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره، وكذا الصوم لو من رمضانين هو الأصح. (درمختار) لأن كل رمضان سبب لصومه. (شامي ٥۳۹/۲ زكريا)

وكـذا الـصوم الذي عليه من رمضانين إذا أراد لقضائه يفعل مثل هٰذا على

أحـد تـصحيحين مختلفين صحّح الزيلعي لزوم التعيين وصحّح في خلاصة عدم لزوم التعيين. (مراقي الفلاح على الطحطاوي ٣٦٣)

ولـو نوى القضاء ولم يعين أول الشهر أو آخره أو لم يعين رمضان أجزاه.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٣٧٤ رقم: ٤٦١٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بالغہ عورت کئی سال کے روزوں کی قضا کیسے کرے؟

سوال (۸۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں بشریٰ خاتون ہوں، میرے بالغ ہونے کے بعد کئی سال کے روزے چھوٹے ہوئے ہیں، اب میں ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنا چاہتی ہوں اور مجھے ان روزوں کے پورے کرنے کی ہمت بھی ہے؛ لیکن مسلسل روزے رکھنا مشکل ہے، ساٹھ روزے پورے ہونے سے پہلے ہی بیماری یا ماہواری ہوجاتی ہے، تو ایسی عورتوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسی عورت ایک سال کے روزے کیسے رکھے؟ ۳۰/ رکھے یا ۶۰/ رکھے یا جتنے دن پاک رہے، اس کے بعد ماہواری کے بعد بقیہ پھر رکھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ اپنے قضا شدہ روزے وقفہ وقفہ سے یا ایک ساتھ جیسا موقع ہو رکھ سکتی ہیں، اور جتنے روزے قضا ہوئے ہیں، بس اتنے ہی قضا کرنے ہوں گے زیادہ کی قضا کا حکم نہیں ہے، بالفرض اگر تیس روزے چھوٹ گئے ہیں، تو بس ۳۰/ ہی قضا میں رکھے جائیں گے، اور ماہواری کے دنوں کے علاوہ میں آپ ان کی قضا رکھ سکتی ہیں۔

عـن أبـي سـلـمة قـال: سـمعت عائشة رضي الله عنها تقول: كان يكون علي الـصـوم من رمضان، فما استطيع أن أقضى إلا في شعبان، قال يحيىٰ: الشغل من النبي صلى الله عليه وسلم أو بالنبي صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري ١/ ٢٦١ رقم: ١٤٦)

وقضوا لزوماً ما قدروا بلا فدية وبلا ولاءٍ؛ لأنه على التراضي. (درمختار ۴۰۵/۳ زكريا)

شرط وجوبه: الإسلام والعقل والبلوغ. (الفتاویٰ الهندية ۱۹۵/۱)

إذا كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره، وكذا الصوم لو من رمضانين هو الأصح. (درمختار) لأن كل رمضان سبب لصومه. (شامي ۵۳۹/۲ زكريا)

ولو نوى القضاء ولم يعين أول الشهر أو آخره أو لم يعين رمضان أجزاه.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۳۷۴/۳ رقم: ۴۶۱۳ زكريا)

وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه، وإن شاء نوى آخره، وكذا الصوم الذي عليه من رمضانين، إذا أراد قضاء يفعل مثل هٰذا. (مراقي الفلاح ۷۲، المحيط البرهاني ۳۴۴/۳ ڈابھیل، طحطاوي ۳۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۴ھ

اگر شوہر قضا روزے رکھنے سے راضی نہ ہو تو کیا کریں؟

سوال (۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شوہر روزوں کی قضا کرنے پر راضی نہیں ہیں، کافی سمجھانے کے باوجود وہ روزوں کے رکھنے سے منع کرتے ہیں، تو کیا ہم اپنے روزوں کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں؟ اگر روزہ رکھیں تو شوہر کی ناراضگی ہوگی، شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ لگاتار روزے نہ رکھیں؛ بلکہ جب موقع ملے، روزے رکھ کر قضا کی تعداد پوری کرلیں، امید ہے کہ اس طرح آپ روزے بھی رکھ لیں گی اور شوہر

ناراض بھی نہ ہوں گے،اورشوہر کی ناراضگی کے عذر سے روزے کے بجائے فدیہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔

قال إبراهيم إذا فرط حتى جاء رمضان آخر يصومهما ولم ير عليه طعاماً.

(ذكر البخاري تعليقاً في صحيحه ۱/۱٦۱ رقم الباب: ٤٠)

وقضوا لزوماً ما قدروا بلا فدية وبلا ولاءٍ لأنه على التراضي. (درمختار ۳/٤٠٥ زكريا)

وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه، وإن شاء نوى آخره، وكذا الصوم الذي عليه من رمضانين، إذا أراد قضاء يفعل مثل هٰذا. (مراقي الفلاح ۷۲، المحيط البرهاني ۳/۳٤٤ ڈابھیل، طحطاوي ٣٦٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۴ھ

رمضان کے قضا روزے فضیلت کے دنوں میں رکھنا؟

سوال (۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان شریف میں جو روزے مجبوری میں چھوٹ جاتے ہیں، ان کو ہم شمار کر کے دوسرے دنوں میں رکھتے ہیں، اگر ان روزوں کو ہم کسی اور دن جس دن روزہ افضل ہے، یعنی ۱۴/ شعبان وغیرہ کے روزے اس دن اپنے قضا روزے کی نیت کرلیں، تو یہ طریقہ ٹھیک ہے؟ یا پھر وہ روزے الگ رکھیں؟ اوران چھوٹے ہوئے روزوں کو کسی اور دن رکھیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چودہ شعبان وغیرہ کو رمضان کے مجبوری میں چھوٹے ہوئے روزے رکھنا درست ہے، اس سے فرض ادا ہوجائے گا، اور بعض علماء کی رائے ہے کہ اگر اس

روزے کے ساتھ اس دن کی فضیلت کے حصول کی نیت بھی کرلی، تو امید ہے کہ وہ فضیلت بھی حاصل ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۳۱)

صام في يوم عرفة مثل قضاء أو نذر أو كفارة ونوىٰ معه الصوم عن يوم عرفة أفتىٰ بعضهم بالصحة والحصول عنها. (حاشية الأشباه ۷۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر میں قضا روزہ کے نیت سے روزہ رکھنا

سوال (۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر سے رمضان کا روزہ قضا ہوگیا، ابھی ادا نہیں کرسکا تھا کہ دوسرا رمضان آ گیا، بکر نے سفر کیا، اب قضا کی نیت کرتا ہے، تو اب یہ روزہ قضا ادا ہوگا یا ادا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اگر بکر دوسرے رمضان کے سفر میں گذشتہ رمضان کے قضا روزے کی نیت کرتا ہے تو یہ گذشتہ رمضان کا قضا روزہ شمار ہوگا؛ لیکن ایسا کرنا بہتر نہیں ہے، وقتیہ فرض روزے کی اہمیت زیادہ ہے۔

وحاصله أن المريض والمسافر لو نويا واجباً اٰخر وقع عنه. (شامي ۲/ ۳۷۸ كراچی، ۳/ ۳۴۳ زكريا، هداية ۱/ ۲۱۲، طحطاوي على المراقي ۳۵۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۴/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوال کے چھ روزوں میں قضا کی نیت

سوال (۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پچھلے چند سال سے میں ماہِ شوال کے چھ روزے اس نیت سے رکھ رہی ہوں کہ میرے رمضان

کے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا ادا ہوجائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں ایسا نہیں کرسکتی، وہ کہتے ہیں جب تک میں قضا روزے پورے نہ کرلوں، میں نفلی روزے نہیں رکھ سکتی۔ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے ذمہ فرض روزے قضا ہوں اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ نفل روزہ رکھنے کے بجائے اولاً فرض کی قضا کرے؛ لہٰذا آپ نے شوال کے جو چھ روزے قضا کی نیت سے رکھے ہیں ان سے قضا کی ادائیگی درست ہوگئی، اور یہ بات مطلقاً صحیح نہیں ہے کہ جس پر قضا روزے ہوں وہ نفل روزے رکھ ہی نہیں سکتا۔ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ وہ نفل روزے بھی رکھ سکتا ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ نفل کے بجائے فرض کی قضا کرے؛ تاکہ اس کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہوجائے۔

عن أبي أيوب الأنصاري رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أنه حدثه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: من صام رمضان، ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر. (صحيح مسلم ۱/۳۶۹)

ولا يكره صوم التطوع لمن عليه قضاء رمضان. (الفتاویٰ الهندية ۱/۲۰۱)

أقول في فتح المدبر: صام في يوم عرفة مثل قضاء، أو نذرا وكفارة، ونوى معه الصوم عن يوم عرفة، أفتى بعضهم بالصحة والحصول عنهما. (شرح الأشباه والنظائر للحموي ۱/٦٦ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یومِ عرفہ کے روزہ میں قضا کی نیت؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید الاضحیٰ سے ایک دن قبل جو نفلی روزہ ہے، الحمد للہ اس کی بہت فضیلت آئی ہے؛ لیکن دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے مہینہ میں فرض روزوں کو اپنی کسی مجبوری سے قضا کردے، بیمار

تھا، یاعورت ناپاک تھی، یہ قضا روزہ عیدالاضحیٰ کے قبل والے دن جونفلی روزہ ہے،اس میں قضا ادا کر سکتے ہیں؟ اس دن قضا روزہ رکھ لیا جائے، تو کیا نفلی روزہ کا ثواب بھی مل جائے گا، جب کہ اس دن کی بہت فضیلت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو رمضان کا قضا روزہ رکھے، تو اصلاً یہ قضا روزہ ہی شمار ہوگا؛ لیکن اس دن روزہ کے اہتمام سے امید ہے کہ اس کی فضیلت بھی حاصل ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مستفاد: أقول في فتح المدبر: صام في یوم عرفة مثل قضاء، أو نذر أو کفارة، ونوی معه الصوم عن یوم عرفة، أفتی بعضهم بالصحة والحصول عنهما.

(شرح الأشباه والنظائر للحموي ٦٦/١ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/۱/۱۴۲۵ھ

شبِ برأت کے روزہ میں قضا کی نیت

سوال (۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے اوپر روزوں کا قرضہ ہے، کیا میں شبِ برأت کے روزے میں قرضہ اور شعبان کے روزے دونوں کی نیت کرسکتی ہوں، کیا اس طرح میرا رمضان کا قرضہ ادا ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرھویں شعبان کے روزہ میں اگر رمضان کے قضا روزے کی نیت کرلی جائے، تو قضا روزہ تو یقیناً ادا ہوجائے؛ البتہ ساتھ میں پندرھویں شعبان کے روزے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو اس میں بعض علماء کی رائے ہے کہ ثواب بھی ملے گا؛ اس لئے پندرھویں شعبان میں رمضان کے قضا روزے کی نیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مستفاد: صام في يوم عرفة مثل قضاء، أو نذر أو كفارة، ونوى معه الصوم عن يوم عرفة، أفتى بعضهم بالصحة والحصول عنهما. (شرح الأشباه والنظائر للحموي ١/٦٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا؟

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا بیوی اپنے خاوند کے قضا روزے، یا خاوند اپنی بیوی کے قضا روزے یا والدین اپنی اولاد اپنے والدین کے قضا روزے یا اولاد اپنے والدین کے قضا روزے رکھ سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی شخص دوسرے کے قضا روزے اپنی طرف سے نہیں رکھ سکتا؛ بلکہ جس پر روزہ فرض ہے اسی پر ادائیگی لازم ہے؛ البتہ اگر وہ کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے سے ایسا معذور ہوجائے کہ اب مرتے دم تک روزہ رکھنے کی استطاعت کی امید نہ ہو، تو ایسا شخص روزہ کے بدلہ میں فدیہ دے سکتا ہے، جس کی مقدار ایک صدقۂ فطر کے بقدر ہے؛ لیکن اس کی جگہ پر دوسرے شخص کے روزہ رکھنے سے اس کا فرض روزہ ادا نہ ہوگا۔

عن مالک أنه بلغه أن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما كان يسأل هل يصوم أحد عن أحد؟ أو يصلي أحد عن أحد؟ فيقول: لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلي أحد عن أحد. (المؤطا لإمام مالك ٩٤، مشكوة المصابيح ١٧٨)

وهٰذا أيضاً حجة الجمهور في عدم صيام الولي عن الميت؛ بل وجب الإطعام. (لمعات التنقيح ٤/٦٦٦)

العبادة المالية كزكاة وكفارة تقبل النيابة مطلقاً والبدنية كصلاة وصوم

لا تقبلها مطلقاً. (درمختار ١٤/٤ زكريا)

ولا تجوز في البدنية المحضة كالصلاة والصوم ...... لحال من الأحوال لا في حالة العجز، ولا فى حالة القدرة. (مجمع الأنهر ٣٠٧/١، كسب الأنهر ٣٠٧/١)

والعبادة أنواع: مالية محضة: كالزكاة، وبدنية محضة: كالصلاة، ومركبة منهما: كالحج والنيابة تجري في النوع الأول ولا تجري في النوع الثاني بحال؛ لأن المقصود هو إتعاب النفس لا يحصل به الخ. (هداية / باب الحج عن الغير ٢٩٦/١)

ذهب الجمهور إلى أنه لا يصام عنه، وبه قال أبوحنيفة ومالک والشافعي في أصح قوليه عن أكثر أصحابه. وأولوا – حديث عائشة رضي اللّٰه عنها –: "من مات وعيه صوم صام عنه وليه" بأن المراد إطعام الولي عنه وتكفيره عنه. (لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح ٤٦٥/٤ دار النوادر) **ويدل عليه ما رواه الإمام الترمذي عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم من مات وعليه صيام شهر رمضان فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين.** (رواه الترمذي رقم: ٧١٨، مشكوٰة المصابيح ١٧٨/١ رقم: ٢٠٣٤) **وهٰذا يؤيد ما ذهب إليه الجمهور في تاويل الحديث السابق.** (لمعات التنقيح ٤٦٦/٤)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الذي يموت وعليه رمضان ولم يقضه، قال: يطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر.

(السنن الكبرىٰ ٤٢٤/٤ رقم: ٨٢١٧)

يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم.

(درمختار مع الشامي ٥٣٢/٢-٥٣٣ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١٢٥/١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

بیماری کے ایام میں فوت شدہ روزوں کا فدیہ دے یا بعد میں قضا کرے؟

سوال (۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی شخص سخت بیمار رہے، اور ڈاکٹر نے جس کے وہ زیرِ علاج ہے، روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ روزہ رکھنے سے مریض کو خطرہ ہے اور مرض میں زیادتی کا احتمال ہے، تو اگر وہ روزہ نہ رکھے، تو فدیہ کتنا دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مریض شخص کے لئے اس وقت روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے؛ لیکن جب صحت یاب ہوجائے تو ان ایام کی قضا لازم ہوگی، فدیہ دینے کا ابھی حکم نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

أي المريض والمسافر لا يصومان في حال المرض والسفر؛ لما في ذلک من المشقة عليهما؛ بل يفطران ويقضيان من أيام أخر. (تفسیر ابن کثیر ۱۴۵ دار السلام رياض)

عن عطاء أنه سمع أبا هريرة رضي اللّٰه عنه قال في المريض يمرض ولا يصوم رمضان ثم يبرأ ولا يصوم حتى يدركه رمضان آخر، قال: يصوم الذي حضره ويصوم الآخر ويطعم لكل ليلة مسكينًا. وعن الحسن وطاؤس والنخعي يقضي ولا كفارة عليه وبه نقول لقوله تعالىٰ: ﴿فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرُ﴾ [البقرة: ۱۸۴]

(السنن الکبریٰ للبیهقي ۴/ ۴۳۲ رقم: ۸۲۱۳ دار الکتب العلمية بيروت)

قال إبراهيم إذا فرط حتى جاء رمضان آخر يصومهما ولم ير عليه طعاماً.

(ذكر البخاري تعليقاً في صحيحه ۱/ ۱۶۱ رقم الباب: ۴۰)

ومن كان مريضاً في رمضان فخاف إن صام ازداد مرضه، أفطر وقضى.

(هداية ۱۱۹/۲ کراچی، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٠٤/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۹/۱ھ

کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟

سوال (٩٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ یاد ہونے کی حالت میں اگر کوئی مکلّف شخص رمضان میں جان بوجھ کر بلاکسی اشتباہ کے کوئی دل پسند غذا یا نفع بخش دوا کھاپی کر یا جماع کر کے روزہ کو فاسد کردے تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال في رجل وقع على أهله في رمضان، فقال: اعتق رقبة، قال: ما أجدها، قال: فصم شهرين، قال: ما استطيع، قال: فاطعم ستين مسكيناً. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٣٨١/٤ رقم: ٨٠٥٤)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلاً أكل في رمضان فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين أو يطعم ستين مسكيناً. (سنن الدار قطني ١٧٠/٢ رقم: ٢٢٨٤)

ومن جامع في أحد السبيلين عامداً فعليه القضاء والكفارة، ولو أكل أو شرب ما يتغذى به أو يداوى به فعليه القضاء والكفارة. (هداية ٢١٩/١، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ٢٠٥/١-٢٠٦، البحر الرائق ٢٧٦/٢، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٨٩/٣، مراقي الفلاح ٣٦٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۷/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کفارہ کیا ہے؟

سوال (۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کفارہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ غلام یا باندی آزاد کرے، اگر یہ ممکن نہ ہو جیسا کہ آج کل کا دور ہے تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، درمیان میں ایک بھی ناغہ نہ ہو، ورنہ پھر از سرِ نو رکھنے پڑیں گے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر الذي أفطر يوماً من رمضان بكفارة الإظهار. (سنن الدارقطني ۲/ ۱۷۰ رقم: ۲۲۸۳، السنن الكبرىٰ للبيهقي ۴/ ۳۸۶ رقم: ۸۰۶۹ دار الكتب العلمية بيروت)

وكفارة الظهار قال تعالىٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَآسَّا، ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَآسَّا، فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا، ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ، وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [المجادلة: ۳-۴]

والكفارة تحرير رقبة ...... فإن عجز عنه صام شهرين متتابعين ليس فيها يوم عيد ولا أيام التشريق فإن لم يستطع الصوم أطعم ستين مسكينًا، والشرط أن يغديهم ويعشيهم غداء وعشاء مشبعين. (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح ۳۶۶، الولوالجية ۱/ ۲۲۵، مجمع الأنهر ۱/ ۲۳۹، البحر الرائق ۲/ ۲۷۷، شامي ۳/ ۳۹۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/ ۷/ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھانا کھلانے میں تسلسل ضروری نہیں

سوال (۹۸) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے عمداً کھاپی کر یا جماع کے ذریعہ روزہ کو فاسد کردیا اور اس پر کفارہ واجب ہوگیا، تو اس کفارہ کی ادائیگی اگر ۶۰ر مسکینوں کو کھانا کھلاکر کرے، تو کیا ۶۰ر مسکینوں کو ایک ساتھ ایک ہی دن صبح وشام کھلانا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص متفرق مجلسوں اور دنوں میں کھانا کھلادے، تھوڑے تھوڑے مسکینوں کو ہر دن کھلادے، تو کیا اس سے کفارہ ادا ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص ۶۰ر مسکینوں کو کھانا کھلانے کے ذریعہ کفارہ ادا کررہا ہے، تو اس کے لئے تسلسل ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وہ متفرق اوقات میں بھی مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے۔

(**قوله: ولو في أوقات متفرقة) فلا يشترط اتحاد الوقت.** (طحطاوي ۶۷۰ قديمي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک فقیر کو ۶۰ر دن کھانا کھلانا

سوال (۹۹) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص کفارہ کا کھانا روزانہ صرف ایک مسکین کو کھلائے اور اس طرح ۶۰ر دن تک صبح وشام کھلاتا رہے، تو کیا اس سے کفارہ ادا ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ر دن تک صبح وشام کھانا کھلایا، تو بھی کفارہ ادا ہوجائے گا؛ بلکہ یہ کفارہ کی ادائیگی کی سب سے آسان صورت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۲۰۱ میرٹھ)

جـاز لـو أطـعـم واحداً ستين يوماً (درمختار) لتجدد الحاجة. (درمختار مع الشامي ٥/ ١٤٥ زكريا)

ولـو أطـعـم فـقيـراً ستيـن يوماً أجزأه؛ لأنه يتجدد الحاجة لكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٦٧٠ قديمی، الفتاویٰ الهندية ١/ ٥١٤، تفسير قرطبي ١٧/ ٢٨٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/ ۷/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کفارہ کا کھانا غریب طلبہ کو کھلانا

سوال (۱۰۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) اگر کوئی شخص روزہ کے کفارہ میں مستحق زکاۃ طلبہ کو کھانا کھلا دے تو کیا کفارہ ادا ہو جائے گا؟ بعض فقہی جزیات میں صراحت ہے کہ مال دار طالب علم کو طلب علم میں مشغولی کی وجہ سے زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے، تو کیا ایسے طالب علم کو کفارہ کا کھانا کھلانا جائز ہے، نیز یہ بھی بتائیں کہ کفارہ کے باب میں مسکین سے کون شخص مراد ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص ۱۲۰ مسکینوں کو ایک وقت کھانا کھلا دے، یا ایک وقت کے کھانے کے بقدر ہر ایک کو پیسے دیدے، اسی طرح ساٹھ کے بجائے ایک مسکین کو ۶۰ دن تک دو وقت یا ۱۲۰ دن تک ایک وقت کھانا کھلاتا رہے تو کیا اس طرح کفارہ ادا ہو جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مستحق زکوٰۃ طلبہ کو کھانا کھلا دینے سے روزہ کا کفارہ یقیناً ادا ہو جائے گا اور بعض فقہی جزئیات سے مال دار طالب علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی اگرچہ اجازت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ نے دلیل کے اعتبار سے اسی بات کو راجح قرار دیا ہے کہ طالب علم اگر فقیر ہو جبھی اسی پر زکوٰۃ خرچ کرنا درست ہوگا، اور جو فقیر نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة لو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم، وتحته في الشامية: والأوجه تقييده بالفقير. (درمختار مع الشامي ۳/ ۲۸۵-۲۸۶ زکریا)

(۲) روزہ کے کفارہ میں ایک وقت میں ۱۲۰/ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے یا ایک وقت کے کھانے کے پیسے دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا؛ کیوں کہ ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلانے کی شرط نہیں پائی گئی؛ البتہ اگر ایک مسکین کو ۶۰/ دن دونوں وقت کا کھانا کھلایا، یا اس مسکین کو ۱۲۰/ دن تک روزانہ ایک وقت تک کھانا کھلاتا رہا، تو اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

فإن لم يستطع الصوم لمرض أو كبر أطعم ستين مسكينا أو فقيراً ولا يشترط اجتماعهم، والشرط أن يغذيهم ويعشيهم غداء وعشاء مشبعين، هٰذا هو الأعدل لدفع حاجة اليوم بجملته أو يغديهم غداء ين من يومين أو يعشيهم عشاء ين من ليلتين أوعشاء وسحوراً بشرط أن يكون الذين أطعمهم ثانياً هم الذين أطعمهم أولاً حتى لوغدى ستين، ثم أطعم ستين غيرهم لم يجز حتى يعيد الإطعام لأحد الفريقين، ولو أطعم فقيراً ستين يوماً أجزأه؛ لأنه بتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر. (المراقی علی الطحطاوي / باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة ٣٦٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر رمضان میں روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا رمضان المبارک کے علاوہ نفل روزہ توڑنے سے بھی قضا وکفارہ دونوں لازم ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر رمضان میں روزہ توڑنے سے صرف قضا لازم ہوگی،

کفارہ لازم نہیں ہوگا، خواہ وہ روزہ قضا کا ہو یا نفلی ہو، دونوں کا حکم یہی ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أنا وحفصة صائمتين فعرض لنا طعام اشتهيناه، فأكلنا منه، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فبدرتني إليه حفصة وكانت ابنة أبيها، فقالت يا رسول الله! إنا كنا صائمتين، فعرض لنا طعاماً اشتهينا فأكلنا منه، قال: اقضيا يوماً آخر مكانه. (سنن الترمذي / باب ما جاء في إيجاب القضاء عليه ۱/ ۱۵۵)

ولا كفارة بإفساد صوم غير رمضان كذا في الكنز. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۱۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/ ۷/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نفلی روزہ توڑنے پر کفارہ لازم نہیں

سوال (۱۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے نفلی روزہ توڑ دیا، کیا کفارہ بھی لازم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نفل روزہ توڑنے سے صرف اس کی قضا لازم ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

عن هارون عن جدته أنها قالت: دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وأنا صائمة فناولني فضل شراب فشربته، فقلت: يا رسول الله! إني كنت صائمة وإني كرهت أن أرد سؤرك، فقال: إن كان قضاء من رمضان فصومي يوماً مكانه الخ. (سنن الدار قطني ۲/ ۱۵۴ رقم: ۲۲۰۶ دار الكتب العلمية بيروت)

ومن دخل في صلاة التطوع أو في صوم التطوع ثم أفسده قضاه. (هداية ۲/ ۱۲۳ مكتبة البشریٰ كراچی)

لا خلاف بين أصحابنا في وجوب القضاء إذا أفسد عن قصد أو غير قصد بأن عرض الحيض للصائمة المتطوعة خلافاً للشافعيؒ. (فتح القدير / تعليقات على الهداية ۲/ ۲۸۰ مكتبة البشرىٰ كراچى)

ولنا أن المؤدي قربةً وعمل فتحب صيانته بالمضي عن الإبطال، وإذا وجب المضي وجب القضاء بتركه. (هداية ۱/ ۲۲۳ أشرفي)

إن الشروع في التطوع سبب الوجوب كالنذر، فإذا وجب المضي فيه وجب القضاء بالإفساد. (بدائع الصنائع زكريا ۲/ ۲۱۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزوں کا فدیہ کب معتبر ہے؟

سوال (۱۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے حالت حیض میں تقریباً دوسو پچاس روزے قضا ہوئے ہیں، جس کی نہ میں نے کبھی قضا کی ہے اور نہ ہی کوئی مساکین وغیرہ کو کھانا کھلایا ہے، اب میں اس کو ادا کرنے کے لئے کیا کروں؟ مساکین ہی کو کھلاؤں یا پھر اتنی ہی خوراکوں کا پیسہ کسی کو دے دوں یا مسجد وغیرہ میں لگا سکتی ہوں؟ کیوں کہ میری عمر تقریباً اڑتالیس سال ہے پیسے وغیرہ کس حساب سے دیئے جائیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے مہر کی رقم پچیس ہزار روپیہ ہے جو کہ میرے شوہر کے پاس ہے، میں نے اپنے دل سے وہ مہر معاف کر دیا ہے، چوں کہ میرے شوہر باحیثیت ہیں، وہ مجھے دینے کے لئے کہتے ہیں، میں وہ مہر کی رقم ان سے لے لوں؟ اگر لے لوں تو اس میں سے یہ روزہ کا فدیہ ادا کر سکتی ہوں؟ یا اس کو کس کس صرفہ میں لا سکتی ہوں؟ ابھی میرے اپنے پاس بھی اپنی جمع کردہ رقم چالیس ہزار ہے، کس میں سے دینے زیادہ بہتر ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے ذمہ میں جو روزے قضا ہیں، ان کو رکھنا

ضروری ہے، جب تک بھی انسان کو روزہ رکھنے کی طاقت رہے، تو روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینا معتبر نہیں ہے، روزہ کا فدیہ اسی وقت معتبر ہوتا ہے، جب کہ انسان بیماری یا ضعف کے اس مرحلہ پر پہنچ جائے کہ زندگی بھر روزہ رکھنے کی سکت نہ رہے، اس لئے آپ کو چاہئے کہ رفتہ رفتہ قضا شدہ روزہ رکھتی رہیں، اور اگر آپ نے واقعۃً دل سے اپنا مہر معاف کر دیا ہے، تو انہیں واپس لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

عن عكرمة عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: نزلت هٰذه الآية: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ في الشيخ الكبير الذي لا يطيق الصوم، وقال الحافظ أبو بكر ابن مردوية بسنده عن ابن أبي ليلىٰ، قال: دخلت على عطاء في رمضان وهو يأكل، فقال: قال ابن عباس رضي اللّٰه عنهما: نزلت هٰذه الآية الخ، فكان من شاء صام ومن شاء أفطر وأطعم مسكيناً، ثم نزلت هٰذه الآية: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ فنسخت الأولىٰ إلا الكبير الفاني، إن شاء أطعم عن كل يوم مسكيناً، فحاصل الأمر أن النسخ ثابت في حق الصحيح المقيم بإيجاب الصيام عليه. (تفسير ابن كثير ١٤٦ دار السلام رياض)

ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذي فداه، حتى يجب عليه الصوم. (الفتاویٰ الهندية ٢٠٧/١)

وقال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ [النساء:] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۲/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا صدقۂ فطر ادا نہ کرنے کی وجہ سے روزے آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتے ہیں؟

سوال (۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا رمضان المبارک کے روزے بغیر صدقۂ فطر ادا کئے آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتے ہیں؟ ائمۂ کرام ومجتہدین کا اختلاف قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل واضح کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی کوئی روایت یا جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ جس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر اس کی ادائیگی لازم ہے ورنہ گنہگار رہوگا، نیز صدقۂ فطر ادا کرنا قبولیت روزہ ودیگر فضائل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

وقالوا في إخراجها قبول الصوم والنجاح والفلاح. (طحطاوي ٣٩٥) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۹ھ

بیماری میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا؟

سوال (۱۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیماری میں رمضان المبارک کے روزوں کا اہتمام نہیں ہوسکا؛ لہٰذا اس کے کفارہ اور فدیہ کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے، تو کفارہ کچھ نہیں، جب صحت ہوجائے تو قضا رکھ لیں، اور جب تک صحت مند ہونے کی امید ہو، فدیہ دینے کا حکم نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ، وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾. [البقرة: ١٨٥]

عن عكرمة عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: نزلت هذه الآية:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ في الشيخ الكبير الذي لا يطيق الصوم، وقال الحافظ أبو بكر ابن مردوية بسنده عن ابن أبي ليلىٰ، قال: دخلت على عطاء في رمضان وهو يأكل، فقال: قال ابن عباس رضي الله عنهما: نزلت هٰذه الآية الخ، فكان من شاء صام ومن شاء أفطر وأطعم مسكيناً، ثم نزلت هٰذه الآية: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ فنسخت الأولىٰ إلا الكبير الفاني، إن شاء أطعم عن كل يوم مسكيناً، فحاصل الأمر أن النسخ ثابت في حق الصحيح المقيم بإيجاب الصيام عليه. (تفسير ابن كثير ١٤٦ دار السلام رياض)

ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذي فداه، حتى يجب عليه الصوم. (الفتاویٰ الهندية ٢٠٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

اعتکاف کے مسائل

اعتکاف کی نیت کے بغیر کھانا، سونا اور بات کرنا

سوال(۱۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغیر اعتکاف کی نیت کے مسجد میں سونا، کھانا، پینا، بات کرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد عبادت کی جگہ ہے اس میں قیام گاہ اور چوپال بنانا درست نہیں؛ لہٰذا اعتکاف یا کسی معقول عذر کے بغیر مسجد میں کھانا پینا سونا مکروہ ہوگا، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے؛ البتہ فقہاء نے ضرورۃً پردیسی مسافر کے لئے مسجد میں قیام کی اجازت دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۲/۴۱۰-۴۱۱ میرٹھ، فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۲۳۴ ڈابھیل)

ويكره النوم والأكل فيه أي في المسجد لغير المعتكف. (الفتاویٰ الهندية ٥/ ٣٢١)

والنوم فيه لغير المعتكف مكروه، وقيل لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف ليخرج من الخلاف. (حلبي كبير ٦١٢، شامي ١/ ٦٦١ كراچی، عمدة القاری شرح صحيح البخاري ٢/ ١٩٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۷/۲/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُجرت لے کر اعتکاف

سوال (۱۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صوبہ مغربی بنگال کی اکثر مساجد میں معتکف کے لئے تمام مصلیانِ مسجد سے پانچ پانچ روپیہ لے کر معتکف کو اس کے مانگے بغیر دئے جاتے ہیں، اور وہ اس پر راضی ہوکر رہتا ہے۔ بعض مساجد

میں معتکف متعین روپئے کی مقدار پر اعتکاف کرنے پر راضی ہوتا ہے، نہ ملنے کی صورت میں اعتکاف کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے، اور بعض مساجد ایسی ہیں کہ وہاں کے لوگ اعتکاف نہیں کرتے؛ بلکہ دوسری جگہ سے معتکف کو کرایہ پر لایا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعتکاف ایک عبادت ہے، اس پر نہ اجرت کا لینا جائز ہے اور نہ دینا جائز ہے، اور نہ اس کے لئے نمازیوں سے چندہ کرنا جائز ہے، اور نہ باہر سے کرایہ پر معتکف کو لانا جائز ہے، اس لئے ان طریقوں کو ختم کر کے ہر مسجد میں بلا اجرت اعتکاف کے لئے معتکفین کا انتظام کرنا چاہئے؛ تاکہ ترکِ اعتکاف کے گناہ سے پوری آبادی محفوظ رہ سکے۔

الاعتكاف مستحب، والصحيح أنه سنة، وفي الزاد: والصحيح أنه سنة مؤكدة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۴۴۱)

والصحيح أنه سنة مؤكدة؛ لأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واظب عليه في العشر الأواخر من رمضان، والمواظبة دليل السنة. (هداية / باب الاعتكاف ۲/ ۲۴۱ كراچی)

لا تصح الإجارة لأجل المعاصي ...... ولا لأجل الطاعات. (درمختار ۹/ ۷۶ زكريا)

وحاصله منع الاستيجار والجعالة على شيء من الطاعات، سواء كانت واجبة أو لا. (رسائل ابن عابدين ۱/ ۱۵۷)

والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها.

(الموسوعة الفقهية ۱/ ۲۹۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/ ۷/ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

اعتکاف کس مسجد میں کرنا افضل ہے؟

سوال (۱۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اعتکاف کس مسجد میں کرنا افضل ہے؟ کیا کوئی اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ

اعتکاف کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اپنی مسجد میں اعتکاف کے لئے مال داروں اور لوگوں کی تشکیل کر کے اعتکاف کراتا ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ شہر کی بڑی مسجد میں اعتکاف کیا جائے؛ لیکن اگر کسی مصلحت مثلاً مرشد اور عالم کی صحبت یا کسی اور دینی فائدہ کی غرض سے دوسرے شہر میں اعتکاف کیا جائے، تو اس کی بھی اجازت ہے، اور دینی مقصد سے لوگوں کو اعتکاف کی ترغیب دینا فی نفسہٖ درست ہے؛ لیکن دنیوی مفاد یار یا وشہرت وغیرہ کی غرض سے لوگوں کی تشکیل ہرگز مناسب نہیں ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: السنة على المعتكف أن لا يعود مريضًا ...... ولا اعتكاف إلا في مسجد جامع. (سنن أبي داؤد ۱/ ۳۳۵ رقم: ۲۴۷۳)

عن ابن عباس والحسن رضي اللّٰه عنهما قالا: لا اعتكاف إلا في مسجد تقام فيه الصلاة. (السنن الكبریٰ للبيهقي ۶/ ۴۱۹ رقم: ۸۶۵۷)

عن إبراهيم قال لابن مسعود: ألا تعجب من قوم بين دارك ودار أبي موسىٰ يزعمون أنهم معتكفون ...... قال: أما أنا فقد علمت أنه لا اعتكاف إلا في مسجد جماعة. (المعجم الكبير للطبراني ۹/ ۳۴۹ رقم: ۹۵۰۹، إعلاء السنن ۹/ ۱۸۱، التعليقات على الهداية ۲/ ۱۴۴ مكتبة البشریٰ كراچی)

ثم في الجامع الخ، ثم ما كان أهله أكثر. (الدر المختار مع الشامي ۳/ ۴۲۹ زكريا)

ولا يصح الاعتكاف إلا في مسجد الجماعات، وروي عن أبي حنيفةؒ أنه لا يصح إلا في مسجد يصلى فيه الصلوات الخمسة، قيل: أراد أبو حنيفة غير المسجد الجامع فإن هناك يجوز الاعتكاف ...... والأفضل اعتكاف الرجل في الجامع إذا كان ثمه قوم يصلون بجماعة، فإن لم يكن فاعتكافه في مسجده أفضل.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۴۴۲-۴۴۳ زكريا، كذا في الهداية ۲/ ۱۴۴ مكتبة البشریٰ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اعتکاف مسنون شروع کرنے سے واجب ہوجاتا ہے؟

سوال (۱۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اخیر عشرہ کا مسنون اعتکاف شروع کیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مسنون اعتکاف شروع کردینے سے واجب ہوجاتا ہے یا نفل کا درجہ رہتا ہے؟ اگر زید نے درمیان میں اعتکاف توڑ دیا یا بھول سے فاسد ہوگیا، تو کیا پورے عشرہ کا اعتکاف قضا کیا جائے گا؟ یا اگر دن میں ٹوٹا ہے تو صرف دن کا؟ اور رات میں ٹوٹا ہے تو ۲۴ر گھنٹے کا؟ اس سلسلہ میں دارالافتاء سے فیصلہ مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعتکاف مسنون ٹوٹ جانے کی صورت میں امام ابویوسفؒ کے نزدیک پورے دس یوم کی قضا لازم ہوتی ہے، جب کہ طرفین کے نزدیک صرف اسی دن کی قضا لازم ہوتی ہے جس دن اعتکاف ٹوٹا ہے؛ اس لئے احوط یہ ہے کہ دس دن کی قضا کی جائے؛ لیکن یہ مشکل ہو تو کم از کم ایک یوم کی قضا تو بہرحال لازم ہے اور یہ قضا روزہ کے ساتھ ہوگی۔

وقال الشامي: ثم رأيت المحقق بن الهمام قال: و مقتضى النظر لو شرع في المسنون: أعني العشر الأواخر بنيته ثم أفسده أن يجب قضاء ه تخريجاً على قول أبي يوسف رحمه الله في الشروع في نفل الصلاة ناويًا أربعاً لا على قولهما اهـ.

أي يلزمه قضاء العشر كله لو أفسد بعضه كما يلزمه قضاء أربع لو شرع في نفل، ثم أفسد الشفع الأول عند أبي يوسف رحمه الله، لكن صحيح في الخلاصة أنه لايقضي إلا ركعتين كقولهما ...... وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع، وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبي يوسف، أما على قول غيره فيقضي اليوم الذي أفسده، لاستقلال كل يوم بنفسه. والحاصل أن الوجه يقتضي لزوم كل يوم شرع فيما عندهما بناء على لزوم صومه، بخلاف الباقي؛ لأن كل يوم بمنزلة شفع في النافلة الرباعية، وإن كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه. (شامي / باب

الاعتکاف ۳۸۷/۳ بیروت، ۴۳۴/۳ زکریا، کذا في الفتاویٰ الهندیة / الباب السابع في الاعتکاف ۲۱۳/۱ کوئٹه، فتح القدیر / باب الاعتکاف ۳۹۳/۲ دار الفکر بیروت، الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۴۷/۳ رقم: ۴۸۱۷ زکریا، البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۳۰۲/۲ کوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے؟

سوال (۱۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا رمضان شریف کے آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے، ہم نے علماء سے یہی سنا ہے؛ لیکن زید ''بدائع الصنائع ۲/۲۷۴'' ''**ویصح الاعتکاف بدون الصوم**'' کے حوالہ سے کہتا ہے کہ روزہ شرط نہیں ہے، اس سلسلہ میں دارالافتاء سے تفصیلی وضاحت مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اصح قول کے مطابق اعتکاف مسنون کے لئے روزہ شرط ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے بحث کر کے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور آپ نے ''بدائع الصنائع'' کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے، اسے صاحبِ بدائع الصنائع علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے، اس لئے اس سے حنفیہ کے خلاف استدلال نہیں کیا جاسکتا، حنفیہ کے استدلال میں علامہ موصوف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے: **لا اعتکاف إلا بصوم.** (سنن أبي داؤد ۳۳۵/۱) (یعنی روزہ کے بغیر اعتکاف (مسنون) معتبر نہیں ہے)

ومنها الصوم، فإنه شرط لصحة الاعتکاف الواجب بلا خلاف بین أصحابنا، وعند الشافعي لیس بشرط، ویصح الاعتکاف بدون الصوم ...... ولنا ما روي عن عائشة رضي اللّٰها عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: لا اعتکاف إلا بصوم. (بدائع الصنائع ۲۷۲/۲ - ۲۷۴ زکریا)

قـلـت: ومـقتـضـى ذلک أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنـه مـقـدر بـالعشر الأخير حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو سفر، ينبغي أن لا يـصـح عـنـه؛ بل يكون نفلاً فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية، ويؤيده قول الكنز: سُـنَّ لبث في مسجد بصوم ونية ...... فتعين حمله على المسنون سنة مؤكدة، فيدل على اشتراط الصوم فيه. (شامي ۳۸٤/۳ بيروت، ٤۳۱/۳ زكريا)

الاعتـكـاف سـنة لقوله تعالى: ﴿وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِیْ الْمَسٰجِدِ﴾ ومن شرطه الصوم لقوله عليه السلام: لا اعتكاف إلا بصوم. (الفتاوى الولواجية ۲٤۱/٤)

والصوم شرط لصحة الاعتكاف الواجب. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٤۳/۳ زكريا)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا اعتكاف إلا بصيام. (المستدرك للحاكم ٦۱۹/۲ رقم: ۱٦۰٥، سنن الدار قطني ۱۷۹/۲ رقم: ۲۳۳۱)

عـن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: السنة على المعتكف ...... ولا اعتكاف إلا بصوم الخ. (سنن أبي داؤد ۳۳٥/۱ رقم: ۲٤۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۴/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قصبہ یا بڑے گاؤں میں صرف ایک مسجد میں اعتکاف کرنا؟

سوال (۱۱۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف مسجدِ نبوی میں اعتکاف ہوتا تھا، یا دیگر مساجد میں بھی؟ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ نبی کے زمانہ میں صرف مسجدِ نبوی میں اعتکاف ہوتا تھا، جب کہ دیگر مساجد بھی تھیں، تو کیا اگر آج کسی قصبہ یا بڑے گاؤں کی ایک مسجد میں اعتکاف کرلیا اور دیگر محلوں کی دیگر مساجد میں اعتکاف نہ کیا، تو دوسرے محلّہ کے لوگ گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کا نظم ہو؛ لیکن اگر

پوری آبادی میں ایک جگہ بھی مسجد میں اعتکاف ہوجائے، تو ساری بستی والوں کی طرف سے سنتِ کفایہ ادا ہوجائے گی۔ (احسن الفتاوی ۴/۴۹۸، تحفہ رمضان ۱۰۱)

وقیل سنة علی الکفایة حتی لو ترک أهل بلدة بأسرهم یلحقهم الإساء ة وإلا فلا کالتأذین. (مجمع الأنهر ۱/۳۷۶ جدید، ۱/۲۵۵ قدیم)

وسنة مؤکدة في العشر الأخیر من رمضان أي سنة کفایة کما في البرهان وغیرها لاقترانها بعدم الإنکار علی من لم یفعله من الصحابة (درمختار) قوله: سنة کفایة: قال الشامي: نظیرها إقامة التراویح بالجماعة، فإذا قام بها البعض سقط الطلب الباقین فلم یأثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر، ولو کان سنة عین بترک السنة المؤکدة إثم ترک الواجب. (درمختار مع الشامي / باب الاعتکاف ۳/ ۴۳۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ایک عورت کے اعتکاف سے ساری بستی کے لوگ گناہ سے بچ سکتے ہیں؟

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بستی میں اگر کوئی ایک بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے تو سارے بستی والے گنہگار رہوتے ہیں، اگر صرف ایک عورت اعتکاف گھر میں کرے، تو سارے بستی والے تو گناہ سے بچ سکتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ترکِ اعتکاف کے گناہ سے بستی والے اس وقت بری ہوں گے جب کہ کم از کم ایک آدمی ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہو، محض عورت کے اعتکاف سے یہ سنتِ مؤکدہ ادا نہ ہوگی۔

وسنة مؤکدة في العشر الأواخر من رمضان أي سنة کفایة کما في البرهان

وغيره لاقترانها بعدم الإنكار على من لم يفعله من الصحابة (درمختار) قال في الشامية: قوله: أي سنة على الكفاية نظيرها إقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر، ولو كان سنة عين لأثموا بترك السنة المؤكدة إثماً دون اسم ترك الواجب. (شامي ٤٣٠/٣-٤٣١ زکریا، احسن الفتاویٰ ٤٩٨/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۶/۹/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معتکف کے لئے غسلِ تبرید کرنا؟

سوال (۱۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سخت گرمی کی وجہ سے حالتِ اعتکاف میں غسلِ تبرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد کے اندر غسل کا نظم ہو تو معتکف مسجد میں رہتے ہوئے غسلِ تبرید کرسکتا ہے، اور اگر مسجد کے باہر جانا ہو تو غسلِ تبرید کے قصد سے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کے لئے درست نہیں ہے، ہاں اگر ایسی شکل ہو کہ استنجاء کے لئے باہر جائے اور واپسی میں جلدی سے دو تین لوٹے بدن پر ڈال لے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمود یہ ۲۷۷/۱۵ میرٹھ)

اسی طرح اگر شدید گرمی کی وجہ سے اضطراری حالت ہو تو بھی گنجائش ہوگی۔ (کتاب المسائل ۱۸۶/۲-۱۸۷)

لو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس به (بدائع الصنائع) أي بأن كان فيه بركة ماء أو موضع معد للطهارة أو اغتسل في إناء بحيث لا يصيب المسجد الماء المستعمل. (شامي ٤٤٥/٢ كراچی، ٤٣٥/٣ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٤٤٥/٣ زكريا، بدائع الصنائع ٢٧٨/٢ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٢١٣/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۵/۱/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرتے وقت دوسری مسجد میں قرآن سنانے کی نیت کرنا؟

سوال (۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے حوالہ سے کہتا ہے کہ عشرۂ اخیرہ کا جو اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے، اس میں بیٹھنے سے پہلے اگر معتکف یہ استثناء کرے کہ میں پڑوس کی مسجد میں نماز پڑھانے یا قرآن سنانے جایا کروں گا، تو یہ استثناء صحیح نہیں ہے، اس سے اعتکاف نفلی ہوجائے گا، دارالافتا سے قول راجح مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے؛ تاہم اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے یہ نیت کرلے کہ میں پڑوس کی مسجد میں نماز پڑھانے یا قرآن سنانے جایا کروں گا، تو یہ استثناء صحیح ہے؛ البتہ اس سے اعتکاف نذر ہوجائے گا۔

ولو شرط وقت النذر والتزم أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۴۴۵ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۹۹، الدرالمختار ۳/ ۴۳۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معتکف کا محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک معتکف صاحب نے ایک دن امام صاحب کی عدم موجودگی میں محراب میں کھڑے ہوکر امام بن کر بجماعت نماز پڑھادی، اب لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا اعتکاف ٹوٹ گیا؟ کیا محراب مسجد میں داخل ہے یا خارج ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عموماً محراب مسجد ہی میں داخل ہوتی ہے؛ لہٰذا معتکف اگر محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھائے، تو اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

کان المحراب من المسجد کما هي العادة المستمرة. (البحر الرائق ۲/ ۲٦ کراچی، شامي ۲/ ٤١٤ زکریا)

أي لأن المحراب إنما بني علامة لمحل قیام الإمام لیکون قیامه وسط الصف کما هو السنة …… فهو وإن کان من بقاع المسجد …… الخ. (رد المحتار / باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها ۱/ ٦٤٦ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس عورت کو دورانِ اعتکاف حیض آنے کا یقین ہو وہ اعتکاف کرے یا نہیں؟

سوال (۱۱٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس عورت کی پچیسویں رمضان سے عادت متعین ہے یہ اخیر عشرہ کا مسنون اعتکاف پورا نہیں کرسکتی؟ اس عورت کو رمضان کے اخیرہ عشرہ میں دس دن کے لئے اعتکاف میں مسنون اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا چاہئے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ پچیسویں رمضان کو حیض آئے گا، تو ایسی عورت کے لئے اعتکاف مسنون کی نیت سے بیٹھنا مناسب نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ اس کے باوجود بیٹھ گئی اور درمیان اعتکاف حیض آ گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا، اور پاک ہونے کے بعد کم از کم ایک دن کے اعتکاف کی قضا روزے کے ساتھ کرے۔

ولو حاضت المرأة في حال الاعتكاف فسد اعتكافها؛ لأن الحيض ينافي أهلية الاعتكاف لمنافاتها الصوم، لهٰذا منعت من انعقاد الاعتكاف، فتمنع من البقاء. (بدائع الصنائع ۲/۲۸۷ زکریا)

وإذا فسد الاعتكاف الواجب وجب قضاؤه فإن كان اعتكاف شهر بعينه ...... يقضي ذٰلک اليوم ...... سواء أفسده بغير صنعه كالحيض. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۲۱۳)

حائضہ عورت بحالتِ ناپاکی اعتکاف نہیں کرسکتی، اور اگر دورانِ اعتکاف حیض یا نفاس شروع ہوگیا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

والحائض والنفساء ليسا بأهل للصلاة أي فلا يصح اعتكافهما. (شامي ۳/۴۳۰ زکریا، البحر الرائق ۲/۲۹۹، الفتاویٰ الهندیة ۱/۲۱۱، مراقی الفلاح ۳۸۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۱/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا حیض ونفاس کی حالت میں گھر میں نفلی اعتکاف کرنا؟

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت حیض یا نفاس کی حالت میں اپنے گھر میں نفلی اعتکاف کرسکتی ہے، یا جیسے مسنون اعتکاف میں حیض ونفاس سے پاک ہونا ضروری ہے یا روزہ ضروری ہے؟ کیا نفلی اعتکاف میں بھی عورت کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نفلی اعتکاف حالتِ حیض ونفاس میں درست نہیں ہے؛ کیوں کہ حیض ونفاس سے پاک ہونا ہر طرح کے اعتکاف کے لئے لازم ہے۔

قال في البدائع: والطهارة عن الجنابة والحيض والنفاس، وأنها شرط للجواز في نوعي الإعتكاف الواجب والتطوع جميعا. (بدائع الصنائع ۲/۲۷۴)

فيقضيه غير أنه لو كان شهراً معيناً يقضي قدر ما فسد ...... أو بغير صنعه

أصلاً كحيض ...... أما حكمه إذا فات عن وقته المعين، فإن فات بعضه قضاه لا غير ولا يجب الاستقبال. (شامي ٤٣٧/٣ زكريا، بدائع الصنائع ٢٨٨/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دائی کا حالتِ اعتکاف میں معتکف کے اندر بچہ جنوانا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت جو اپنے گھر میں اعتکاف کررہی ہے اور چوں کہ ڈاکٹرنی بھی ہے، بچہ جنوانے کا کام کرتی ہے، اعتکاف کی ہی حالت میں حاملہ عورت بچہ جنوانے کے لئے آئی اور اس نے اس طرح کی درخواست کی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عورت اپنا اعتکاف توڑے یا اپنے معتکف میں ہی بچہ جنوائی کا کام کردے، تو پھر اس معتکف کا کیا حال ہوگا جہاں دم نفاس سے پورا گھر لت پت ہوجائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کا معتکف مسجد کے حکم میں نہیں ہے؛ لہٰذا اس معتکف میں اگر وہ کسی عورت کو بچہ جنوائے، تو اس سے اعتکاف میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ تاہم بہتر یہی ہے کہ بحالتِ اعتکاف ایسا عمل نہ کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۲۵۱ ڈابھیل)

ومسجد بيتها ليس بمسجد حقيقة، بل هو اسم للمكان المعد للصلوة في حقها، حتى لايثبت له شيء من أحكام المسجد ...... لكن مسجد بيتها له حكم المسجد في حقها في حق الإعتكاف؛ لأن له حكم المسجد في حقها في حق الصلاة لحاجتها إلى احراز فضيلة الجماعة فأعطى له حكم مسجد الجماعة في حقها. (بدائع الصنائع ٢٨٢/٢- ٢٨١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۲/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اعتکاف کی قضا کیوں نہیں ہے؟

سوال (۱۱۹) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اعتکاف مسنون ٹوٹنے کی صورت میں پورے دس دن کی قضا کیوں نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح قول یہ ہے کہ جس دن اعتکاف ٹوٹا ہے صرف اس ایک دن کی قضا لازم ہوتی ہے، پورے مسنون اعتکاف کے ایام کی قضا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتکاف میں ہر دن مستقل عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔

والحاصل أن الوجه یقتضي لزوم کل یوم شرع فیما عندهما. (شامي ۴۳۴/۳ زکریا)

ومقتضی النظر أنه لو شرع في المسنون اعني العشر الأواخر بنیته ثم أفسده أن یجب قضاء ه تخریجاً علی قول أبي یوسف رحمه اللّٰه في الشروع في نفل الصلاة ناویاً أربعاً علی قولهما. (فتح القدیر / باب الاعتکاف ۳۹۳/۲ دار الفکر بیروت، شامي / باب الاعتکاف ۳۸۷/۳ بیروت، ۴۳۴/۳ زکریا، کذا في الفتاویٰ الهندیة / الباب السابع في الاعتکاف ۲۱۳/۱ کوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۴۷/۳ رقم: ۴۸۱۷ زکریا، البحر الرائق ۳۰۲/۲ کوئٹه) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۸/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قصبہ کی جامع مسجد میں قریبی متصل گاؤں کے معتکف کا جمعہ پڑھنے جانا؟

سوال (۱۲۰) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا گاؤں سیڈھا بڑی بستی ہے، شرعاً جمعہ وعیدین ہوتے ہیں، ہمارے گاؤں سے بالکل ملا ہوا گاؤں ابراہیم پور ہے، کوئی فصل بالکل نہیں ہے، صرف پنچایت دوسری ہے، پردھان دوسرا ہے؛

لیکن چھوٹا گاؤں ہے، اس ابراہیم پور اور سیڑھے سے بالکل ملا ہوا ایک گاؤں سیڑھی ہے، یہ بھی چھوٹا گاؤں ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بڑی بستی سیڑھی سے بالکل متصل ہوجانے کی وجہ سے ابراہیم پورا اور سیڑھی والوں پر جمعہ فرض ہے، جب کہ یہ دونوں گاؤں کے لوگ جمعہ کے دن اپنی اپنی مسجد بند کرکے سب لوگ جمعہ پڑھنے سیڑھے آتے ہیں، اور رمضان میں ہر معتکف چاہے ابراہیم پوری کی مسجد کا ہو یا سیڑھی کی مسجد کا، جمعہ پڑھنے سیڑھے جامع مسجد آتے ہیں، کیا ان معتکف حضرات کا یہ عمل شرعاً درست ہے؟

(۲) اگر ابراہیم پور اور سیڑھی والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، تو کیا ان کا یہ طریقہ درست ہے کہ سب کے سب لوگ جمعہ پڑھنے سیڑھے آجائیں، اور اپنی اپنی مسجد بند رکھیں، ظہر کی اذان نماز نہ ہو، جیسے کہ ایک زمانے سے اب تک نہیں ہورہی ہے، دیکھنے والوں کو یہ دونوں گاؤں سیڑھے کا محلّہ معلوم ہوتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسبِ تحریر سوال قصبہ سیڑھا اور اس سے متصل دونوں آبادیاں سیڑھی اور ابراہیم پور ایک ہی قریہ کے حکم میں ہیں، اور ان تینوں جگہ کے لوگوں پر جمعہ فرض ہے؛ لیکن ہر جگہ کی مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ سب لوگ قصبہ کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھا کریں، جیسا کہ اب تک معمول رہا ہے، اور جمعہ کے دن دیگر مساجد میں ظہر کی نماز بھی نہیں ہوگی، اور دیگر مساجد کے معتکف حضرات جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد جائیں گے۔

لأن جواز التعدد وإن كان أرجح وأقوى دليلا، لكن فيه شبهة قوية؛ لأن خلافه مروي عن أبي حنيفة رحمه الله أيضا واختاره الطحاوي والتمرتاشي وصاحب المختار، وجعله العتّابي الأظهر. (شامي ١٦/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۰/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

كتاب الزكوٰة

وجوبِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کب اور کس پر فرض ہوتی ہے؟

سوال (۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کیا ہے اور یہ کب کیسے اور کس طرح نکالی جاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ مال داروں پر فرض ہے، سال میں ایک مرتبہ نصاب کے بقدر مال پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا واجب ہوتا ہے، اور اس کی بہت سی تفصیلات ہیں جو صورت پیش آئے اس کے متعلق علماء سے رجوع کریں۔

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد، وعن حاجته الأصلية. (درمختار کتاب الزکاۃ ۳/ ۱۷٤ زکریا، ۲/ ۲۵۹ کراچی، البحر الرائق ۲/ ۲۰٤، النهر الفائق ۱/ ٤۱۲، تبیین الحقائق ۲/ ۱٦ بیروت)

قال حسن بن عمار بن علی: وشرط وجوب أدائها حولان الحول علی النصاب الأصلی. (مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ ٤/ ۷۱، کذا فی الدر المختار شرح تنویر الأبصار، کتاب الزکاۃ ۲/ ۲۵۹ کراچی، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ ۲/ ۳۵٦، تبیین الحقائق کتاب الزکاۃ ۲/ ۲۲ بیروت)

الزكاة إنما تجب إذا ملک نصابا تاماً نامياً حولاً كاملاً. (خلاصة الفتاوی، کتاب الزکاۃ ۱/ ۲۳۵ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوۃ کے وجوب میں حولانِ حول کا مطلب کیا ہے؟

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کی ہر ماہ تنخواہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہے، اس میں سے ہر ماہ وہ ستر ہزار خرچ کرتا ہے اور ۸۰/ ہزار بچتا ہے، اس طرح ایک سال پورا ہونے پر اس کے پاس ۹/ لاکھ ۶۰/ ہزار روپیہ بچتا ہے، غور طلب امر یہ ہے کہ اس میں سے پہلی تنخواہ کے پسماندہ ۸۰/ ہزار پر ایک سال پورا ہوا ہے؛ کیونکہ اس کے بعد دوسرے مہینہ کے ۸۰/ ہزار پر ۱۱/ مہینے ہوتے ہیں، اسی طرح بعد والے ۸۰/ ہزار پر ۱۰/ مہینے یہ سلسلہ ایک ایک مہینہ کم ہوکر آخری ۸۰/ ہزار پر ایک ہی مہینہ گذارا، تو سوال یہ ہے کہ کیا سال پورا ہونے پر ۹/ لاکھ ۶۰/ ہزار میں سے زکوۃ نکالے یا ایک مہینے ۸۰/ ہزار کی، دوسرے مہینہ پر ۸۰/ ہزار کی سال بھر اسی طرح نکالے گا، وجہ سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی شرط میں مخصوص رقم ہونا اور اس پر سال گذرنا شامل ہے، موجودہ صورت میں سال تو صرف پہلے پسماندہ ۸۰/ ہزار ہی پر پورا گذرا ہے، اس کے بعد ایک ایک مہینہ (سال میں سے) کم ہوتا گیا اس پر سال تو پورا نہیں ہوتا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کے وجوب میں سال گذرنے کی جو شرط ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر روپیہ پر سال گذرے؛ بلکہ نصاب زکوٰۃ یا اس کے اجزاء پر سال گذرنا شرط ہے، مثلاً کوئی شخص یکم محرم کو کسی نصاب کا مالک ہوا اب اگلے سال یکم محرم کو یہ دیکھا جائے گا کہ درمیانی سال میں یہ نصاب یا اس کا کوئی جزء اس کی ملکیت میں رہا یا نہیں؟ اگر رہا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر سال میں کوئی ایسا دن آیا کہ وہ ایک پیسہ کا بھی مالک نہیں رہا تو اس پر یکم محرم کو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ نئے نصاب کی آمد کے دن سے سال شروع قرار دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ حولانِ حول (سال گذرنے) کی شرط ہر روپیہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ نصاب کیلئے ہے، اب صورت مسئولہ میں چونکہ پورے سال نصاب برقرار رہا ہے؛ اس لئے مذکورہ شخص جب سال کے پہلے مہینہ میں ۸۰ ہزار کا مالک ہوا جو نصاب زکوٰۃ سے زائد ہے اور پھر پورے سال اس رقم میں اضافہ ہی ہوتا

رہاتواگلے سال کے پہلے مہینہ میں مجموعی باقی ماندہ رقم یعنی ۹ لاکھ ۶۰ ہزار پرزکوۃ واجب ہوگی۔

ثـم مـال الـزكوٰة يعتبر فيه كمال النصاب في أول الحول و آخره، و نقصان لـنـصـاب بيـنـه طـرفـى الحول لا يمنع و جوب الزكٰوة، سواء كان مال التجارة أو الـذهـب أو الـفـضـة أو السوائم هذا عند أصحابنا الثلاثة ...... و الصحيح قولنا؛ لأنه كـمـال الـنـصـاب شـرط وجـوب الـزكٰوة فيعتبر حال انعقاد السبب، ومال ثبوت الـحكم، وهو اول الحول وآخره ووسط الحول ليس حال انعقاد السبب ولا حال لوجوب فلا يجب اشتراطه فيه. (تحفة الفقهاء، باب زكاة اموال التجارة ١/ ٢٧٢ الشاملة)

كـمـال النصاب شرط وجوب الزكوة ...... لكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي آخره لا في خلاله، حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول، ثم كمل فـي آخـره تـجـب الزكوة، سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة، أو مال التجارة. (بدائع الصنائع ٢/ ٩٩ زكريا)

فـلتـزمه الزكاة إذا تم الحول لوجود كمال النصاب فى طرفى الحول مع بقاء شئ منه فى خلال الحول. (المبسوط السرخسي ج: ٢ جزء: ٣ كتاب نوادر الزكاة دار الفكر)

ومـن كـان لـه نصاب فاستفاد في اثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به. (هـدايـه كتاب الزكاة ١/ ١٩٣، هـكـذا فـي بـدائع الصنائع ٢/ ٩٧ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٧٥، مـراقـى الـفـلاح ٤ ٧١ كتـاب الزكاة، مجمع الأنهر، الزكاة/ باب زكاة الذهب والفضه ١/ ٢٠٧، بيروت، تبيين الحقائق، الزكاة/ باب صدقة الغنم ٢/ ٦٢ بيروت)

أخـرج الإمام مالک فى المؤطا عن نافع أن عبد الله بن عمر كان يقول: لا تجب فى مال زكاة، حتى يحول عليه الحول. (الموطأ للإمام مالك، الزكاة/ باب الزكاة في العين من الذهب والورق ١٨١ رقم: ٦ دار الكتب العلمية بيروت)

قـال حسـن بـن عـمار بن علي: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على

النصاب الأصلي. (مراقي الفلاح، كتاب الزكاة / ٧١٤، كذا في الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الزكاة ٢/ ٢٥٩ كراچی، البحر الرائق، كتاب الزكاة ٢/ ٣٥٦، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة ٢/ ٢٢ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نصاب کے بقدر روپیہ گیارہ مہینہ میں ختم ہوگیا؟

سوال (۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں گیارہ مہینے میں اپنے روپۓ ختم کردیتی ہوں، جس کی وجہ سے میرے اوپر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، حساب کرنے کے بعد کچھ روپۓ اسکول میں کھانے کے لئے بچتے ہیں یا میں ابو سے روپۓ مانگ لیتی ہوں، کبھی کوئی اور بھی روپۓ دے دیتا ہے، کیا اس روپۓ پر زکوٰۃ ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی ایک قمری تاریخ کو آپ کے پاس بقدر نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر) روپۓ جمع ہوگئے، پھر اگلے سال اسی تاریخ کو اتنے ہی یا اس سے زیادہ روپۓ آپ کی ملکیت میں رہے، تو آپ پر زکوۃ واجب ہوگی، درمیان میں کم وبیش ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر اگلے سال اس مقررہ تاریخ میں بقدر نصاب روپۓ آپ کی ملکیت میں نہیں ہیں، تو زکوۃ واجب نہ ہوگی، یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ روپۓ کے ساتھ زیورات یا مال تجارت نہ ہو، اور اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو نصاب میں روپۓ کے ساتھ ان کی قیمت بھی لگائی جائے گی۔

وشرط كمال النصاب في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد وفي الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما. (در مختار / باب زكاة المال ٣/ ٢٣٣ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ١٨١ زكريا)

کمال النصاب شرط وجوب الزکوة...... لکن هذا الشرط یعتبر في أول الحول، وفي آخره لا في خلاله، حتی لو انتقص النصاب في أثناء الحول، ثم کمل في آخره تجب الزکوة، سواء کان من السوائم أو من الذهب والفضة، أو مال التجارة. (بدائع الصنائع ٩٩/٢ زکریا)

وشرط افتراض أدائها حولان الحول، وهو في ملکه. (شامي ١٨٦/٣ زکریا)

ومنها حولان الحول علی المال، العبرة في الزکاة للحول القمري کذا في القنیة. وإذا کان النصاب کاملا في طرفی الحول فنقصانه فیما بین ذلک لایسقط الزکاة کذا في الهدایة. (الفتاوی الهندیة، الزکاة/ الباب الأول في تفسیرها وصفتها ١٧٥/١)

قوله: هو نسبة للحول أي الحول القمري لا الشمسي. (شامي، کتاب الزکاة ٢٥٩/٢ کراچی)

وإذا کان النصاب کاملا في طرفي الحول فنقصانه فیما بین ذٰلک لا یسقط الزکاة؛ لأنه یشق اعتبار الکمال في أثنائه أما لابد منه في ابتدائه للانعقاد وتحقق الغناء، وفي انتهائه للوجوب، ولا کذٰلک فیما بین ذٰلک؛ لأنه حالة البقاء. (هدایة، کتاب الزکاة / باب العروض ١٩٦/١)

سئل الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما عن الحول في الزکاة أقمري، أم شمسي؟ فقال: قمري. (الفتاوی التاتارخانیة ١٣٤/٣ رقم: ٣٩٣٧ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سال کے درمیان تھوڑی تھوڑی کر کے نصاب کے برابر رقم جمع ہوئی مگر سال نہیں گزرا

سوال (۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ہمارے پاس ایک لاکھ کی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے جمع ہوئی ہے، مگر ابھی پورا سال نہیں گذرا ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس پہلے سے بقدر نصاب مال موجود ہے، اور پھر درمیان میں ایک لاکھ کی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے جمع ہوئی ہے تو پہلے سے موجود مال پر جب سال پورا ہوگا، تو اس ایک لاکھ کی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ ہر جمع شدہ رقم پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے، بلکہ نصاب کے بقدر ملکیت کے وقت ہی سے سال کی ابتداء شمار ہوگی، اور اگر پہلے سے بقدر نصاب مال موجود نہ ہو، اور یہ ایک لاکھ روپیہ رفتہ رفتہ جمع ہوئے ہوں، تو جس دن بقدر نصاب روپۓ ملکیت میں آئے ہیں، اسی دن سے سال کی ابتداء ہوگی، اور سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا۔

عن المغيرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه قال: تحل عليه الزكاة من يوم ملك مائتي درهم ثم يحول عليه الحول. (المصنف لابن أبي شيبة ۲/۲۵۵ رقم: ۹۸٤٦ دار الكتب العلمية)

وشرط كمال النصاب ولو سائمة في طر في الحول في الابتداء للانعقاد، وفي الانتهاء للوجوب فلايضر نقصانه بينهما. (درمختار مع الشامي ۳/۲۳۳ زكريا)

قال حسن بن عمار بن علي: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي. (مراقي الفلاح، كتاب الزكاة/ ۷۱٤، كذا في الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كتاب الزكاة ۲/۲۵۹ كراچی، البحر الرائق، كتاب الزكاة ۲/۳۵٦، تبيين الحقائق كتاب الزكاة ۲/۲ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: احقر گاؤں کی مسجد میں امام ہے، عید آنے سے پہلے اپنی زکوٰۃ کا حساب نکال دیتا ہوں اس کے بعد مسجد والوں سے حساب دستور رمضان میں کچھ آمدنی ہوتی ہے، کیا اس آمدنی کی زکوٰۃ ابھی دینی ہوگی یا سال پورا ہونے پر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس معین تاریخ میں آپ زکوٰۃ کا حساب لگاتے ہیں، اس دن آپ کی ملکیت میں جتنی رقم ہوگی اسی کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہوگی، اگر اس سے اگلے دن بھی مزید رقم آجائے تو ابھی اس کی زکوٰۃ نکالنی لازم نہیں ہے؛ بلکہ سال پورا ہونے پر حساب لگایا جائے، نیز رقم کے ہر جز پر سال گذرنا ضروری نہیں؛ بلکہ نصاب پر سال گذرنے کا اعتبار رہے؛ لہٰذا اگر درمیان سال میں رقم کم وبیش ہوتی ہے، مگر نصاب بالکل ختم نہیں ہوتا، تو اس سے سالانہ حساب پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استفاد مالاً فلا زكاة عليه حتى يحول عليه الحول. (سنن الترمذي رقم: ٦٣١، مشكاة المصابيح رقم: ١٧٨٧)

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه تام. (درمختار ٣/ ١٧٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر مقروض ہو اور بیوی صاحبِ نصاب ہو تو کیا بیوی پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

سوال (٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زینب کا شوہر جواری ہے، اس وجہ سے گھر میں تنگی ہے، بہت زیادہ پریشانی ہے، زینب نے کچھ

رقم زمین یا لڑکی کی شادی میں لگانے کے واسطے جمع کر لئے ہیں، تو بتائیں کہ زینب کو اس رقم کی زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ جب کہ شوہر قرض دار ہے، اور گھر میں رہنے کی تنگی ہے، جگہ بہت چھوٹی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس جمع شدہ رقم سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے اور اس پر ایک سال گذر چکا ہے، تو اس کی زکوٰۃ زینب پر واجب ہے، شوہر کے مقروض ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کے حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا؛ کیوں کہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شيء يعني في الذهب حتى تكون لک عشرون ديناراً. (سنن أبي داؤد، الزكاة / باب في زكاة السائمة ۱/ ۲۲۱)

أي سبب افتراضها و سببه ملک نصاب حولي تام. (تنوير الأبصار على الدر المحتار ۳/ ۱۷٤ زكريا)

أي أن قيمة الزكاة من المال هو اثنان ونصف بالمائة إذا بلغ النصاب خمس أورق مائتي درهم، وفي كل أربعين درهما؛ أي ما فوق المأتي درهم؛ لأن النصاب هو مائتا درهم، فإن لم يملک النصاب فلا شيء عليه. (المصنف لابن أبي شيبة ۱۷/ ۱۸ الشاملة)

تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۷۸)

ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم، كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل. (الدرالمختار، الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ۲۹۵ كراچی، النهر الفائق، الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ٤۳٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/ ۹/ ۱۴۱۷ھ

۴/تولہ سونے پر زکوٰۃ

سوال (۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کے پاس صرف چار تولہ سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۴/تولہ سونے کے ساتھ، چاندی، روپیہ یا تجارتی مال کچھ بھی نہیں ہے، تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم قال: إذا كانت ...... وليس عليک شيء يعني في الذهب حتى تكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت لک عشرون دينارا و حال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذٰلک. (سنن أبي داؤد، الزكاة / باب في زكاة السائمة ۱/۲۲۱)

عن عاصم بن ضمرة عن علي رضي اللّٰه عنه قال: ليس في أقل من عشرين ديناراً شيء وفي عشرين دينارا نصف دينار، وفي أربعين دينارا فما زاد فبالحساب. (المصنف لابن أبي شيبة ۲/۵۷۳ رقم: ۹۸۷۳)

عن محمد بن عبد اللّٰه بن جحش على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أنه أمر معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه حين بعثه إلى اليمن: أن يأخذ من كل أربعين ديناراً: دنياراً الخ. (سنن الدار قطني ۲/۵۹ ۲ الزكاة/ باب ليس الحضروات صدقة)

نصاب الذهب عشرون مثقالاً فما دون ذٰلک لا زكاة فيه، ولو كان نقصاناً يسيرا. (الدر المختار، الزكاة / باب زكاة المال ۲/۲۹۵ کراچی، ۳/۲۲۴ زکریا، النهر الفائق، الزكاة / باب زكاة المال ۲/۴۳۶)

ليس فيما دون عشرين مثقالا من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال. (هدايه ۱/۱۹۵)

وأخرج بن جرير في تهذيبه عن علي رضي اللّٰه عنه قال قام فينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ذات يوم فقال: إنا وضعنا عنكم صدقة الخيل ولكن هاتوا ...... وفي كل عشرين مثقالا نصف مثقال، وليس فيما دون ذٰلك. (إعلاء السنن ۹/۹ ۵، التعليقات على الهداية ۲/ ۳۹ مكتبة البشرىٰ كراچى) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونا چاندی اور روپیہ تینوں مل کر اگر نصاب کے بقدر ہوں؟

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس چالیس تولہ چاندی اور نقد دس ہزار روپیہ ہے، سونا کچھ بھی نہیں ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مجھے چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا صرف پیسوں کی؟ کیونکہ چاندی اپنے نصاب سے کم ہے، بعض علماء کا کہنا ہے کہ نقدی روپیہ چاندی کے حکم میں ہوتا ہے، اسی طرح اگر سونا نصاب سے کم ہو تو کیا پیسوں سے اس کی تکمیل کر کے زکوٰۃ دینا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حکم یہی ہے کہ چاندی کی قیمت لگا کر موجودہ رقم کو بھی چاندی کی رقم میں ضم کرلیا جائے گا، اور کل رقم پر ڈھائی فیصدی کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سونا نصاب سے کم ہو اور روپیہ موجود ہو تو سونے کی قیمت لگا کر چاندی کے نصاب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، فتویٰ اسی پر ہے۔

وتضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة حتى يتم النصاب؛ لأن الوجوب في الكل باعتبار التجارة وإن افترقت جهة الأعداد ويضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من الثمنية. (هداية ۱/ ۲۱۳ مكتبة بلال ديوبند)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. قال الشامي: أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها،

خلافا لهما. (الدر المختار مع الرد المحتار، الزكاة/ باب زكاة المال ٢/ ٣٠٣ كراچی، ٣/ ٢٣٤ زكريا، البحر الرائق الزكاة / باب زكاة المال ٢/ ٤٠٠ رشيديه، تبيين الحقائق، الزكاة / باب زكاة المال ٢/ ٨٠ بيروت، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ١٥٨ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٧٩)

ولو بلغ بأحدهما نصاباً وخمساً، وبالآخر أقل قومه بالأنفع للفقير. (الدر المختار مع الرد المختار، زكاة / باب زكاة المال ٣/ ٢٢٩ زكريا)

أخرجه أبوداؤد عن عمرو بن يعلى فذكر الحديث نحو حديث الخاتم: قيل لسفيان: كيف تزكيه؟ قال: تضمه إلى غيره. (سنن أبي داؤد ١/ ٥٨٣) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۷/۲/۱۴۲۵ھ

سونے اور چاندی مخلوط ہوتو زکوۃ کا حساب کیسے لگایا جائے؟

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد اطہر کے پاس دوتولہ سونا (15000=2x7500) روپیہ کا ہے۔ اورتیس تولہ چاندی (3900=30x130) روپیہ کی ہے یا چھ تولہ سونا (45000=6x7500) روپیہ اور دس تولہ چاندی (1300=10x130) روپیہ کی ہے، تو اس شخص پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ سونا اور چاندی ملاکر دونوں کی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہے؛ لہٰذا محمد اطہر پر مذکورہ سونا اور چاندی دونوں کی زکوۃ واجب ہے۔

ولو بلغ بأحدهما نصابا وخمسا، وبالآخر أقل قوّمه بالأنفع للفقير.

(درمختار مع الشامی ٣/ ٢٢٩ زکریا)

وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة قيمة (كنز)

والصحيح الوجوب؛ لأنه إن يمكن تكميل نصاب الدراهم باعتبار قيمة الدنانير أمكن تكميل نصاب الدنانير باعتبار قيمة الدراهم؛ لأن قيمتها تبلغ عشرة دنانير فتكمل احتياطاً لإيجاب الزكاة ...... وفي المعراج: لو كان له مأة وخمسون درهما وخمسة دنانير وقيمة الدنانير لا تساوي خمسين درهما ...... قال الفقيه أبو جعفر: تجب على قوله وهو الصحيح، ويضم الأكثر إلى الأقل وهو دليل على أنه لا اعتبار بتكامل الأجزاء عنده وإنما يضم أحد النقدين إلى الآخر قيمة ولا فرق بين ضم الأقل إلى الأكثر أو عكسه. (البحر الرائق/ قبيل باب العاشر ۲/ ۲۳۰ کوئٹه)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. قال الشامي: أي من جهة القيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة، عليه زكاتها خلافا لهما. (الدر المحتار مع الرد المحتار، الزكاة/ باب زكاة المال ۲/ ۳۰۳ کراچی، شامي ۳/ ۲۳٤ زكريا ، تبيين الحقائق، الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ۸۰ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۴ھ

نہ سونے کا نصاب پورا نہ چاندی کا، تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زینب کے پاس سونے کے ۲/ یا ۳/ تولہ وزنی زیورات ہیں، اس کے علاوہ اس کے پاس چاندی کے زیورات پازیب وغیرہ تقریباً ۱۰۰/ گرام کے ہیں، جس کی قیمت ۶۰۰/ ہوگی، سونے کی قیمت بارہ ہزار ہوجاتی ہے، اس صورت میں چاندی کی قیمت لگا کر زکوٰۃ واجب قرار دیں گے یا سونے کے نصاب کے ناقص ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؟ اس سونے اور چاندی کے علاوہ دوسرا کوئی مال روپئے وغیرہ اس کے پاس نہیں ہیں، بالفرض اگر وہ چاندی کے زیورات کو فروخت کردے تو کیا پھر وہ مستحق زکوٰۃ ہوجائیگی؟ چاندی کی اس مقدار کے ہونے کی وجہ سے کیا چاندی کا حساب لگا کر زکوٰۃ کو فرض کہا جائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کے ساتھ اگر چاندی یا روپیہ ہوں تو چاندی کا حساب لگا کر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر صرف سونا ہے تو جب تک اس کی مقدار ساڑھے سات تولہ تک نہ پہنچے، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

أخرج أبو داؤد عمرو بن يعلى فذكر الحديث نحو حديث الخاتم – المذكور قبله – قيل لسفيان كيف تزكيه ؟ قال : تضمه إلى غيره. (سنن أبي داؤد، الزكاة / باب الكنز ما هو زكاة الحلي رقم: ١٥٦٦)

وعن عبيد اللّٰه بن عبيد قال: قلت لمكحول: يا أبا عبد اللّٰه! إن لي سيفاً فيه خمسون ومائة درهم، فجعل عليّ فيه زكاة؟ قال: أضف إليه ما كان لك من ذهب وفضة، فإذا بلغ مائتي درهم ذهبا وفضة فعليك فيه الزكاة. (المصنف لابن أبي شيبة، الزكاة / باب في الرجل تكون عنده مائة درهم وعشرة دنانير٦ /٣٩٣ رقم: ٩٩٧٨)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة. (شامی ٢ /٣٠٣ کراچی، ٣ /٢٤٣ زکریا)

وتضم الذهب إلى الفضة قيمةً. (مراقي الفلاح ٣٩٠، الفتاوىٰ الهندية ١ /١٧٩، الفتاوى التاتارخانية ٣ /١٥٧ رقم: ٣٩٨٢ زكريا)

فاما إذا كان لها صنفان جميعاً فإن لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان له عشرة مثاقيل ومائة درهم فإنه يضم أحدها إلى الأخرىٰ في حق تكميل النصاب عندنا. (بدائع الصنائع ٢ /١٠٦، احسن الفتاوىٰ ٤ /٢٥٤، فتاوىٰ رحیمیه ٥ /١٥١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳ر تولہ سونا اور ایک کلو چاندی پر زکوٰۃ

سوال (۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: عبدالکریم کے پاس ۳ رتولہ سونا اور ایک کلو چاندی ہے، کیا اس میں زکوٰۃ نکالی جائے گی یا نہیں؟ اگر نکالنا ضروری ہے تو کتنی نکلے گی، اور اس کے کتنے روپئے نکالے جائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں سونا اور چاندی دونوں کی قیمت بازار میں لگوا کر ڈھائی روپیہ فیصد کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

أخرج البيهقي عن عمرو بن يعلى بن مرة الثقفي عن أبيه عن جده قال: أتى النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم رجل عليه خاتم من ذهب عظيم، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أتؤدي زكاة هذا؟ فقال: يا رسول اللّٰه! وما زكاة هذا؟ قال: فلما أدبر الرجل، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم جمرة عظيمة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب تحريم تحلي الرجال بالذهب ٥٩/٦ رقم: ٧٦٧٩، الفتاوى التاتارخانية ١٥٨/٣ رقم: ٣٩٨٢)

ولو ضم أحد النصابين إلى الآخر حتى يؤدي كله من الذهب أو من الفضة فلا بأس به لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا ورواجاً وإلا فيؤدي من كل واحد ربع عشره. (تحفة الفقهاء / كتاب الزكوٰة ٢٦٧/١ الشاملة)

ويضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا، ويقوم الدراهم بالدنانير، فإن بلغت قيمتها عشرين مثالاً، تجب فيها الزكاة. (الفتاوى التاتارخانية، الزكاة/ زكاة المال ٢٣٢/٢ كراچى، ١٥٨/٣ رقم: ٣٩٨٢ زكريا)

وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج ونذر وكفارة. (الدر المحتار، الزكاة / باب زكاة الغنم ٢٧٥/٢ كراچى) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۴ رتولہ سونا اور چند روپیہ پر زکوٰۃ

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کسی کے پاس ۴ ؍تولہ سونا ہے، اور دس پانچ روپیہ بھی ہیں، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روپیہ چاندی کے حکم میں ہے؛ لہٰذا چار تولہ سونا کے ساتھ چند روپیہ ہونے کی شکل میں چاندی کے نصاب کا حساب لگایا جائے گا، یعنی اگر ۴ ؍تولہ سونا اور چند روپئے کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچی ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ولو بلغ بأحدهما نصابا وخمسا، وبالآخر أقل قوّمه بالأنفع للفقير.

(درمختار مع الشامی ۳/ ۲۲۹ زکریا)

أي تضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة ويضم الذهب إلى الفضة فيكمل به النصاب. (تبيين الحقائق / باب زكاة المال ۱/ ۲۸۰ الشاملة، ۲/ ۸۰ رشيديه، كذا في البحر الرائق ۲/ ۴۰۰ رشيدية، الدر المختار مع الرد المحتار، الزكاة/ باب زكاة المال ۲/ ۳۰۳ كراچی، شامی ۳/ ۲۳۴ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رہن رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں بعض وہ حضرات جن کو کہیں سے قرض نہیں ملتا، وہ اپنا زیور مسلم فنڈ، یا بیت المال میں رکھ کر قرض لے لیتے ہیں، مثلاً اگر ہمارا زیور پچاس ہزار روپیہ کا ہے، تو اس زیور کو رہن رکھ کر ہمیں پچیس ہزار روپیہ قرض کے مل جاتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ جب ہم اپنے مال کی زکوٰۃ کا حساب لگائیں تو کیا یہ زیور جو ہم نے مسلم فنڈ میں رکھا ہے، اس کی قیمت بھی جوڑ لیں اور جو زیور رکھ کر ہم نے قرض لیا ہے، اس قرض کو مجرا کرا کر زکوۃ دیں، یا رہن رکھے ہوئے زیور پر زکوۃ نہیں ہے، تو کیا جو قرض لیا ہے اس کو بھی مجرا نہ کریں، شرعاً جو شکل بھی صحیح ہو تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوزیوررہن میں رکھا ہوا ہے اس کی زکوۃ نہ توراہن پر ہے اور نہ مرتہن پر؛ اس لئے کہ مرتہن اس کا مالک نہیں اور راہن کا اس پر قبضہ نہیں؛ لہٰذا اس میں سردست تصرف کرنے یا اپنی مرضی سے واپس لینے کا حق نہیں رکھتا، مسئولہ صورت میں جب تک زیور گروی رکھا رہے گا اس کی زکوۃ ادا نہیں کی جائے گی، اور راہن نے جو قرض لیا ہے اس کو اصل مال سے منہا کر کے زکوۃ ادا کرے گا؛ کیوں کہ قرض بہر حال قرض ہے، خواہ رہن کے بدلہ میں ہو یا بلا رہن۔

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنه قال: زكوا زكاة أموالكم حولا إلى حول، وما كان من دين ثقة فزكه، وإن كان من دين مظنون فلا زكاة فيه، حتى يقبضه صاحبه. (المصنف لابن أبي شيبة، الزكاة / في زكاة الدين ٤٨٥/٤ رقم: ١٠٣٥١ السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٥٢/٤ رقم: ٧٦٢٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا: أي لا يجب الزكاة في مرهون أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة، ولا على الراهن لعدم اليد. (الدرالمختار كتاب الزكاة مع الشامي ١٨٠/٣ زكريا، ٢٦٣/٢ كراچی)

ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد كذا في العناية. (البحر الرائق ٣٥٥/٢ رشيدية، ٢٠٣/٢ كوئٹه)

وكذا لو رهنها بألف وله مائة ألف فحال الحول على الرهن في يد المرتهن يزكي الراهن ما عنده من المال إلا ألف الدين. (شامي ١٨٠/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم فنڈ میں رہن رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں کچھ لوگ غربت کی وجہ سے یا نقد پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کہ اپنا زیور مسلم فنڈ میں رکھ دیتے ہیں اور اس زیور پر مسلم فنڈ سے قرض لیتے ہیں، جب قرض ادا کر دیتے

ہیں، اور اس قرض لینے پر یا زیور رکھنے پر جو سروس چارج کاغذات وغیرہ کا خرچ آتا ہے وہ ادا کردیتے ہیں، اپنا زیور واپس لے لیتے ہیں، کچھ مالدار لوگ بغرض حفاظت اپنا زیور مسلم فنڈ میں رکھتے ہیں اور اس حفاظت کا جو خرچ آتا ہے وہ ادا کرتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح جو زیور ہمارے علاقہ میں اکثر لوگ مسلم فنڈ میں رکھ رہے ہیں اس زیور پر زکوۃ آئے گی یا نہیں؟ اگر یہ زیور رہن مانا جائے تو زکوۃ ختم ہوتی ہے، جیسا کہ مفتیان کرام نے لکھا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالی

الجواب وبالله التوفيق: اگر اپنا ذاتی زیور رہن پر رکھا ہے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے، اور اگر بیوی کی ملکیت کا زیور رہن پر رکھا ہے تو گویا کہ یہ شوہر نے بیوی سے قرض لیا ہے، اور یہ دین قوی کے درجہ میں ہے؛ اس لئے بیوی پر زکوۃ واجب ہوگی چاہے تو وہ بروقت ادا کردے، اور اگر بروقت ادا نہ کیا تو زیور کے چھڑانے کے بعد گذشتہ سب سالوں کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، اور مالدار لوگ بغرض حفاظت جو زیور رکھتے ہیں وہ امانت ہے، ان سب پر زکوۃ حسب دستور واجب ہوگی۔

عن عبد اللّٰہ بن عباس وعبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما قالا: من أسلف مالا فعليه زكاته في كل عام إذا كان في ثقة. (السنن الکبریٰ / باب زكاة الدين ٦/ ٦٨ رقم: ٧٧١٣)

ولا أي لايجب الزكاة في مرهون، أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد. (شامي ٣/ ١٨٠ زكريا، شامي ٢/ ٢٦٣ كراچی، كذا في البحر الرائق ٢/ ٢٠٣ کوئٹہ، الفتاویٰ الهندية ١/ ١٧٢ دار احياء التارث العربي بيروت)

قسم أبو حنيفة الدين على ثلاثة أقسام قوى وهو بدل القرض، ومال التجارة ومتوسط وهو بدل ما ليس للتجارة ...... ففي القوى تجب الزكوة إذا حال الحول، ويتراخى القضاء إلى أن يقبض ...... ويعتبر لما مضى من الحول. (البحر الرائق ٢/ ٢٠٧ کوئٹہ، كذا في الدر المختار، الزكاة / باب الزكاة المال ٢/ ٣٠٥ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵۰؍ہزار کا زیور رہن رکھ کر ۱۰؍ہزار قرض لینے والے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس پچاس ہزار کا زیور تھا زید کو دس ہزار روپیہ کی ضرورت پڑی نقد پیسہ پاس نہیں تھا، پچاس ہزار کا زیور مسلم فنڈ میں گروی رکھ کر دس ہزار روپیہ قرض لے لیا، اب اس شخص پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے، کیا پچاس ہزار کے زیور میں سے جو گروی رکھا ہے دس ہزار کم کرکے چالیس ہزار کی زکوٰۃ دے یا زیور رہن رکھے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ ختم ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عام طور پر فقہی جزئیات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے دین خواہ رہن کی اصل قیمت سے کم ہو یا زیادہ بہرصورت زکوٰۃ نہ ہوگی؛ لیکن یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سونا چاندی خلقتاً ثمن ہیں، ان کو رہن رکھنے میں جہاں ایک پہلو رہن کا نکلتا ہے وہیں دوسرا پہلو قرض یا امانت کا بھی نکلتا ہے؛ اس لئے احتیاط یہی معلوم ہوتی ہے کہ صرف جس قدر روپیہ قرض لیا ہے اتنے ہی میں زکوٰۃ ساقط ہو اور اس سے زیادہ قیمت کو قرض یا امانت مان کر حسب دستور زکوٰۃ کے وجوب کا حکم دیا جائے، یہ احقر کی ناقص رائے ہے، اطمینان کے لئے دیگر مفتیان سے رجوع کیا جائے۔

عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه قال: زكوا زكاة أموالكم حولا إلى حول، وما كان من دين ثقة فزكه، وإن كان من دين مظنون فلا زكاة فيه، حتى يقبضه صاحبه. (المصنف لابن أبي شعبة، الزكاة / في زكاة الدين ٤/٤٨٥ رقم: ١٠٣٥١ السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٢٥٢ رقم: ٧٦٢٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ومن موانع الوجوب الرهن، وظاهره و لو كان الرهن أزيد من الدين.

(شامي ٣/١٨٠ زكريا)

ولا: أي لا يجب الزكاة في مرهون أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة، ولا على الراهن لعدم اليد. (الدرالمختار مع الرد المحتار، كتاب الزكاة ٣/١٨٠ زكريا،

٢٦٣/٢ كراچی، البحر الرائق ٣٥٥/٢ رشيدية، ٢٠٣/٢ كوئٹه)

وكذا لو رهنها بألف وله مائة ألف فحال الحول على الرهن في يد المرتهن يزكى الراهن مع عنده من المال إلا ألف الدين. (شامي ١٨٠/٣ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس سونے کی انگوٹھی میں ہیرا جڑا ہوا ہو اس پر زکوٰۃ؟

سوال (۱۶) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس سونے کی انگوٹھی ہے، جس میں ہیرا بھی لگا ہوا ہے، اب زکوٰۃ نکالنے کے لئے جب وہ سب چاندی سونے کو وزن کر کے قیمت لگا کر زکوٰۃ دے گا تو کیا ہیرے کی قیمت بھی شامل کرے، مثلاً انگوٹھی میں سونا دو ہزار روپیہ کا ہے اور ہیرا ۶/ ہزار روپیہ کا ہے، تو زکوٰۃ صرف دو ہزار روپیہ کی دے یا آٹھ ہزار کی ادا کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی قیمت جوڑتے وقت ہیرے کی قیمت شامل نہ ہوگی؛ بلکہ صرف سونے یا چاندی کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه قال: ليس في حجر زكاة إلا ما كان لتجارة من جوهر ولا ياقوت ولا لؤلؤ ولا غيره إلا الذهب والفضة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٤٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن الحكم عن علي قال: ليس في جوهر زكاة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٤٦/٤ رقم: ٥٩١ دار الكتب العلمية بيروت)

لا زكوٰة في اللاٰلي والجواهر إلا أن يكون للتجارة. (درمختار مع الشامي ١٩٤/٣ زكريا)

أما المائع كالقير والنفط والملح وما ليس بمنطبع ولا مائع كالنورة والجرص والجواهر واليواقيت فلا شيء فيها، كذا في التهذيب. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۰/۱-۱۸۵، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ٤/١ ٦١، ايضاح النوادر ۳۹)

لا زكاة في الجواهر واللآلي إلا أن يتملكها بنية التجارة. (مراقي الفلاح ۳۹۱ کراچی)

عن عكرمة قال: ليس في حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرد زكاة إلا أن يكون لتجارة، فإن كان لتجارة ففيها زكاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۷۳/۳ رقم: ٤٠٣١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس زیور میں ۴۰/ فیصد چاندی اور باقی کھوٹ ہے اس پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم میں سے بعض کے پاس ایسی چاندی ہے جس میں چالیس فیصد چاندی باقی کھوٹ ہے، تو کیا ہمارے زیور پر زکوۃ نہیں ہوگی؟ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں، ’’سب حضرات ندائے شاہی پڑھنے والے ہیں، شاہی کے فتوی پر ہی اطمینان کریں گے، تفصیل سے تحریر فرمائیں‘‘۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا زیور جس میں کھوٹ غالب ہوا سے عام سامان کے درجہ میں رکھا جائے گا، اور اس کی بازاری قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی، نیز اگر اس کے ساتھ سونے، چاندی کے مزید زیورات ہوں یا روپیہ، پیسہ موجود ہو تو سب کو ملا کر نصاب بنایا جائے گا، اگر سب کی مجموعی قیمت ادنی سے ادنی نصاب کو پہونچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

بخلاف ما إذا كان الغش غالباً فإن نواها للتجارة اعتبرت قيمتها وإن لم ينوها، فإن كانت بحيث يتخلص منها فضة تبلغ نصابا وحدها، أو لا تبلغ لكن

عنده ما يضمه إليها فيبلغ نصابا وجب فيها؛ لأن عين النقدين لا يشترط فيهما نية التجارة ولا القيمة وإن لم يخلص فلا شيء عليه؛ لأن الفضة هلكت فيه إذ لم ينتفع بها لا حالا ولا مآلا، فبقي العبرة للغش وهي عروض يشترط في الوجوب فيها نية التجارة. (فتح القدير / باب زكاة الأعمال ۲/ ۱۱۳ دار الفكر بيروت)

الدراهم إذا كانت مغشوشة، فإن كان الغالب هو الفضة، فهى كالدراهم الخالصة، أى فتجب فى كل مأتى درهم خمسة دراهم …… وإن غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة، فينظر إن كانت رائجةً أو نوى التجارة، اعتبرت قيمتها فإن بلغت نصابا من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة وهي التي غلبت فضتها وجبت فيها الزكاة وإلا فلا. (الفتاوى الهندية، الزكاة / الفصل الأول فى زكاة الذهب والفضة ۱/ ۱۷۹، الدرالمختار مع الرد المحتار الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ۳۰۰ کراچی، بدائع الصنائع، الزكاة / فصل فى بيان صفة النصاب ۲/ ۴۰۸ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

استعمالی جواہرات پر زکوٰۃ؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پہننے کے زیورات وجواہرات جیسے سچے موتی یا سیپی یا قیمتی پتھر وغیرہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو شوہر ادا کرے یا بیوی؟ اگر شوہر کے پاس نقد رقم یا بیوی کے پاس نقد رقم نہیں ہے تو اس صورت میں کس چیز سے زکوٰۃ ادا کرے؟ جب کہ زیورات کی مالک بیوی ہوتی ہے، اور بیوی کا کام تجارت نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ ہے، جواہرات اور موتیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں، الا یہ کہ اس کی تجارت کرتا ہو، پھر یہ سونا چاندی جس کی

ملکیت ہوگا اسی پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوگی، اگر روپئے نہ ہوں تو زیور بیچ کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ (ایضاح النوادر ۲/ ۳۹)

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه: ليس في حجر زكاة إلا ما كان لتجارة من جوهر ولا ياقوت ولا لؤلؤ ولا غيره إلا الذهب والفضة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ٢٤٦ رقم: ٧٥٩٢ دار الكتب العلمية بيروت، المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٣٧٤ رقم: ١٠٠٦٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عكرمة قال: ليس في حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرُّد زكاة إلا أن يكونا للتجارة، فإن كانا للتجارة ففيهما زكاة. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/ ٤٤٧، رقم: ١٠١٦٢، ٢/ ٣٧٤ رقم: ١٠٠٦٨ جديد دار الكتب العلمية بيروت، نصب الراية ٢/ ٢٩٧، إعلاء السنن ٩/ ٧١ رقم: ٢٤١١)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لا زكاة في اللؤلؤ. (التلخيص الحبير ١/ ١٨٤، بحواله: إعلاء السنن ٩/ ٧١ رقم: ٢٤١٢)

ولا شيء فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٥، تبيين الحقائق ٢/ ٢٣، المبسوط للسرخسي ٢/ ٣٧)

لا زكوٰة في اللاٰلي والجواهر إلا أن يكون للتجارة. (درمختار مع الشامي ٣/ ١٩٤ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٤/ ١٧٣ زكريا، ايضاح النوادر ٢/ ٣٩، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ١/ ٦١٤)

أما المائع كالقير والنفط والملح وما ليس بمنطبع ولا مائع كالنورة والجرص والجواهر واليواقيت فلا شيء فيها، كذا في التهذيب. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٠-١٨٥)

لا زكاة في الجواهر واللاٰلي إلا أن يتملكها بنية التجارة. (مراقي الفلاح ٣٩١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۴ھ

استعمالی اور تجارتی ہیرے جواہرات اور سونا چاندی کے درمیان وجوب زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۱۹) :-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوۃ کے تعلق سے احکام قرآنِ کریم میں متعدد جگہوں پہ نماز کے قائم کرنے کے حکم کے ساتھ ہی زکوۃ کے ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالی کا فرمان ''**خذ من أموالهم صدقة**'' (توبۃ/۹، آیت:۲۰۳)''ان کے اموال میں سے الصدقہ یعنی زکوۃ حاصل کرو'' کا حکم دیا گیا ہے۔اور متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ''**الصدقة**'' ہم معنی زکوٰۃ کے ہے،اموال کا مطلب ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔کتنی کیسی کی شرح ہمیں متعدد احادیث میں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کسی چیز کی قوت خرید کا اندازہ لگانا مشکل تھا،کمی وبیشی وضرورت کے لحاظ سے چیزوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔اب جب کہ ہر چیز کی قوت خرید معلوم کرنے کے لئے ایک کرنسی کا نظام موجود ہے،اس طرح ہم آسانی کے ساتھ مختلف اموال کی قوت خرید اس کرنسی کے ذریعہ معلوم کرکے اس کے مطابق،حدیث میں وارد ڈھائی فیصد کے حساب سے ادا کرسکتے ہیں۔

بعض فقہاء صرف سونے اور چاندی پر زکوۃ کا اطلاق کرتے ہیں اس کے علاوہ دوسری دھاتیں، ہیرے جواہرات چاہے اور کتنی ہی قیمتی ہوں نیز مکانوں پر بھی ادائی زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں،ایک عالم صاحب تو نوٹوں پر بھی زکوۃ ادا نہ کرنے کی ہدایت کے ساتھ چل بسے۔

کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی جب لوگ مرتد ہونے لگے اور نبوت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہوئے تو اس وقت صحابہ کی ایک بڑی جماعت شاید حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہونچے کہ دو چار وقتوں کی نماز بڑھا لیں،مگر ادائی زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دیں۔حضرت ابوبکر صدیق کے قول وعمل سے ہم سب واقف ہیں۔سورۃ ویل لکل همزة کافی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے اندر واجب مقدار کی کوئی قیمت ادا کردے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اس میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

فإن أدی القیمة وقعت عن القدر المستحق. (شامی ۲۲۷/۳ زکریا)

اور جہاں تک مکانات اور ہیرے جواہرات کی زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اگر وہ تجارت کی غرض سے کسی کے پاس ہیں تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر بغرض تجارت نہیں؛ بلکہ اپنے استعمال کے لئے ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے زکوٰۃ وصول نہیں کی ہے؛ اس لئے فقہاء نے بھی اس میں عدم وجوب کا قول نقل کیا ہے، رہا سونا چاندی یعنی نقود اس میں استعمالی اور تجارتی دونوں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ وصول فرمانے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق کیا تو فقہاء نے بھی فرق کو واضح کیا، اس میں کیا اشکال کی بات ہے؟ اس سلسلہ میں آپ نے سوال میں جو طنزیہ انداز اپنایا ہے وہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔

لأنه قد کان یخرج علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وخلفاء فلم یأت فیه سنة ولا عن أحد من خلفائه من وجه یصح؛ ولأن الأصل عدم الوجوب فیه. (إعلاء السنن ۷۲/۹)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لا زکاة في حجر، أخرجه ابن عدي في الکامل. (الکامل ۲۲/۵، نصب الرایة ۳۹٦/۲، بحواله: إعلاء السنن ۷۱/۹ رقم: ۲٤۱۳)

عن عکرمة قال: لیس في حجر اللؤلؤ ولا حجر الزمرُّد زکاة إلا أن یکونا للتجارة، فإن کانا للتجارة ففیهما زکاة. (المصنف لابن أبي شیبة ٤٤۷/٦ رقم: ۱۰۱٦۲، ۳۷٤/۲ رقم: ۱۰۰٦۸ دار الکتب العلمیة بیروت، نصب الرایة ۲۹۷/۲، إعلاء السنن ۷۱/۹ رقم: ۲٤۱۱)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لا زکاة في اللؤلؤ. (التلخیص الحبیر ۱۸٤/۱، بحواله إعلاء السنن ۷۱/۹ رقم: ۲٤۱۲)

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه قال: ليس في الخرز واللؤلؤ زكاة إلا أن يكونا لتجارة. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤٤٦ رقم: ١٠١٦٣، ١٠١٦٥، ٢/٣٧٤ رقم: ١٠٠٦٨ جديد، دار الكتب العلمية بيروت)

عن عطاء والزهري ومكحول قالوا: ليس في الجوهر شيء إلا أن يشتري لتجارة. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤٤٨ رقم: ١٠١٦٩)

عن ابن جريج قال: قال لي عطاء: لا صدقة في اللؤلؤ ولا زبرجد ولا ياقوت ولا فصوص ولا عرض ولا شيء لا يدار، وإن كان شيء من ذلک يدار، ففيه الصدقة في ثمنه حين يباع. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤٤٨ رقم: ١٠١٧٠، ٢/٣٧٥ رقم: ١٠٠٧٥ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أسامة قال: سألت القاسم عن اللؤلؤ هل فيه زكاة أم لا؟ فقال: ما كان منه يلبس كالحلي ليس لتجارة فلا زكاة فيه، وما كان من ذٰلک للتجارة ففيه الزكاة. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤٤٨ رقم: ١٠١٧١، ٢/٣٧٥ رقم: ١٠٠٧٦ دار الكتب العلمية بيروت)

قال تعالىٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [التوبة: ٣٤]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤد منها حقها إلا إذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح من نار فأحمى عليها في نار جهنم فيكوى بها جنبه وجبينه وظهره كلما ردت أعيدت له في يوم كان مقداره خمسين ألف سنة حتى يقضى بين (وفي رواية: حتى يحكم اللّٰه بين) العباد، فيرى سبيله إما إلى الجنة وإما إلى النار الخ. (صحيح مسلم ١/٣١٨ رقم: ٩٨٧، مشكوة المصابيح ١/١٥٥ رقم: ١٧٧، مرقاة المفاتيح ٤/٢٢٥ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن امرأة من أهل اليمن أتت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وبنت لها، وفي يد ابنتها مسكتان

غليظتان من ذهب فقال: أتؤدين زكاة هذا؟ قالت: لا، قال: أيسرك أن يسورك الله عز وجل بهما يوم القيامة سوارين من نار، قال: فخلعتهما فألقتهما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: هما لله ولرسوله صلى الله عليه وسلم. (سنن النسائي ٢٦٦/١ رقم: ٢٤٧٥ دار الفكربيروت)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن امرأتين أتتا رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفي أيديهما سواران من ذهب، فقال لهما: أتؤديان زكاته؟ قالتا: لا، فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتحبان أن يسوركما الله بسوارين من نار، قالتا: لا، قال: فأديا زكاته. (سنن ترمذی ١٣٨/١ رقم: ٦٣٧، مشكوة المصابيح ١٦٠/١)

عن أبي ذر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: في الإبل صدقتها، وفي الغنم صدقتها، وفي البقر صدقتها، وفي البر صدقته، و من دفع دنانير أو دراهم، أو تبرا وفضة لايعدها لغريم ولا ينفقها في سبيل الله، فهو كنز يكوى به يوم القيامة. (المستدرك للحاكم ٥٤٥/١، وفي النسخة القديمة ٣٨٨/١ رقم: ١٤٣١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا استعمالی زیورات پر ہر سال زکوٰۃ نکالنا واجب ہے؟

سوال (۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شادی بیاہ اور تہواروں کے موقع پر جو زیورات پہنے جاتے ہیں، جن پر ایک بار زکوۃ نکالی جا چکی، ان زیوروں پر بعد کے سالوں میں زکوٰۃ نکالنا چاہئے یا نہیں؟ زیورات کا وزن پہلے جیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ زیورات پر ہر سال زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، محض ایک سال زکوٰۃ نکالنا کافی نہیں ہے۔

وشـرطـه أي شـرط افتـراض أدائهـا حولان الحول، وهو في ملكه وثمنية المـال كـالـدراهـم والدنانير لتعينها للتجارة بأصل الخلقة، فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما، ولو للنفقة. (درمختار / مطلب في زكاة ثمن المبيع ۱۷۳/۳ دار إحياء التراث العربي، ۱۸۵-۱۸٦/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لڑکیوں کے زیور کی زکوۃ کس پر؟

سوال (۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مبین کی چار لڑکیاں ہیں اور ان میں سے دو بالغ ہیں، اور دو نابالغ ہیں، مبین نے چاروں لڑکیوں کے واسطے ان کے نام سے سات سات تولہ سونے کے زیورات بنواکر رکھ لئے ہیں۔ اور یہ شخص اپنی چاروں لڑکیوں کو ان کے زیور کا مالکانہ حق دے چکا ہے اور یہ لڑکیاں اس زیور کو استعمال کر رہی ہیں، تو اس صورت میں یہ شخص ان لڑکیوں کے زیورات کی زکوۃ دے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ چاندی یا روپئے نہ ہوں۔ اور مسئولہ صورت میں جب کہ آپ نے سات سات تولہ ہر لڑکی کو زیورات بنا کر دے دئے ہیں اور ان کو مالکانہ حق بھی مل چکا ہے، تو اگر ان لڑکیوں کے پاس اس سونے کے علاوہ چاندی کا کوئی زیور نہیں ہے، اور نہ ان کے پاس روپئے جمع ہیں، تو نصاب کامل نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو لڑکیوں پر زکوۃ واجب ہے اور نہ باپ پر۔ اور اگر ان زیورات کے ساتھ چاندی یا روپیہ بھی ہے تو پھر چاندی کے نصاب کے حساب سے بالغ لڑکیوں پر زکوۃ واجب ہوگی، نابالغ پر نہیں۔

عـن عـلـي رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا كانت لک

مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً. (سنن أبي داؤد، الزكاة / باب في زكاة السائمة ١/ ٢٢١)

فأما إذا كان له ذهب مفرد فلا شيء فيه حتى يبلغ عشرين مثقالا.

(بدائع الصنائع ٢/ ١٠٥ زكريا)

ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم، كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل. (الدرالمختار، الزكاة / باب زكاة المال ٢/ ٢٩٥ كراچی، ٣/ ٢٢٤ زكريا، النهر الفائق، الزكاة / باب زكاة المال ٢/ ٤٣٦)

ومنها البلوغ عندنا فلاتجب على الصبي. (بدائع الصنائع ٢/ ٧٩ زكريا، مرقاة المفاتيح ٤/ ١٣٥)

تجب في كل مأتي درهم خمسة دراهم. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٧٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۴ھ

بیوی کے زیور کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

سوال (۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنے لڑکے کو اپنے ساتھ رکھتا ہوں؛ لیکن ان کی کمائی میں نہیں لیتا، میری ہدایت ہے کہ تم اپنی کمائی اپنے ہی پاس رکھو، اُن کی شادی میں ان کی بیوی کو سونا ملا ہے، ایسی صورت میں جو زکوٰۃ واجب ہوگی وہ کون ادا کرے گا؟ میں کروں گا یا لڑکا یا ان کی بیوی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں زیور کی زکوٰۃ لڑکے کی بیوی پر واجب ہوگی، اس لئے کہ وہی اس کی اصل مالک ہے، باقی اگر آپ یا آپ کا لڑکا اپنی رضامندی سے اور بیوی کی اجازت سے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردیں تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

رجل أمر رجلاً بأن يؤدي عنه الزكاة من مال نفسه فأدى المامور فإنه لا

يرجع إلى الآمر مالم يشترط الرجوع. (كذا في فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ الهندية / فصل في أداء الزكاة ١/٢٦٢)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول لقوله تعالى: وآتو الزكاة، ولقوله صلى الله عليه وسلم: أدوا زكاة أموالكم، وعليه إجماع الأمة، والمراد بالواجب الفرض. (هداية ١/١٨٥)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/۱۰/۱۴۱۳ھ

لڑکیوں کے لئے بنا کر رکھے گئے زیورات کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

سوال (۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی چار بیٹیاں ہیں اوران چاروں لڑکیوں کی شادی کے لئے زید ابھی سے سونے کے زیورات بنوا کر رکھنا چاہتا ہے، تاکہ شادی کے وقت وہ زیورات لڑکیوں کو دے سکے، اور دوسرے اخراجات کیلئے آسانی ہوجائے، اس صورت میں زید اپنی ہرلڑکی کے لئے کتنے سونے کے زیورات بنوا سکتا ہے، اب لڑکیوں کے زیورات کی وجہ سے زید پر اس زیور کی زکوۃ واجب ہے یانہیں؟ اگرچہ زید کی چاروں لڑکیاں بالغ ہیں اور وہ لڑکیوں کے اس زیور سے اپنے لئے تصرف کی نیت بھی نہیں رکھتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اپنی بیٹیوں کے لئے جتنا چاہے زیورات بنواسکتا ہے، اب اس کی زکوۃ کون ادا کرے؟ تو اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر زید ابھی سے اپنی لڑکیوں کو ان کا مالک بنا کر ان کے قبضے میں دیدے اورلڑکیاں بالغ ہوں اور زیورات ہر ایک کے حصے میں نصاب تک پہنچتے ہوں (صرف سونے یا چاندی کا نصاب یا دونوں سے مل کر

چاندی کی قیمت کا نصاب) تو ایسی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی ہر لڑکی پر فرض ہوگی ۔ اور اگر زید نے اپنی لڑکیوں کو ابھی مالک نہیں بنایا؛ بلکہ شادی کے وقت مالک بنانے کا ارادہ ہے، تو ایسی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی زید ہی پر فرض رہے گی ۔

وتصح بالایجاب والقبول والقبض ...... والقبض لابد منه لثبوت الملک. (هداية / الهبة ۳/ ۲۶۷ إدارة المعارف)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول لقوله تعالى: ﴿وَآتُو الزَّكَاةَ﴾ ولقوله صلى الله عليه وسلم: أدوا زكاة أموالكم، وعليه إجماع الأمة، والمراد بالواجب الفرض. (هداية ۱/ ۱۸۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۴ھ

کیا بیوی کے زیور کی زکوٰۃ شوہر یا سسرالی رشتہ دار ادا کر سکتے ہیں؟

سوال (۲۴) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری شادی کو چار سال ہوئے ہیں، شادی پر ماں کے گھر سے اور میری سسرال سے کچھ زیور ملا تھا، دونوں کی مالیت کے حساب سے میرے اوپر زکوٰۃ فرض تھی؛ لیکن جب بھی میں نے اپنے شوہر سے کہا تو انہوں نے کہا کہ ابو مشترک سب کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں؛ لیکن میں کسی طرح بھی مطمئن نہیں ہوں؛ اس لئے میں اپنے ذاتی خرچ سے کچھ زکوٰۃ کی نیت سے ہر ماہ نکالتی ہوں؛ لیکن وہ مجموعی رقم ایک تہائی سے بھی کم ہے، اور مجھ کو ماہانہ خرچ اتنا نہیں ملتا کہ میں پوری زکوٰۃ نکال سکوں، کاروبار یا کرایہ کی آمدنی جو بھی ہے مشترک ہے، ایسی صورت میں مجھے یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ آئندہ کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کروں؟ اور اگر گذشتہ سالوں کی زکوۃ بقایہ ہے تو اس کو کیسے ادا کیا جائے، تاکہ میں فرض ادا نہ کرنے کے گناہ سے بچ سکوں، نیز واضح رہے کہ سسرال کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ابو (سسر) یا کسی بھائی سے تفصیل حساب کی مانگی جا سکے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوزیور آپ کی ملک میں ہے اس کی زکوٰۃ بھی اصلاً آپ ہی پر فرض ہے، اگر شوہر یا سسرال والے اسے ادا کریں تو یہ ان کی طرف سے تبرع اور احسان ہے؛ اس لئے آپ کو اہتمام کے ساتھ حساب لگا کر اپنی زکوٰۃ خود نکالنی چاہئے، اگر نقد رقم پاس نہ ہو تو زکوٰۃ کی مقدار کے بقدر زیور بیچ کر یا خود زیور ہی کسی مستحق کو دیدیں، تاکہ آپ کے ذمہ سے زکوٰۃ کا فرض ادا ہو جائے۔

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول لقوله تعالى: ﴿وَآتُو الزَّكَاةَ﴾ ولقوله صلى الله عليه وسلم: أدوا زكاة أموالكم، وعليه إجماع الأمة، والمراد بالواجب الفرض. (هداية ١٨٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کے زیور کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بیوی میکے سے دیا ہوا شادی کے موقع پر زیور تقریباً چار سال سے میکے رکھ آئی ہو اور رہتی کھاتی شوہر کے ساتھ ہو تو کیا شوہر اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا میکے والے یا بیوی خود؟

شادی یا خوشی کے موقع پر کسی دوسرے سے مانگ کر پہن کر جاتی ہیں، میرے کہنے پر اپنا زیور میکے سے نہیں لے کر آتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً بیوی کے زیور کی زکوٰۃ ادا کرنا بیوی پر ہی واجب ہے، شوہر کے ذمہ ادائیگی لازم نہیں ہے، اگر شوہر بیوی کے مملوکہ زیور کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو وہ گنہ گار نہ ہوگا؛ بلکہ بیوی ہی عدم ادائیگی کی ذمہ دار ہوگی، اس لئے مسئولہ صورت میں شوہر پر زکوٰۃ کی کوئی

ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

عن سليم بن عامر قال سمعت أبا أمامة يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب فى حجة الوداع فقال: اتقوا ربكم، و أدوا زكاة أموالكم تدخلوا جنة ربكم. (سنن الترمذي / باب ما ذكر في فضل الصلاة رقم: ٦١٦، التعليقات على الهداية ٣/٢ مكتبه البشریٰ کراچی)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول لقوله تعالى: ﴿وَآتُو الزَّكَاةَ﴾ ولقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: أدوا زكاة أموالكم، وعليه إجماع الأمة، والمراد بالواجب الفرض. (هداية ١٨٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۳/۱۰/۱۴۱۳ھ

کیا شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کے زیورات بچوں کی ملک ہوجاتے ہیں؟

سوال (۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے شوہر کا تین سال پہلے انتقال ہوچکا ہے، چار بچے ہیں، شوہر نے آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں چھوڑا ہے، میرے گھر کا خرچ میرے باپ بھائی چلاتے ہیں؛ لیکن میں صاحب نصاب ہوں، جو زیور میرے پاس ہیں اور میرے میکے سے بھی ملے ہوئے ہیں، اور شوہر کی جانب سے بھی، برائے مہربانی مجھ کو آگاہ کریں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ شوہر کے انتقال کے بعد بھی برابر زکوٰۃ ادا کررہی ہوں، کسی نے بتایا ہے کہ جو کچھ اب میرے پاس ہے وہ میرے بچوں کا ہے میرا کچھ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنے زیور کی خود مالک ہیں، اس کی زکوٰۃ نکالنا

آپ پر لازم ہے، اس زیور میں آپ کی زندگی میں آپ کے بچوں کا حق نہیں ہے، جس شخص نے بچوں کی ملکیت کا مسئلہ بتایا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

قلت و سألت عن المرأة هل تصير غنية بالجهاد الذى تزف به إلى بيت زوجها؟ والذي يظهر فما مر أن ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن و أوانى الاستعمال مما لابد لأمثالها منه فهو من الحاجة الأصلية، وما زاد على ذٰلک فى الحلى والأوانى والأمتعة التى يقصد بها الزينة إذا بلغ نصابا تصير به غنية. (الرد المحتار للعلامة ابن عابدين الشامي / باب مصرف الزكاة والعشر، مطلب: فى جهاز المرأة هل تصير به غنية ٣٤٨/٢ دار الفكر بيروت)

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه. (درمختار ٢٥٩/٢ كراچی، ١٧٥/٣ زكريا، الدر المنتقى ١٩٣/١)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملک نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول لقوله تعالى: ﴿وَآتُو الزَّكَاةَ﴾ ولقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: أدوا زكاة أموالكم، وعليه إجماع الأمة، والمراد بالواجب الفرض. (هداية ١٨٥/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۲۱ھ

شوہر اور ماں باپ کی جانب سے ملے ہوئے زیورات کی مالک بیوی ہے یا شوہر؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی کی بیوی کے پاس پچھتر ہزار روپیہ کے زیورات ہیں، جن میں سے تقریباً بیس ہزار روپیہ کے زیورات ان کے والدین کی طرف سے ہیں، اور شوہر اپنی بیوی کو اخراجات کے لئے جو روپیہ

دیتا تھا، بیوی نے اس میں سے بچت کرکے پندرہ ہزار روپیہ کے زیورات بنالئے ہیں، اور چالیس ہزار روپیہ کے زیورات اس کے شوہر نے بنا کر دئے ہیں، اب اس صورت میں زیورات بیوی کی ملکیت سمجھی جائے گی یا شوہر کی، اگر بیوی کی ملکیت ہے تو وہ ان زیورات کی زکوٰۃ کن روپیوں سے نکالے گی؛ کیوں کہ بیوی کے پاس آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ الگ سے نہیں ہے، جس سے ان کی بیوی زکوٰۃ نکال سکے، اور اگر یہ زیورات شوہر کی ملکیت ہے تو شوہر کے ذمہ فی الوقت ۹۲/ ہزار روپیہ قرض ہے تو کیا اس صورت میں شوہر پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں شوہر و ماں باپ کی جانب سے دئے گئے زیورات کی شرعاً مالک عورت ہے؛ لہٰذا ان تمام زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا عورت کے ذمہ لازم ہے، خواہ وہ اپنے زیورات بیچ کر ادا کرے، شوہر اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ (امدادالاحکام ۲۰/۳)

واللازم مبتدأ في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا. (درمختار ۲۲۷/۳ زکریا)

وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي نسبة للحول لحولانه عليه. (درمختار ۲۵۹/۲ کراچی، ۱۷۵/۳ زکریا، الدر المنتقی ۱۹۳/۱)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول لقوله تعالى: ﴿وَآتُو الزَّكَاةَ﴾ ولقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: أدوا زكاة أموالكم، وعليه إجماع الأمة، والمراد بالواجب الفرض. (هداية ۱۸۵/۱)

وفي تبر الذهب والفضة وحليهما وأوانيهما الزكاة. (هداية ۱۹۵/۱، فتاویٰ دارالعلوم ۱۱۱/٦ - ۱۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے پاس ۲۵؍ہزار روپئے کی مالیت ہو اس پر زکوٰۃ؟

سوال (۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسا شخص جس کے پاس ۲۵؍ہزار روپئے کی مالیت نہیں ہے اور وہ کرائے کے مکان میں رہتا ہے؛ لیکن اگر وہ مکان خالی کرے تو اس کی ۲۵؍ہزار روپئے کی مالیت ہوسکتی ہے، تو کیا ایسے شخص پر زکوٰۃ دینا واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں، تو فی الحال اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وسببه ملک نصاب حولي نسبة للحول. (كذا في تنوير الأبصار على الدر المختار ۲۵۹/۲ کراچی، درمختار ۱۷۵/۳ زکریا)

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولی تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد، وعن حاجته الأصلية. (درمختار، كتاب الزكاة ۱۷۴/۳ زكريا، ۲۵۹/۲ کراچی، البحر الرائق ۲۰۲/۲، النهر الفائق ۴۱۲/۱، تبيين الحقائق ۱۶/۲ بيروت)

قال حسن بن عمار بن علي: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي. (مراقی الفلاح، كتاب الزكاة / ۷۱۴، البحر الرائق، كتاب الزكاة ۳۵۶/۲)

الزكاة إنما تجب إذا ملک نصابا تاماً نامياً حولاً كاملاً. (خلاصة الفتاوى، كتاب الزكاة ۲۳۵/۱ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۹ھ

ادائے زکوٰۃ کی متعینہ تاریخ کے بعد بقایاجات میں سرکاری

اضافہ کا حکم؟

سوال (۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ سال حکومت نے سرکاری ملازمین کی تنخواہ اور پنشن میں اضافہ منظور کیا، اور اضافہ شدہ تنخواہ اور پنشن دینی شروع کردی، بقایاجات کی کل رقم کا چالیس فیصد حصہ بھی ادا کردیا تھا، باقی ساٹھ فیصد آئندہ سال دینے کا اعلان کردیا تھا، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ ساٹھ فیصد بقایاجات کی رقم جو عمر کو اس سال ملنے والی ہے، کیا اس کی بھی زکوۃ ادا کرنی چاہئے؟ عمر ہر سال ۱۵؍ رمضان المبارک کو زکوۃ کا حساب لگاتا ہے اور اسے یہ رقم ۶؍ شوال المکرّم کو وصول ہوئی ہے۔

نوٹ:- یہ بھی حقیقت ہے کہ سرکار نے یونیورسٹی کے سرکاری ملازمین کو یہ ساٹھ فیصد رقم ابھی ۶؍ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ تک ادا نہیں کی ہے۔ سننے میں آرہا ہے کہ فی الحال اس کا صرف تین چوتھائی حصہ ملے گا اور باقی بعد میں دیا جائے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بقایاجات میں اضافہ دراصل سرکاری تبرع ہے، جس پر قبضہ کے بعد ہی ملکیت آتی ہے اور یہ رقم چونکہ آپ کو زکوۃ کے متعینہ وقت پندرہ رمضان المبارک کے بعد ملی ہے؛ اس لئے اس رقم پر اس سال کی زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

لأن الملک من شرائط الوجوب. (بدائع الصنائع ۲/ ۸۲ زکریا)

لاتجب ما لم یقبض نصاباً ویحول الحول بعد قبضه علیه. (البحرالرائق ۲/ ۲۰۸، وکذا في الدر المختار، الزکاة / باب زکاة المال ۲/ ۳۰۵ کراچی، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۷۵)

ولابد من ملک مقدار النصاب. (هدایة ۱/ ۱۸۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حوائج ضروریہ کا مصداق کیا ہے؟

سوال (۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حوائج ضروریہ سے زائد مال پر زکوۃ ہوتی ہے، اس میں کتنی مدت کی ضروریات ہونی چاہئے؟ یعنی کتنی مدت تک کی حوائج اصلیہ سے زائد رقم ہونی چاہئے، ایک ماہ، دو ماہ، یا ایک سال؟ اور کیا رقم کی کوئی مقدار متعین ہے؟ مثلاً ایک آدمی کے پاس بیس ہزار روپئے زائد لیکن وہ صرف ایک ماہ کا خرچ ہے، اس کی مدت کی کوئی تعیین ہے یا نہیں؟ یا پھر اپنے خرچ کے اعتبار سے الگ الگ مقدار ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ کے معاملہ میں حوائج ضروریہ کا مصداق روپیہ پیسہ نہیں؛ بلکہ استعمالی چیزیں ہیں، مثلاً کپڑے مکان وغیرہ، اور روپیہ پیسہ خواہ ضرورت کے بقدر ہو یا ضرورت سے زائد ہو سب میں بلا کسی فرق کے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

فاضلا عن مسكنه وخادمه وفرسه وسلاحه وثيابه وأثاثه ونفقة عياله وخدمه وكسوتهم وقضاء ديونه. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۹۷ زکریا)

إن الزكوة تجب في النقد كيف ما أمسكه للنماء أو للنفقة. (شامی ۳/ ۱۷۹۱ زکریا)

وسبب افتراضها ملک نصاب حولی – إلى قوله – فارغ عن حاجته الأصلية؛ لأن المشغول بها كالمعدوم، وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كثيابه كالنفقة ودور السكنىٰ وآلات الحرب والثياب والمحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين وآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لأهلها، فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة. (در مختار مع الشامي ۳/ ۱۷۴-۱۷۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸؍۱۱؍۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مال نامی اور غیر نامی میں ضرورتِ اصلیہ کا مطلب؟

سوال (۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرات فقہاء کرام نے وجوب زکوٰۃ کے بارے میں جو ضروریاتِ اصلیہ سے زائد مال کی مقدار پر نصاب کو پہنچ جائے زکوٰۃ کے واجب ہونے کی صراحت فرمائی ہے خواہ ضرورتِ اصلیہ سے زائد رقم کم از کم ہی کیوں نہ ہو؟ مثلاً حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ کے فتاویٰ عثمانی ۲؍۵۸ میں ہے نقد رقم پر زکوٰۃ کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نقد روپیہ ضرورت اصلیہ سے زائد موجود ہو اور اس پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، دوسری جگہ ۲؍۴۹ میں ہے دو تولہ سونے کے علاوہ کچھ چاندی یا نقد رقم بھی آپ کے پاس موجود تھی خواہ وہ پانچ دس روپیہ ہی کیوں نہ ہو تو آپ پر زکوٰۃ نکالنی فرض ہے، پوری رقم کی زکوٰۃ نکال دیں اور دو تولہ سونے کے علاوہ کوئی نقد رقم موجود نہیں ہے تو مسئلہ دوبارہ پوچھ لیں، تیسری جگہ ۲؍۶۲ پر تحریر فرماتے ہیں کسی کے پاس دو تولہ سونا ہے جس کی قیمت ایک ہزار روپئے ہے اور اس کے سو روپئے نقد بھی ہیں تو اب اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ضرورتِ اصلیہ کا معیار کیا ہے؟ مذکورہ بالا کی وضاحت سے یہ ظاہر ہے کہ جس عورت کے پاس دو تولہ سونا ہو اور کچھ نقد رقم ہو مثلاً دس، پانچ روپئے تو اس عورت پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ کیونکہ عام طور پر کچھ نہ کچھ تو نقد رقم رہتی ہی ہے، تو کیا ضرورت اصلیہ کی جامع توضیح فرمادیں، اگر کتب فقہ کے عربی حوالے بھی نقل فرمادیں تو مزید احسان ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو اموال غیر نامی ہیں ان میں ضرورتِ اصلیہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے گزر بسر کے لیے ان کا استعمال ہو رہا ہو، جیسے رہائشی گھر، استعمالی کپڑے

اورسواریاں وغیرہ اوراموال نامیہ یعنی اثمان اوراموال تجارت میں ضرورت اصلیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال قرض کے لیے رکھا ہو، یا یوں کہئے کہ اس پر قرض نہ ہوپس اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی کے ساتھ جہاں روپیہ یا مال تجارت مل جائے گا وہاں صرف یہ دیکھیں گے کہ اس پر قرض تو نہیں، اگر قرض ہوگا تو اسے منہا کرلیں گے، گویا اس مال میں یہی ضرورت اصلیہ کہلائے گی اورقرض کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے گا اگر وہ دونوں مل کراقل نصاب یعنی چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو اس پرزکوۃ واجب ہوجائے گی، امید ہے کہ اس وضاحت سے آپ کو فتاویٰ عثمانی کے مندرجہ مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

فارغ عن حاجته الأصلية لأن المشغول بها كالمعدوم، وذٰلک حيث قال: وهي ما يدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقا كالنفقة، ودور السكنىٰ، وآلات الحرب، والثياب المحتاج إليها ...... أو تقديرا، كالدين فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب، وكآلات الحرفة، وأثاث المنزل، ودواب الركوب، وكتب العلم لأهلها ...... فإذا كان معه دراهم أمسكها بنية صرفها إلى حاجته الأصلية لا تجب الزكاة فيها إذا حال الحول وهی عنده، لكن اعترضه في البحر بقوله: ويخالفه ما في المعراج في فصل زكاة العروض: أن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو النفقة، وكذا في البدائع في بحث النماء التقديري، قلت: وأقره في النهر والشرنبلالية وشرح المقدسي ...... وكذا في التاتارخانية: نوى التجارة أو لا ...... (شامي ۱۷۸/۳–۱۷۹ زكريا)

وكذا في الهندية ...... وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال ...... وما يتجمله به من الأواني. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۲/۱، ومثله في الهداية، كتاب الزكاة ۸/۲ مكتبة البشرىٰ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۲۶/۳ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۱؍ہزار کی تنخواہ کا ٹیچر جس کے پاس ۵۸؍ ہزار روپیہ ہے، وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے

سوال (۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک سرکاری ٹیچر ہوں میری سروس ۸؍دسمبر ۲۰۰۶ء کو لگی تھی، اور اب ۸؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو ایک سال ہوگیا ہے، کیا میرے اوپر زکوۃ واجب ہوگئی؟ میری ماہانہ تنخواہ گیارہ ہزار روپیہ ہے، اب میرے پاس ۵۸۰۰۰ روپیہ جمع ہیں، میں کس حساب سے اور کس طرح سے زکوۃ نکالوں ہر مہینہ کے حساب سے یا سالانہ کے حساب سے زکوۃ نکالی جائیں گی؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو پہلی مرتبہ جس تاریخ کو تنخواہ ملی اور آپ صاحب نصاب بنے اگلے سال اسی قمری تاریخ کو آپ کے پاس جتنا مال موجود ہے ان سب پر ڈھائی فیصدی کے حساب سے زکوۃ کی ادائے گی فرض ہوگی، زکوۃ کی ادائے گی میں سالانہ حساب کا اعتبار ہوتا ہے، اور سال کا شمار قمری تاریخوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور درمیان میں رقم کی کمی بیشی سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ صرف وجوب زکوۃ کی تاریخ کے دن جو بیلنس ہو، اسی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اب اس اصول کے اعتبار سے آپ اپنی ملکیت جانچ لیں۔

وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي. (مراقی الفلاح ٧١٤)

وحولها أي الزكاة قمري لاشمسي. (شامی ٢٢٣/٣ زکریا)

وشرط كمال النصاب في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد، وفي الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما. (درمختار مع الشامي ٢٣٣/٣ زكريا)

كمال النصاب شرط وجوب الزكاة ...... لكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول، وفي آخره لا في خلاله، حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول، ثم

كـمـل فـي آخره تجب الزكاة، سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة، أو مال التجارة. (بدائع الصنائع ۹۹/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج کے نام پر نکالی گئی رقم پر زکوٰۃ؟

سوال (۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے حج کے لئے رقم الگ نکال کے رکھ دی، تو کیا سال گذرنے پر اس رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو بھی حکم ہو مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں یہ رقم اگر نصاب کو پہنچتی ہے تو سال گذرنے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

في المعراج في فصل زكاة العروض: إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسک للنماء أو للنفقة إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكى ذلک الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل. (شامی، الزکاۃ / مطلب: فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء ۲/ ۲٦۲ کراچی، ۳/ ۱۷۹ زکریا، مستفاد: احسن الفتاویٰ ٤/ ۲٦٤، فتاویٰ دارالعلوم ٦/ ٦٤، انوار مناسك ١٦٠، فتاوی محمودیہ ۹/ ۳۳۹ ڈابھیل، (شامی، الزکاۃ ۲/ ۲٦۲ کراچی، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۷۱۵، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ ۲/ ۳٦١ رشیدیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/٦/۲۳ھ

پیشگی زکوٰۃ نکالنا اور مال مستفاد کی زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ہر سال زکوٰۃ نکالتا ہے، درمیان سال ہی وہ سالِ گذشتہ کی زکوٰۃ ختم ہو جاتی ہے، اب کوئی ادارے والے آکر سوال کرتے ہیں، تو کیا ہم اس وقت دے کر آئندہ سال کی زکوٰۃ میں سے کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ۱۹۹۸ء کی زکوٰۃ ختم ہوگئی، اب درمیان سال میں ۵۰۰۰۰/ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ کی نیت سے دیا، اب ۱۹۹۹ء سال کی زکوٰۃ دو لاکھ روپیہ ہوتی ہے، تو اب اس میں سے پچاس ہزار اپنے لئے اٹھالیا، باقی ایک لاکھ پچاس ہزار زکوٰۃ نکال کر دے دیا، تو کیا اس طرح کرنا زید کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کی نیت سے پہلے اٹھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آئندہ سال کی زکوٰۃ پیشگی نکالنا جائز ہے؛ لیکن اگر مال بڑھ جائے تو مزید مال کی زکوٰۃ حساب لگا کر نکالنی ضروری ہوگی۔

ولو عجل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صح لوجود السبب. (الدر المختار مع الشامي ۲۲۰/۳ زكريا)

ويجوز تعجيل الزكاة قبل الحول إذا ملك نصابا عندنا، أخرج الترمذى عن على أن العباس سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فى تعجيل صدقته قبل أن تحل فرخص له فى ذلک. (الفتاوى التاتارخانية ۱۸۴/۳ رقم: ۴۰۶۴ زكريا، والحديث رواه الترمذي، الزكاة/ باب ماجاء فى تعجيل الزكاة ۱۴۶/۱ رقم: ۶۷۲)

عن عبد اللّٰه قال: ...... أن النبي صلى الله عليه وسلم تعجل من العباس صدقة عامين فى عام. (رواه الطبراني في المعجم الكبير ۷۲/۱۰ رقم: ۹۹۸۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

درمیان سال میں مستفاد ہونے والے مال پر زکوٰۃ؟

سوال (۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس پچاس ہزار روپیہ ایسا ہے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہے (یعنی سال گزر چکا ہے) نیز ایک زمین بھی فروخت کی ہے، اس کی قیمت جو اسے ملی ہے اس پر سال نہیں گزرا، سوال یہ ہے کہ کیا اس زمین کی قیمت والی رقم کو پرانی رقم کے ساتھ شامل مان کر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ میں نفس روپیہ پر نہیں؛ بلکہ نصاب پر حولان حول شرط ہے، مسئولہ صورت میں اگر وہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے تو درمیان سال میں مستفاد ہونے والا روپیہ سابقہ نصاب ہی سے ملایا جائے گا اور آخر سال میں کل مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

والمستفاد في وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الأصل. (كذا الدر المختار / باب زكاة الغنم ٢/٢٨٨ كراچى، الفتاوىٰ الهندية ١/١٧٥، البحر الرائق / فصل في الغنم ٢/٢٢٢ كوئٹه، مراقي الفلاح /٣٨٩، كذا في الهداية: الزكاة / فصل في الغنم ١/١٩٣، تبيين الحقائق، الزكاة / باب صدقة الغنم ٢/٦٢ بيروت)

ويضم مستفاد من جنس نصاب إلى النصاب فى حوله وحكمه : أى فى حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكاة أيضاً، فمن ملك مائتى درهم وحال الحول وقد حصلت في أثنائه أو في وسطه مأة درهم يضمها إليه ويزكى عن الكل. (مجمع الأنهر ١/٢٠٧، الزكاة / زكاة الذهب والفضة، بيروت)

عن الزهري أنه كان يقول: إذا استفاد الرجل مالا فأراد أن ينفقه قبل مجيئ شهر زكاته فليزكه ثم لينفقه و إن كان لا يريد أن ينفق فليزكه مع ماله.

(المصنف لابن أبی شیبة ۳۸۷/۲ رقم: ۱۰۲۲۷)

ثم انما یضم المستفاد عندنا إلی أصل المال إذاکان الأصل نصابا. (بدائع الصنائع ۹۷/۲، الزکاة / ما یستفاد بعد الحول زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۲۲ھ

مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ؟

سوال (۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس مکان کی آمدنی جوکرایہ کی شکل میں آتی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان کی آمدنی جو کہ کرایہ کی شکل میں آتی ہے، اس کو دیگر ذرائع آمدنی میں شامل کرلیا جائے گا، اور اگر وہ سب مال زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ۱۳۳/۶)

وقیمة العرض للتجارة تضم إلی الثمنین؛ لأن الکل للتجارة وضعا وجعلا. (الدر المختار علی هامش رد المحتار / باب زکاة المال ۲۳۴/۳ زکریا)

ولا زکاة فی ثیاب البدن ...... وأثاث المنزل ودور السکنیٰ ونحوها وکذا الکتب (در مختار) قوله ونحوها: أی کثیاب البدن الغیر المحتاج إلیها وکالحوانیت والعقارات. (در مختار مع الرد المحتار ۱۸۲/۳ زکریا، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۳۳/۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱۱/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاڑی کی قیمت پر نہیں؛ بلکہ آمدنی پر زکوٰۃ ہے

سوال (۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک چھوٹی گاڑی خریدی، اس گاڑی کی قیمت کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا اس سے ہونے والی آمدنی کی اور کس حساب سے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس گاڑی کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں؛ بلکہ اس سے جو آمدنی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یعنی اگر وہ آمدنی نصاب کو پہنچتی ہو اور اس پر ایک سال گذر گیا ہو تو اس کا چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا۔

وکذلک اٰلات المحترفین (درمختار) وفي الشامیة: وقواریر العطارین ولحم الخیل والحمیر المشتراۃ للتجارۃ ومقاودها وجلالها إن کان من غرض المشتري بیعها بها ففیها الزکوٰۃ وإلا فلا. (درمختار مع الشامي ٢٦٥ کراچی، ۱۸۳/۳ زکریا)

وفي تقریرات الرافعي: وکذا إذا کان غرضه بیعها استقلالاً؛ لأنها حینئذ عروض تجارۃ (وقوله: وإلا لا) أي بأن کانت لحفظ الدواب. (تقریرات الرافعي ۱۲۸/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۱۱ھ

تجارتی مال سپلائی کے بل اور قسطوں پر آنے والی رقم کی زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

سوال (۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک تاجر ہوں پورے شہر میں مال سپلائی کرتا ہوں، دکان دار ایک دو بل ہمیشہ باقی رکھتے ہیں، جن میں سے بعض کے بل دو دو، تین تین لاکھ کے ہوتے ہیں، اور بعض دکان دار مال تو یک

مشت لیتے ہیں؛ لیکن پیسے قسطوں میں ادا کرتے ہیں جن کی قسطیں دو تین سال میں پوری ہوتی ہیں، مذکورہ دونوں صورتوں کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا کیا طریقہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس قمری (چاندکی) تاریخ کو آپ زکوٰۃ نکالتے ہیں اس دن یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کا کل سرمایہ کتنا موجود ہے، اور کتنا آپ پر قرض ہے، اور کتنا آپ کا دوسروں پر قرض ہے، اپنے اوپر قرض کی رقم منہا کر کے جو رقم باقی بچے اس کی زکوٰۃ نکالنا آپ پر فرض ہے، تاہم جو آپ کا قرضہ دوسروں پر ہے اس میں یہ گنجائش ہے کہ جیسے جیسے وہ قرض وصول ہوتا رہے، اسی اعتبار سے اس کی زکوٰۃ دی جاتی ہے، خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں۔ (مستفاد کفایت المفتی ۴/۲۵۰)

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنه قال: زکوا زکاۃ أموالکم حولا إلی حول، وما کان من دین ثقة فزکه، وإن کان من دین مظنون فلا زکاۃ فیه، حتی یقبضه صاحبه. (رواہ ابن ابي شیعبه الزکاۃ / في زکاۃ الدین ٤/٤٨٥ رقم: ١٠٣٥١ السنن الکبریٰ للبیهقی ٤/٢٥٢ رقم: ٧٦٢٤ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن عبد اللّٰہ بن عباس و عبد اللہ بن عمر قالا: من أسلف مالا فعلیه زکاته فی کل عام إذا کان فی ثقة. (السنن الکبریٰ / باب زکاۃ الدین ٦/٦٨ رقم: ٧٧١٣)

واعلم أن الدیون عند الإمام ثلاثة: قوی و متوسط وضعیف: فتجب زکاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لکن لافوراً بل عند قبض أربعین درهماً من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارۃ، فکلما قبض أربعین درهماً یلزمه درهم.

(درمختار مع الشامی ٣/٢٣٦ زکریا)

فلا زکاۃ علی مکاتب ومدیون للعبد بقدر دینه، فیزکی الفاضل إن بلغ نصاباً. (درمختار مع الشامی ٣/١٨٠ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فکس ڈپازٹ رقم پر زکوٰۃ؟

سوال (۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص بینک میں بیس ہزار روپئے فکس ڈپازٹ میں ڈال دیتا ہے جس کو چھ سال کے بعد نکالتا ہے، تو کیا یہ شخص ہر سال زکوٰۃ دیتا رہے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں بطور فکس ڈپازٹ جمع کرنا دین قوی کے درجہ میں ہے جب مدتِ معینہ گذرنے پر پوری رقم ملے گی تو اصل جمع کی ہوئی رقم پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی؛ لیکن جو رقم بڑھ کر ملے گی وہ سود ہے اور قطعاً حرام ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول؛ لكن لا فوراً؛ بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض. (شامي، الزكاة/ باب زكاة المال ۳/۲۳٦ زكريا، خانية ۱/۲۵۳، الفتاویٰ الهندية ۱/۱۷۵، بدائع الصنائع ۲/۹۰)

أما القوي فلا خلاف فيه من أنه تجب الزكوٰة فيه بحول الأصل. (شامی ۲/۳۰۵ کراچی)

عن عمرو بن ميمون رضي اللّٰه عنه قال: أخذ الوليد بن عبد الملك مال رجل من أهل الرقة يقال له أبو عائشة عشرين ألفاً، فألقاها في بيت المال، فلما ولي عمر بن عبد العزيز، أتاه ولده فرفعوا مظلمتهم إليه، فكتب إلى ميمون: أن ادفعوا إليهم أموالهم وخذوا زكاة عامهم هذا. (فتح القدير، كتاب الزكاة ۲/۱٦٦ مطبع مصر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین کی خریداری پر زکوٰۃ؟

سوال (۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے پاس شادی کے واسطے یا حج کے واسطے یا خریداری مکان وتعمیر کے واسطے جو پیسے رکھا ہے اور اس پر سال گذر گیا ہے، یا مالِ تجارت گودام میں پڑا ہے اور سال گذر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اور کتنی واجب ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس پیسہ اور مال تجارت پر سال گذر گیا ہے اور وہ نصاب کے بقدر بھی ہے، تو اس کی زکوٰۃ مالیت کا حساب لگا کر ڈھائی روپئے سیکڑہ کے حساب سے ادا کی جائے۔

وعن معاذ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمره حين وجهه إلى اليمن ...... إذا كانت الورق مائتى درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شيئاً، حتى تبلغ أربعين درهماً، وإذا بلغ أربعين درهماً فخذ منه درهماً. (رواه الدارقطني، الزكاة / باب ليس في الكسر شيء ٢/٢ رقم: ١٨٨٦)

ومنها كون المال نصاباً. (الفتاوىٰ الهندية ١٧٣/١)

ومنها حولان الحول. (الفتاوىٰ الهندية ١٧٥/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۲/۴ھ

بچہ کی شادی اور تعمیر کے لئے رکھے ہوئے پیسہ پر زکوٰۃ؟

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: زمین جو ہم نے ذاتی تعمیرات یا جو تجارت کے واسطے خریدی ہے، اور اس پر سال بھی گذر گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین ذاتی تعمیر کے لئے خریدی ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ البتہ جو زمین تجارت کے لئے خریدی ہے اس کی پوری مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وليس في دور الكسنى وثياب البدن زكوٰة. (شامی ۲۶۲ کراچی، ۱۷۷/۳ زکریا، مستفاد: احسن الفتاوىٰ ٤/٢٩٥)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة وفى المضمرات: يريد بالعروض ما خلا الذهب والفضة والسوائم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٦٤/٣ رقم: ٣٩٩٩ زكريا)

فى عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصابا و يعتبر فيهما الأنفع للمساكين. (تبيين الحقائق / باب زكاة المال ٢٧٩/١، البحر الرائق ٢٢٨/٢ كوئٹه)

عن سمرة بن جندب قال أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (رواه أبو داؤد في السنن، الزكاة / باب العروض إذا كانت للتجاره هل فيها من زكاة ٢١٨/١ رقم: ١٥٦٢) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۴/۳/۱۴۱۳ھ

تجارت اور کاروباری مشین میں لگائی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تجارت میں لگی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح کاروبار کرنے کے لئے جو مشین وغیرہ لگائی ہے اس میں جو رقم لگی ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجارت میں لگی ہوئی رقم اورتجارتی سامان پر زکوٰۃ واجب ہے؛ لیکن کاروبار کرنے کے لئے جو مشین خریدی گئی ہے، اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں؛ البتہ مشین کے استعمال سے جو آمدنی ہوگی وہ تجارتی مال میں شامل کردی جائے گی۔

الزکاۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت إذا بلغت قیمتها نصابا من الورق والذهب. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۷۹)

فی عرض تجارة قیمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما. (تنویر الأبصار علی الدر المختار ۳/۲۲۸ باب زکاة المال زکریا)

وکذا کل ما قوبض به مال التجارة فإنه یکون لها بلا نیة. (در مختار ۳/۱۹٤ زکریا)

عن ابن عمر قال: لیس فی العروض زکاة، إلا ما کان للتجارة. (السنن الکبریٰ للبیهقي، الزکاة / باب زکاة التجارة ٦/٦٤ رقم: ۷٦۹۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ؟

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے بیس ہزار کی رقم پانچ سال کے لئے جمع کی ہے جس میں پانچ سال کی وہ رقم دوگنی ہوجاتی ہے، اب اس جمع شدہ اصل رقم کی زکوۃ ادا کریں گے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں جمع کردہ اصل رقم کی زکوۃ سال گذرنے پر ادا کرنی ہوگی، اور سود کی رقم پر زکوۃ نہیں ہوگی، بلکہ اس رقم کو بینک سے نکال کر غریبوں کو تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔

وسببه ملك نصاب حولى نسبة للحول لحولانه عليه تام بالرفع صفة الملك. (در مختار ۱۷۴/۳ زكريا)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول. (الفتاوى التاتارخانية ۱۳۳/۳ رقم: ۳۹۳٤)

وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثا. (درمختار) وفى الرد المحتار فى القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة! لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه. (الدر المختار مع الرد المحتار، الزكاة / باب زكاة الغنم، مطلب: فيما لو صادر السلطان رجلا الخ ۲۹۱/۲ كراچى، ۲۱۸/۳ زكريا، كذا فى الفتاوى البزازيه: الزكاة / الثانى: فى المصرف ۸٦/۱ رشيدية)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق. (شامي ۵۵۳/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک میں جمع شدہ رقم اگر نصاب سے کم ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے بینک میں پانچ ہزار روپئے یا دس ہزار روپئے یا بیس ہزار روپئے جمع ہیں، اس کے علاوہ اس کے پاس نہ تو اتنا سونا ہے اور نہ اتنی چاندی ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو؟ تو کیا اس جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بینک میں جمع شدہ رقم ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ اس کے علاوہ سونا چاندی بالکل نہ ہو۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: …… **ليس فيما دون خمس أوراق صدقة.** (صحيح البخاري / باب زكاة الورق ۱۹٤/۱ رقم: ۱٤۰۷)

ولو بلغ بإحداهما نصاباً وخمساً وبالاٰخر أقل قومه بالأنفع للفقير.

(درمختار / باب زكاة المال۲۹۹/۲ كراچى، ۲۲۹/۳ زكريا)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصاباً ملكا تاماً، وحال عليه الحول. (الفتاوى التاتارخانيه ۱۳۳/۳ رقم: ۳۹۳٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۲ ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرائیویڈٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکاری ملازموں کی تنخواہ سے جو رقم پرائیویڈٹ فنڈ کے نام سے کاٹی جاتی ہے، اس کے بارے میں اکثر کتابوں میں جو حکم تحریر فرمایا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر ملازم کی ملک نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں، جب وہ رقم مل جائے اور اس پر سال گذر جائے تو واجب ہوگی؛ لیکن اس فنڈ کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ملازم جب چاہے اس جمع شدہ پیسے کو حسب ضرورت لے سکتا ہے، ایسے میں ملازم کی ملک اور اختیار ہونے کی صورت سامنے آتی ہے، اگرچہ اس کی ملکیت میں آنے سے پہلے ہی وہ رقم سرکار لازمی طور پر جمع کر لیتی ہے، ایسے میں اس رقم کا حکم بینک میں جمع شدہ مال کی طرح ہوگا اور اسی وجہ سے شوافع نصاب ہونے کے بعد اسی حال میں حولانِ حول ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل ہیں، اس سلسلہ میں تفصیلی وضاحت کی درخواست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ ملازمت پرائیویڈٹ فنڈ پر ملازم کی ملکیت

نہیں آتی؛ بلکہ اس فنڈ کے ضابطہ کے اعتبار سے ملازمت ختم ہونے پر ہی پورا فنڈ ملازم کو ملتا ہے، اور آپ نے جو سوال میں لکھا ہے کہ ملازم جب چاہے اپنا فنڈ نکال سکتا ہے، تو یہ نکالنا مالکانہ حیثیت سے نہیں ہوتا؛ بلکہ ملازم کو پرائیویڈنٹ فنڈ کی بنیاد پر مذکورہ رقم بطور قرض دی جاتی ہے اور پھر اس کی حسب ضابطہ قسطیں باندھ دی جاتی ہیں، جنہیں ماہ بماہ ملازم کی تنخواہ سے پورا کیا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اختتام ملازمت سے قبل پرائیویڈنٹ فنڈ پر ملازم کو مالکانہ تصرف کا اختیار نہیں ہے؛ لہٰذا ابھی اس پر فنڈ میں موجود رقم کی زکوٰۃ دینی واجب نہیں ہے، اور وہی فتویٰ برقرار ہے، جو ہمارے اکابر سے منقول ہے۔ اس کے برخلاف بینک میں جمع شدہ رقم پر مالک کا مکمل اختیار ہوتا ہے؛ اس لئے اس رقم میں زکوٰۃ کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وروى ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة رحمه الله أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه. (بدائع الصنائع ۲/ ۹۰، امداد الفتاویٰ ۲/ ٤٨)

لا تجب مالم يقبض نصاباً، ويحول الحول بعد القبض عليه. (البحر الرائق، كتاب الزكاة ۲/ ۳٦۳ رشيدية، فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم، في الدر المختار، الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ۳۰٥ كراچی، ۳/ ۲۳۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۳/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

L.I.C اور پرائیویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال (۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی بیوی سرکاری ملازمت میں ہے، جہاں اس کی تنخواہ سے مختلف فنڈ (G.P.F) (L.I.C) اس طرح دیگر فنڈ کے لئے اس کی اجازت سے رقم وضع ہو جاتی ہے، یہ رقم اس کی مدت

ملازمت ختم ہونے کے بعد اسے ملے گی؟ L.I.C کی مدت پندرہ سال رہتی ہے، بیس سال یہ مدت ختم ہوتے ہی اس کی رقم اسے واپس ہوجاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ کس حساب سے ادا کی جائے گی؟ پوری رقم ملنے پر یا اگر وہ سال کی سال ادا کردے تو ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز اس کی اپنی عین رقم کے علاوہ مزید جو رقم ملتی ہے اس رقم میں اگر اپنی رقم ملا کر حج کرے تو اس کا حج ادا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرائیویڈٹ فنڈ پر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ۳۶۷، امداد المفتیین ۴۷۲) اور ایل آئی سی (زندگی بیمہ) کی جو رقم مالک کی اجازت اور رضامندی سے وضع ہوتی ہے اس میں ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی؛ اس لئے کہ یہ ملازم کی ملکیت ہے، اور وہ جب چاہے اسے لے سکتا ہے، یہ رقم بینک میں رکھے ہوئے روپیہ کے مانند ہے، اور اس بیمہ پر جو زائد رقم ملے گی وہ حرام ہے، اس حرام رقم سے اگر حج کرے گا تو فریضہ گوکہ ساقط ہوجائے گا؛ لیکن ثواب سے محرومی رہے گی۔

وروى ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه. (بدائع الصنائع ۲/ ۹۰، امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۸)

لا تجب مالم يقبض نصاباً، ويحول الحول بعد القبض عليه. (البحر الرائق، كتاب الزكاة ۲/ ۳۶۳ رشيديه، كذا في الدر المختار، الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ۳۰۵ كراچی، ۳/ ۲۳۷ زكريا)

واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي ومتوسط وضعيف: فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لافوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة، فكلما قبض أربعين درهماً يلزمه درهم.

(درمختار مع الشامي ۳/ ۲۳۶ زكريا)

ففي الفور تجب الزكاة إذا حال الحول ويتراخى القضاء إلى أن يقبض

أربعين درهما ففيها درهم و كذا فيما زاد بحسابه. (البحر الرائق ۲۰۷/۲ کوئٹہ) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مبیع کی قیمت پر زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

سوال (۴۷) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اکبر علی مکانات بنا کر بھی بیچتے ہیں، بسا اوقات کسی مکان کا نقشہ بنا کر مشتری سے نصف رقم حاصل کی اور نصف رقم باقی ہے، نصف رقم جو حاصل ہوچکی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، اسی طرح مشتری جو آدھی رقم بائع کو دے چکا ہے تو مشتری پر کونسی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی؟ آیا وہ رقم جو دے چکا یا وہ رقم جو بائع کو دینی باقی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں بائع کو جو نصف قیمت حاصل ہوچکی ہے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر لازم ہے، اور مشتری نے جو رقم ابھی ادا نہیں کی ہے، اس کی زکوٰۃ وہ خود ادا کرے گا؛ کیوں کہ اس وقت وہی اس کا پوری طرح مالک ہے، اور مبیع یعنی مکان تعمیر نہ ہونے کی وجہ سے ابھی بائع کا حق اس رقم پر تام نہیں ہوا ہے کہ اسے مشتری کے ذمہ قرض قرار دیا جاسکے۔

ومنها الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۲/۱)

وسببه ملك نصاب حول نسبة للحول لحولانه عليه تام. (درمختار، کتاب الزکاة ۱۷۴/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۴/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارت کے منافع کی زکوٰۃ کس طرح نکالیں گے؟

سوال (۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تجارت کے ذریعہ جومنافع حاصل ہوا ہے، اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے گی؟ آیا اسے اصل رقم کے ساتھ ملالیا جائے گا یا اس کی زکوٰۃ الگ سے نکالنی ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درمیانی سال میں تجارت وغیرہ کے ذریعہ جو منافع حاصل ہوا ہے اس کو اصلی سرمایۂ تجارت اور سامانِ تجارت کے ساتھ ملا کر سب کے مجموعہ کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

وأخرج عبد الرزاق عن الزهري قال: من استفاد مالاً زكاه مع ماله.

(المصنف لعبد الرزاق ٤/٧٩ رقم: ٧٠٤٠)

عن الحسن قال: إذا كان عندك مال تريد أن تزكيه وبينك وبين الحول شهر، أو شهران، ثم أفدت مالاً فزكه معه زكهما جميعاً. (المصنف لعبد الرزاق ٤/٧٩ رقم: ٧٠٤١، ٧٠٤٠)

ومن كان له نصاف فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به. (هدايه ١/١٩٣، كذا في الفتاوىٰ الهندية ١/١٧٥، وفي البدائع الصنائع مفصلا ٣/٩٧ زكريا)

ولو كان الزيادة والنقصان في العين قبل الحول ثم حال الحول وهي كذالك، ففي الزيادة تجب الزكاة زائدة؛ لأن تلك الزيادة مستفادة في خلال الحول فيضم إلى الأصل. (الفتاوى التاتارخانية ٣/١٧٢ رقم: ٤٠٢٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نابالغ بچہ جو صاحب نصاب ہوجاتا ہے نابالغیت کی بناپر شرعی زکوٰۃ سے سبک دوش ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر والدین یا سرپرست ہیں، تو کیا اس بچے کی زکوٰۃ کے ذمہ دار ان کے والدین یا سرپرست ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں اگر چہ اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، اور نہ اس کے والدین کو اس کے مال سے زکوٰۃ نکالنے کا اختیار رہے۔

عن ابن عباس قال: لا یجب علی مال الصغیر زکاۃ حتی تجب علیه الصلاۃ . (سنن الدار قطنی ۲/۹۷ رقم: ۱۹۶۲)

عن علي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاث ...... وعن الصبي حتی لیشبّ . (سنن الترمذي ۱/۲۶۳)

ومنها العقل والبلوغ فلیس الزکوٰۃ علی صبي ومجنون . (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۷۲)

ومنها البلوغ عندنا فلا تجب علی الصبي، وهو قول علي وابن عباسؓ فإنهما قالا: لا تجب الزکاۃ علی الصبي حتی تجب علیه الصلاۃ . (بدائع الصنائع، شرائط فرضیة الزکاۃ ۲/۷۹ زکریا)

وشرط افتراضها عقل وبلوغ فلا تجب علی مجنون وصبي. (درمختار مع الشامي ۲/۱۷۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۰/۱۹ھ

نابالغ بچوں کے نام سے خریدی گئی زمین پر زکوٰۃ؟

سوال (۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی زمین جائیداد نابالغ بچوں کے نام سے لی جائے تو اس کی زکوۃ کی نوعیت کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زمین یا جائیداد نابالغوں کے نام مالکانہ حیثیت سے خریدی جائے یعنی واقعتاً انہیں مالک ہی بنانا مقصود ہو محض کسی مصلحت سے ان کا نام ڈالنا پیش نظر نہ ہو، تو ان نابالغوں پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: لا يجب على مال الصغير زكاة حتى تجب عليه الصلاة . (سنن الدار قطنی ۹۷/۲ رقم: ۱۹۶۲)

عن علي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاث ...... وعن الصبي حتى ليشبّ . (سنن الترمذي ۲۶۳/۱)

وشرط افتراضها عقل وبلوغ، فلا تجب على مجنون وصبي. (شامی ۱۷۳/۳ زكريا، ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر ۱۹۲/۱ بيروت)

ومنها العقل والبلوغ فليس الزكوٰة على صبي ومجنون . (الفتاویٰ الهندية ۱۷۲/۱)

ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبي، وهو قول علي وابن عباس رضي اللّٰه عنهما فإنهما قالا : لا تجب الزكاة على الصبي حتى تجب عليه الصلاة . (بدائع الصنائع / شرائط فرضية الزكاة ۷۹/۲ زكريا، سنن الدار قطنی ۱۱۲/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دینِ قوی پر زکوٰۃ

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے والد مرحوم کی وراثت میں سے اپنے بھائیوں سے پانچواں حصہ لیا ہے، جس کی رقم ایک لاکھ بیس ہزار بنتی ہے، جس میں سے ۳۵؍ ہزار دے دی ہے، باقی رقم میری تجارت میں لگی ہوئی ہے، اور بھائی نے اپنی طبعیت سے میرے پاس یہ رقم چھوڑ رکھی ہے کہ جب کبھی مجھے ضرورت ہوگی میں طلب کرلوں گا، ایسی صورت میں اس رقم پر جو زکوٰۃ ہوگی وہ کس پر دینا واجب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس رقم کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں؛ بلکہ اس بھائی پر واجب ہے جو اس رقم کا اصل مستحق ہے، اس تک جب یہ رقم پہنچ جائے گی تو سالہائے ماضیہ کی زکوٰۃ بھی اسے دینی ہوگی۔

عن عائشة قالت: ليس فيه زكاة حتى يقبضه، عن عطاء قال: لا يزكيه حتى يقبضه. وقوى وهو ما يجب بدلاً عن سلع التجارة إذا قبض أربعين زكى مما مضى، كذا في الزاهدي، عن أبي جعفر قال: ليس فيه زكاة حتى يقبضه.

(المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٣٩٠ رقم: ١٠٢٥٩ - ١٠٢٦٠ - ١٠٢٦٢ دار الكتب العلمية بيروت)

ففي القوى تجب الزكاة إذا حال الحول ويتراخى القضاء إلى أن يقبض أربعين درهماً. (البحر الرائق، كتاب الزكاة ٢/ ٣٦٣ رشديه، خلاصة الفتاوى، الزكاة / الفصل السادس في الديون ١/ ٢٢٨ لاهور، بدائع الصنائع، الزكاة / مراتب الديون ٢/ ٩٠ زكريا)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: زكاة أموالكم حول إلى حول فما كان من دين ثقة زكاة، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه، حتى يقضيه صاحبه.

(المصنف لابن أبي شيبه، الزكاة / في زكاة الدين ٦/ ٤٨٥ رقم: ١٠٣٥١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۳؍۱۰؍۱۴۱۳ھ

قرض پر زکوٰۃ

سوال(۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ادھار رقم (جو وصول ہوسکتی ہے) پر بھی زکوٰۃ دینی واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ ادھار رقم بقدر نصاب ہو یا آپ کے پاس رکھی ہوئی رقم سے مل کر نصاب کو پہنچ جاتی ہو تو ادھار رقم وصول ہونے پر گذشتہ زمانہ کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۳۲۲ ڈابھیل)

ویعتبر لما مضی أي ولا یعتبر الحول بعد القبض بل یعتد بما مضیٰ من الحول قبل القبض. (البحر الرائق ۲/۲۰۷)

ویعتد بما مضی من الحول قبل القبض فی الصحیح من الروایة. (تاتارخانیه ۳/۲٤٦ زکریا، طحطاوی ۳۹۰)

عن سائب بن یزید أن عثمان بن عفان کان یقول: هذا شهر زکاتکم، فمن کان علیه دین فلیؤد دینه، حتی تحصل أموالکم فتؤدون منه الزکاة. (الفتاویٰ والتاتارخانیة ۳/۲٤٥ رقم: ٤۲٥٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۹ھ

قرض پر زکوٰۃ

سوال(۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص فرم کھولتا ہے، پچاس ہزار روپیہ سے کام شروع کرتا ہے، محنت کرتا ہے، مال کی تیاری کرتا ہے، مال کی تیاری کے بعد باہر انڈیا میں پارٹی کو بھیجتا ہے، روپیہ گھومنے لگتا ہے، سیل ٹیکس بھی دیتا ہے، لینا دینا چل رہا ہے، جب بزنس کرتا ہے تو ہر کسی پارٹی سے لینا دینا ہے اپنے خرچ کو

بھی لیتا ہے، روپیہ گھوم رہا ہے، جب سال پورا ہوجاتا ہے تو وہ حساب بناتا ہے، حساب میں رقم جو شروع میں لگائی تھی، پچاس ہزار سال بھر محنت کرنے کے بعد وہ رقم ساٹھ ہزار ہوجاتی ہے، کھاتہ میں رقم ساٹھ ہزار ہوگئی، رقم ہاتھ میں یا بینک میں نہیں ہے، وہ لینے دینے میں گھوم رہی ہے، علماء دین زکوٰۃ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کتنی رقم پر ہوتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مالِ تجارت آپ کے پاس موجود ہے اس کی قیمت پر اور آپ کا جو روپیہ دوسروں کے پاس ہے جس کی واپسی کی قوی امید ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوچکی ہے؛ البتہ فرق یہ ہے کہ قبضہ میں موجود مالِ تجارت پر فوراً زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور جو روپیہ دوسروں کے پاس ہے اس کے وصول ہونے پر گذشتہ زکوٰۃ نکالنا لازم ہوگا۔

عن الليث بن سعد أن عبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر رضي الله عنهما قالا: من أسلف مالا فعليه زكاته في كل عام، إذا كان في ثقة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۴۵ رقم: ۴۲۵۶)

فتجب زكوتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال التجارة. (درمختار ۲/ ۳۰۵ کراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/ ۱۱/ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض کی زکوٰۃ مقروض پر ہے یا قرض خواہ کے ذمہ واجب ہے؟

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے بکر کے ذمہ ۱۶ ؍ روپیہ باقی ہیں، اس باقی رقم کو اب سات سال ہورہے ہیں، زید برابر بکر سے اپنی بقایا رقم کا مطالبہ کرتا ہے، مگر بکر ہمیشہ یہی جواب دیتا ہے کہ باقی رقم کا خیال ہے جلد ہی ادا کردوں گا؛ لیکن اس طرح کے وعدہ کے باوجود ابھی تک ادائیگی نہ کی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے

کہ زید کے بکر سے ۱۶؍روپیہ وصول نہ ہونے سے زید نے جوتا جر ہے مجبوراً تجارت کے لئے قمر کے سرمایہ سے تجارت کی، اس تجارت سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، قمر کا سرمایہ لگنے سے نفع قمر کو دینا پڑتا ہے، اگر بکر زید کی رقم نہ روکتا تو ظاہر ہے زید اپنے ہی سرمایہ سے تجارت کرتا اور سبھی نفع زید کا ہوتا، اور زید کا سرمایہ بھی بڑھتا۔ تو کیا اب زید بکر سے اس رقم کو طلب کر سکتا ہے جو اس نے قمر کو دی، بکر نے زید کی رقم نہ دے کر اس عرصہ میں قریب ۱۵۰۰؍ کی جائیداد کی خریداری کی، زید نے اس کے جو ثبوت حاصل کئے اس کو بکر قبول کرتا ہے کہ ۱۵۰۰؍ کی جائیداد خریدی، اب اس نے سات سال کے عرصہ میں بکر کی خرید کردہ جائیداد ۱۵۰۰؍ سے ۲۰۰۰؍ کی ہو چکی ہے، بکر بھی کہتا ہے کہ ہاں ہماری خرید کردہ جائیداد کی قیمت میں اضافہ ہو گیا ہے، ایک طرف بکر کا سرمایہ جائیداد اور خریداری ۱۵۰۰؍ سے ۲۰۰۰ تک ہو چکا ہے۔ دوسری طرف اس ۷؍سال کے عرصہ کے بعد اگر بکر رقم واپس کرے گا تو ۱۶؍روپیہ ہی کرے گا، اس کی زکوٰۃ سات سال کی دو روپیہ اسی پیسے ۴۰×۷=۴۰؍ پیسے سال کے حساب سے ۲؍روپیہ اسی پیسہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا کون ذمہ دار ہوگا؟ زید کے پاس سات سال رقم تو رہی نہیں، اگر زید کے پاس رقم ہوتی تو وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کی پونجی ۲۰؍روپیہ بھی ہو سکتی تھی، تجارت کے ذریعہ سے۔ بکر نے اس سات سال کے عرصہ میں حج بھی کیا ہے، اور ضروریاتِ زندگی کی ہر طرح کی سہولت ایئر کنڈیشن مکان آفس، گاڑی بھی ان کے پاس ہے، رمضان المبارک میں افطار پارٹی کا خوب اہتمام کرتا ہے، رشتہ داروں کی شادی میں ہدیہ تحفہ بھی خوب دیتا ہے، انکم ٹیکس دیتا ہے، تجارتی سفر ہوائی جہاز سے زیادہ کرتا ہے؛ لیکن زید کے اس سات سال میں اقرار کرنے کے باوجود آج تک کچھ نہ دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ۷؍سال کے عرصہ کی کس کے ذمہ ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص وسعت ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں تاخیر اور ٹال مٹول کرے وہ شرعاً گنہگار اور ظالم ہے، اگر صاحب حق اسے معاف نہ کرے تو اس

پرآخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔ارشادنبوی ہے: **مطل الغنی ظلم.** (مسلم شریف۱۸/۲)لہٰذامسئولہ صورت میں بکر نے زیدکا روپیہ بروقت نہ دے کرظلم کیا ہے؛لیکن اس ظلم کے باوجودقرض کے متعلق مسئولہ شرعی احکامات درج ذیل ہوں گے: قرض کی رقم وصول ہونے کے بعدزکوٰۃ کی ادائیگی زید ہی پر لازم ہوگی،بکراس کا ذمہ دارنہ ہوگا اورسابقہ سالوں کا حساب کسی جانکارمفتی یاعالم سےلگوا کر زیدزکوٰۃ ادا کرے۔

فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال التجارة. (درمختار ۲/ ۲۰۵ کراچی)

وأما سائر الديون المقر بها فهي على ثلاث مراتب عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه عليه ضعيف وهو كل دين ملكه بغير فعله لا بدلا عن شيئ لا زكاة فيه عنده حتى يقبض نصاباً و يحول عليه الحول إلى قوله و قوى وهو ما يجب بدلا عن سلع التجارة إذا قبض أربعين زكى لما مضىٰ. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۷۵ الباب الأول كتاب الزكاة، مطبوعه دار الكتاب ديوبند،البحر الرائق ۲/ ۲۰۷ الزكاة كراچی،النهر الفائق ۱/ ٤١٦ كتاب الزكاة دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبيدة قال: سئل علي رضي اللّٰه عنه عن الرجل يكون له الدين الظنون أيزكيه ؟ فقال : إن كان صادقاً فليزكه لما مضى إذا قبضه. (المصنف لابن أبي شيبه، الزكاة / فی زكاة الدين ٦/ ٤٨٦ رقم: ١٠٣٥٦)

وما وجب بدلاً عما هو مال إلا أنه ليس للتجارة فحكمه في رواية عنه – أبي حنيفه – أنه لايكون نصاباً قبل القبض وعلى هذه الرواية اعتمد الكرخي، وفى النصاب : وهو الصحيح – وفى رواية الأصل عنه أن يكون نصاباً قبل القبض وتجب فيه الزكاة، ولكن لايجب الأداء مالم يقبض فيه مائتى درهم وفى الخانية : ويعتد بما مضى من الحول قبل القبض فى الصحح من الرواية. (الفتاوی

التاتارخانية ۲۴۶/۳ رقم: ۴۲۵۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض لے کر کھولی گئی دوکان کی زکوٰۃ کس طرح نکالے؟

سوال (۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے کچھ روپئے قرض لے کر دوکان کھولی اور تقریباً ایک سال پورا ہونے جارہا ہے، اور ابھی قرض پورا باقی ہے، اور اس دوران جو اس دوکان سے منافع ہوئے ہیں، اس کو یا تو اپنی ضروریات میں خرچ کیا ہے یا اسی کا سامان خرید کر دوکان میں لگا دیا ہے، اب اس دوکان کے مال کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان کی پوری مالیت سے قرض نکالنے کے بعد اگر نصاب کے برابر مالیت بچتی ہے تو اس بچت کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور اگر قرض نکالنے کے بعد بقدر نصاب مالیت نہیں بچتی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان كان يقول: هٰذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين فليؤد دينه، حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة. (رواه الإمام محمد في الموطأ ۱۲۸)

وفي الموطأ ۱۶۸-۱۶۹ بعد هٰذا الحديث: قال محمد: وبهٰذا نأخذ، من كان عليه دين، وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقي بعد ذٰلك ما تجب فيه الزكاة ففيه زكاة، وتلك مائتا درهم أو عشرون مثقالاً ذهبًا فصاعدًا، وإن كان الذي بقي أقل من ذٰلك بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه. (إعلاء السنن / باب من كان عليه دين لا زكاة عليه بقدره الخ ۱۴/۹ بيروت)

عن ميمون قال: أخرج ما كان عليك من دين ثم زكىٰ ما بقي، إن كان ماله أكثر من دينه زكىٰ الفاضل إذا بلغ نصاباً. (هداية ١/١٨٦، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة ٢/٦٢ بيروت، درمختار مع الشامي ٣/١٨٠ زكريا)

ومن كان عليه دين يحيط بماله، وله مطالب من جهة العباد سواء كان من النقود أو من غيرها، وسواء كان حالا أو مؤجلا، فلا زكاة عليه. (فتح القدير، كتاب الزكاة ٢/١٦٠ مصر، بهشتي زيور ٣/٢٣، آپ کے مسائل اور ان کا حل ٣/٣٩٩، ايضاح المسائل ١١٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۶/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھراد مشین اور ٹرک پر زکوٰۃ

سوال(۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کھراد مشینوں وٹرک وغیرہ پر جن کی قیمت لاکھوں روپیہ ہے، ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں، ان مشینوں سے کمائی کی جاتی ہے، تجارت کا اسباب نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مشینوں اور ٹرک کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وكذٰلك آلات المحترفين أي سواء كانت مما لا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد. (شامی ٢/٢٦٥ کراچی، ٣/١٨٣ زکريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوکان میں موٹر پارٹس کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید ایک بزنس مین آدمی ہے، موٹر پارٹس کی دوکان میں سامان رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس کوئی نقدی رقم وغیرہ نہیں ہے، جس پر زکوٰۃ واجب ہو؛ البتہ میرے پاس دوکان ہے جس میں سامان ہے، تو دوکان میں جو پارٹس وغیرہ کا سامان ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان کے سامان کی قیمت اگر نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

واللازم مبتدأ في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرا أو حليا مطلقاً مباح الاستعمال أو لا ولو للتجمل والنفقة لأنهما خلقا أثماناً فيزكيهما كيف كان أو في عرض تجارة قيمته نصاب. (الدر المختار مع الشامي ۲۲۸/۳ زكريا)

الزكاة واجبة ...... إذا بلغ نصابا تاماً. (الفتاوى التاتارخانية ۱۳۳/۳ رقم: ۳۹۳٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپیوٹر، موبائل فون پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مندرجہ ذیل اشیاء پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں، اور اگر آتی ہے تو ان کی قیمت کا حساب کیسے لگایا جائے، کمپیوٹر، موبائل فون، فریج، موٹر سائیکل، اسکوٹر، کار، گھڑی، ٹیلی فون، فرنیچر، واشنگ مشین، ٹی وی، قیمتی کپڑے، پنکھا، کولر، اے سی، پانی بھرنے کا موٹر وغیرہ۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اشیاء اگر تجارت کی نہ ہوں؛ بلکہ اپنی ذاتی استعمال اور ضروریات میں سے ہوں، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وليس في دور السكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة؛ لأنها مشغولة بحاجته الأصلية. (شامی ۱۷۸/۳ زکریا، کذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۱۷۳/۳ رقم: ۴۰۳۱ زکریا، هدایه ۲۰۲/۱، ایضاح النوادر ۳۳/۲-۳۵)

يستفاد بما اخرجه ابن أبي شيبه عن عكرمة قال : ليس في حجر اللؤلوء ولا حجر الزمرد زكاة إلا أن يكون لتجارة، فإن كان لتجارة ففيها زكاة. (المصنف لابن أبي شيبة الزكاة/ في اللؤلؤ والزمرد ۴۷/۶ ۴ رقم: ۱۰۱۶۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۸/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھٹے کی اینٹوں اور کوئلے لکڑی پر زکوٰۃ

سوال (۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں دو بھٹوں کا مالک ہوں اور ہر سال الحمد للہ اپنے اعتبار سے حساب لگا کر زکوٰۃ نکالتا ہوں لیکن مزید تشفی اور تسلی کے لیے درج ذیل سوالوں کا جواب مطلوب ہے۔ زکوٰۃ نکالتے وقت کچی اور پکی دونوں طرح کی اینٹیں رہتی ہیں اور بسا اوقات پکی اینٹیں بک جاتی ہیں صرف کچی رہ جاتی ہیں تو ان کی زکوٰۃ کا حساب کیسے ہوگا؟ نیز بھٹے میں استعمال کرنے کے لیے لکڑیوں اور کوئلوں کا جو ذخیرہ ہوتا ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زکوٰۃ نکالتے وقت جتنی بھی کچی یا پکی اینٹیں موجود ہوں ان کی قیمت جوڑ کر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے اگر صرف کچی ہی اینٹیں باقی ہوں تو صرف ان کی ہی قیمت جوڑی جائے، البتہ بھٹہ میں استعمال کے لیے جو کوئلہ یا لکڑی ذخیرہ کی گئی ہو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ اشیاء جل کر ختم ہوجاتی ہیں باقی نہیں رہتیں۔ (کتاب المسائل ۲۲۳/۲)

تستفاد هٰذا الحكم من قوله: وكذٰلك آلات المحترفين أي سواء كانت مـمالا تستهلک عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلک، لكن هٰذا منه مـا لا يبـقى أثر عينه، كصابون وجرض الغسال، ومنه ما يبقى كعصفر، وزعفران لـصبـاغ، ودهـن وعـفـص لدباغ، فلا زكاة في الأولين؛ لأن ما يأخذه من الأجرة بـمـقابلة العمل، وفي الأخيرة الزكاة إذا حال عليه الحول؛ لأن الماخوذ بمقابلة الـعين كما في الفتح . (رد الـمـحتـار للشامي، الزكاة / مطلب: في زكاة المبيع وفا ۱۸۳/۳ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اینٹ ڈھونے والے ٹریکٹروں پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال (۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تقریباً دس ٹریکٹر ہیں جو صرف اینٹ خریدنے والوں کے یہاں اینٹ پہنچاتے ہیں جس کا کرایہ ان سے لیا جاتا ہے، اور کسی دوسرے کام میں ان ٹریکٹروں کو استعمال نہیں کیا جاتا ہے، تو کیا ان پر زکوٰۃ ہے، اگر ہے تو ان کا حساب کیا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اینٹ ڈھونے والے ٹریکٹروں کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں البتہ ان سے کرایہ کے ذریعہ سے جو آمدنی ہوگی اسے حساب میں جوڑا جائے گا۔ (کتاب المسائل ۲/۲۱۸)

وآلات الـصـنـاع الذين يعملون بها، وظروف الأمتعة لا تجب فيها الزكاة ولـو أن نـخـاسا يشتري الدواب و يبيعها فاشترى جلالا ومقاود وبراذع؛ فإن كان يبيع هذه الأشياء مع الدواب ففيها الزكاة وإن كانت لحفظ الدواب، وفي الخانية: ولا يدفع ذٰلك مع الدابة فلا تجب فيه الزكاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۶۹/۳ زكريا)

لـو اشتریٰ قدوراً من صفر یمسکها و یواجرها لا تجب فیها الزکوٰة، کما لا تجب فی بیوت الغلة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/ ۲۵۱)

إذا اشتـریٰ جـوالـق بـعشرة آلاف درهم لیواجرها من الناس فحال علیها الحول، فلا زکوٰة فیها؛ لأنه اشتراها للغلة لا للتجارة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٤/ ١٦٩ رقم: ٤٠١٧-١٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۷/ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

JCB مشین پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک JCB مشین ہے جو کبھی اپنے کام میں استعمال ہوتی ہے اور کبھی کرایہ پر بھی چلتی ہے تو اس میں زکوٰۃ کا کیا حساب ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جے سی بی مشین کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں لیکن اس کو کرایہ پر چلانے کی صورت میں جو آمدنی ہوگی اسے جوڑ اجائے گا۔ (کتاب المسائل ۲/ ۲۱۸)

و کـذا کتـب الـعـلـم إن کان له من أهله و آلات المحترفین. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۷۲)

لـو اشتریٰ قدوراً من صفر یمسکها و یواجرها لا تجب فیها الزکاة، کما لا تجب في بیوت الغلة. (خانیة ۱/ ۲۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/ ۷/ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھریلو استعمالی چیزیں رہائشی مکان، فیکٹری اور زمین پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: زید ایک صنعت کار ہے، اس کے پاس رہنے کے تین مکان ہیں، جن کی مجموعی قیمت لگ بھگ ڈیڑھ کروڑ روپئے ہے، ایک مکان میں زید اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے، اس کا دوسرا مکان الگ شہر میں ہے، جہاں زید مہینے میں دو چار دن جا کر رہتا ہے، اور تیسرے مکان میں جو الگ شہر میں واقع ہے وہاں زید سال میں دو چار دن جا کر رہتا ہے، اس کے پیچھے باقی مکان مقفل رہتے ہیں، زید کے ہر ایک گھر میں دو تین فریج دو تین اے سی، مائیکرو یو، زیور، کمپیوٹر، واشنگ مشین، جنریٹر، خبریں سننے کی ٹی وی اور اس کے علاوہ گھر کو سجانے کے لئے فانوس اور دیگر ضروری ساز وسامان ہے، جن کی مجموعی قیمت لگ بھگ بیس لاکھ روپئے ہوگی، نیز زید کے پاس اپنی ایک فیکٹری ہے جس میں وہ اپنی صنعت تیار کرتا ہے، فیکٹری کی قیمت لگ بھگ ایک کروڑ روپیہ ہے، اور اس کے اندر ساٹھ لاکھ روپئے کی مشینری لگی ہوئی ہے، اور اس میں کافی لوگ کام کرتے ہیں، جن کی تنخواہ لگ بھگ تین لاکھ روپئے ہے جو زید ہر ماہ ان کو دیتا ہے، زید کے پاس اپنے بچوں کے استعمال کے لئے چار کاریں ہیں، اور اس کے علاوہ اسکوٹر اور موٹر سائیکل وغیرہ بھی ہیں، جن کی مجموعی قیمت بائیس لاکھ روپئے ہے، اور زید کے پاس کچھ زمین بھی ہے جو بیچنے کی نیت سے نہیں ہے، اس زمین کو زید کبھی کبھی کاشت کار کو بٹائی پر دیا کرتا ہے، اور کبھی زمین کے ریٹ بڑھ جاتے ہیں تو اس کو بیچ کر اس قیمت کی دوسری زمین خرید لیتا ہے یا اس کا پیسہ اپنے خرچ میں لے لیتا ہے، زمین کی قیمت ایک کروڑ سے زائد ہے، زید کی بیوی کے پاس ایک سیٹ جس میں چار تولہ سونا اور باقی ہیرے ہیں، اور اس کے علاوہ باقی خالص ہیروں کے جواہرات مختلف شکلوں میں موجود ہیں، جن کی مجموعی قیمت بیس لاکھ روپئے ہوگی، زید نے اپنی ملکیت کے کاغذات کی بنیاد پر بینک میں لِمِٹ (Limit) لے رکھی ہے جو وہ اپنے کاروبار میں استعمال کرتا ہے، صنعت کار زید کا روپیہ جب آتا ہے تب بینک اپنا پیسہ اپنے انٹرنیٹ کے ساتھ جمع کر لیتا ہے، اور فائدہ سے زید اپنی فیکٹری کے لوگوں کے اخراجات چلاتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زید اوور لِمِٹ (Over-Limit) کے استعمال کرنے پر قرضہ میں چلا جاتا ہے۔

زید کے حالات کومدنظر رکھتے ہوئے جب کہ زید لگ بھگ سات کروڑ کی مالیت رکھتا ہے، پھر بھی زید کے پاس کبھی بھی اپنا کوئی روپیہ ایسا نہیں ہوتا جس پر سال گذرتا ہوا ور وہ رکھا رہے، بلکہ اکثر بینک کا پیسہ ہی زید کو دینا ہوتا ہے، جب کہ صنعت کاری میں فائدہ ہوتے ہی زید نئی سواری کی گاڑی یا ہیرے جواہرات اور گھر کی سجاوٹ کا سامان لے آتا ہے یا زمین وغیرہ خرید لیتا ہے، جبکہ اس کی نیت اس سے تجارت کی نہیں ہوتی علماء دین قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ زید اپنے کس مال کی زکوٰۃ دے اور کتنی اور کیوں، جب کہ زید نے سن رکھا ہے کہ رہنے کے گھر سجاوٹ کے برتن، ہیرے جواہرات، سواریاں، اور گھر کے ساز و مان پر زکوۃ واجب نہیں ہے، یہ بتائیں کہ اگر زید کو زکوۃ دینا ہی ہے تو بینک کے ذریعہ کمائے ہوئے پیسے پر زکوۃ کا لینا اور دینا کیسا ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ قرآن میں کنز، اور عفو سے مراد کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رہائشی مکانات گھریلو استعمال کے آلات، فیکٹری کی زمین اور اس میں لگی ہوئی مشینں، ذاتی استعمال کی سواریاں اور ہیرے جواہرات وغیرہ پر شرعاً زکوۃ کا مطالبہ نہیں ہے، اور زمینوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خریدتے وقت ان میں صرف کاشت کی نیت تھي، تو ان کی قیمت زکوۃ میں شامل نہیں ہوگی، اور اگر خریدتے وقت یہ نیت کی تھی کہ ریٹ بڑھ جانے پر اسے بیچ دیں گے، تو یہ زمین مال تجارت میں شامل ہوگی، اور اس کی قیمت زکوۃ میں لگائی جائے گی، اس کے بعد سال کے قمری مہینوں سے زکوۃ کی ادائیگی کی مقررہ تاریخ کو زید کی ملکیت میں جتنا مال تجارت (خواہ وہ تیار شدہ ہو یا تیاری کے مرحلہ میں ہو) بینک میں جمع شدہ بیلنس اور نقد روپیہ، اسی طرح تجارتی پلاٹ اور زمینیں اور سونے چاندی کے زیورات میں ان سب کی قیمت جوڑ کر زید پر بینک کا جو قرضہ ہے اس کو منہا کرنے کے بعد جو رقم بچے اس کا ڈھائی فیصدی زکوۃ میں ادا کرنا لازم ہوگا، اور بینک سے سودی قرض لینا شرعاً حرام ہے، جب تک بینک سے سودی معاملہ رہے گا زید گنہگار ہوگا، لیکن بینک سے قرض پر لئے ہوئے مال سے جو آمدنی ہوگی اس کو حرام

نہیں کہا جائے گا،اور حسب قواعد اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور جان بوجھ کر ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے زکوۃ واجب نہ ہو سخت مکروہ اور ناپسند ہے،اور کنز کا اطلاق ایسے مال پر ہوتا ہے جس کی زکوۃ ادا نہ ہوئی ہو جس کو جمع کرنے پر قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے،اور عفو کا اطلاق ایسے مال پر ہوتا ہے کہ جو اپنی ضرورت سے زائد ہو قرآن پاک میں نفلی صدقات کے لئے ایسے مال سے خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [التوبة: ٣٤]

عن سعيد بن أبي سعيد أن عمر رضي الله عنه سال رجلا عن ارض له باعها فقال له احرز مالک واحفر له تحت فراش امرائتک قال يا امير المؤمنين اليس بكنز؟ فقال ليس بكنز ما أدى زكاته.

عن مجاهد وعطاء قالا ليس المال بكنز اذا ادى زكاته وان كان تحت الارض وان كان لايودى زكاته فهو كنز وان كان على وجه الأرض.

وهٰكذا روى عن ابن عباس وجابر رضي الله عنهم. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١١/٢ رقم: ١٠٥١٦-١٠٥١٨-١٠٥١٧-١٠٥٢٠ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الحكم عن مقسم عن ابن عباس: ﴿وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ﴾ قال: يفضل عن أهلک، كذا روى عن ابن عمر و مجاهد و عطاء و عكرمة و سعيد بن جبير و محمد بن كعب و الحسن و قتادة و القاسم وسالم و عطاء الخراساني والربيع بن أنس وغير واحد، أنهم شيئ، وعن الربيع أيضا: أفضل مالک و أطيبه والكل يرجع إلى الفصل. (تفسير ابن كثير ١٧٢)

والعفو: ما سهل و تيسر وفضل، ولم يشق على القلب إخراجه؛ ومنه قول الشاعر

خذي العفو منى تستديمى ☆ ولا تنطقي في سورتي حين أغضب

فالمعنى: أنفقوا مافضل عن حوائجكم، ولم تؤذوا فيه أنفسكم فتكونوا عالة؛ هذا أولىٰ ما قيل في تأويل الآية، وهو معنى قول الحسن وقتادة و عطاء والسدي والقرظي محمد بن كعب و ابن أبى ليلىٰ وغيرهم، قالوا: العفو ما فضل عن العيال؛ و نحوه عن ابن عباس، وقال جمهور العلماء: بل هي نفقات التطوع. (تفسير قرطبي الجامع لأحكام القرآن ٢/ ٥٨)

وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة، وسلاح الاستعمال زكوة؛ لأنها مشغولة بحاجة الأصلية ليست بنامية. (شامي ٣/ ١٧٨ زكريا، و مثله في الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٧٢)

ومنها كون المال فاضلاً عن الحاجة الأصلية الخ كثياب البذلة والمهنة والعلوفة والحمولة والعمولة من المواشي وعبيد الخدمة والمسكن والمراكب. (بدائع الصنائع ٢/ ٩١ زكريا)

قال الشيخ الإمام الأجل شمس الأئمة الحلواني رحمه اللّٰه: الذي كرمها محمد بن الحسن رحمه اللّٰه تعالىٰ والذي رخص فيها أبو يوسف رحمه اللّٰه فقد ذكر الخصاف رحمه اللّٰه تعالىٰ الحيلة في إسقاط الزكاة وأراد به المنع عن الوجوب لا الإسقاط بعدم الوجوب ومشايخنا رحمهم اللّٰه تعالىٰ أخذوا بقول محمد رحمه اللّٰه دفعا للضرر عن الفقراء. (الفتاوىٰ الهندية ٦/ ٣٩١)

عن ابن سيرين أن رجلا أقرض دراهم و شرط عليه ظهر فرسه، فذكر ذٰلک لابن مسعود فقال: ما أصاب من ظهر فهو ربا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٩/ ٣٨٨ رقم: ١٣٦٨٣ زكريا)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعا كل قرض جر منفعة فهو رباء. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٩/ ٣٨٨ رقم: ١٣٦٨٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/ ۱/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہیز میں ملے غیر مستعمل برتنوں پر زکوٰۃ؟

سوال (۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیوی کے جہیز میں ملے ہوئے برتن جس کا استعمال نہیں ہوتا یا بیٹی کے لئے اکٹھا کیا گیا جہیز یا زیور پر زکوٰۃ دینا واجب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہیز میں ملے برتنوں پر زکوٰۃ نہیں، اور بیٹی کے لئے اگر سونا چاندی بقدر نصاب جمع ہو تو ایک سال گذرنے پر زکوٰۃ دینی واجب ہوگی۔ دوسرے جمع شدہ سامان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن عروة عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: لا بأس بلبس الحلي إذا أعطي زكاته. (السنن الكبرىٰ ٢٣٤/٤ رقم: ٧٥٤٥)

عن علقمة أن امرأة عبد اللّٰه سألت عن حلي لها فقال: إذا بلغ مأتي درهم ففيه الزكاة قالت: أضعها في بني أخ لي حجري قال: نعم. (السنن الكبرىٰ ٢٣٤/٤ رقم: ٧٥٤٦، درمختار، كتاب الزكاة ١٧٤/٣ زكريا، البحر الرائق، كتاب الزكاة ٢٠٢/٢ كراچى)

وليس في دور السكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة؛ لأنها مشغولة بحاجته الأصلية. (شامى ١٧٨/٣ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧٣/٣ رقم: ٤٠٣١ زكريا، هداية ٢٠٢/١، ايضاح النوادر ٣٣/٢-٣٥)

وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي ...... تام. (درمختار، كتاب الزكاة ١٧٤/٣ زكريا، البحر الرائق، كتاب الزكاة ٢٠٢/٢ كراچى)

ولا زكاة في الجواهر واللآلي إلا أن يتملكها بنية التجارة كسائر العروض. (طحطاوي على المراقي ٣٩١، الجوهرة النيرة ١٥٢/١، شامى ٢٧٢/٢ كراچى، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٣٧/٢) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۹ھ

رہائشی مکان پرزکوٰۃ نہیں

سوال (۶۴): -کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگرکسی شخص پر ۲۵؍ ہزار روپئے کی مالیت کی زمین ہے یا مکان ہےتو اس پرزکوٰۃ دینا واجب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرکسی کے پاس بقدرنصاب سونایاچاندی یاسامانِ تجارت یاروپیہ وغیرہ نہیں،صرف مکان یاجائیداد ہےتواس پرزکوٰۃ واجب نہیں،خواہ اس مکان کی قیمت کتنی ہو۔

عن نافع عن ابن عمر قال: ليس في العروض زكاة في عرض فی تجارة فإن فيه زكاة. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٠٦/٢ رقم: ١٠٤٥٩)

عن عبد الملک عن عطاء في الرجل يشتري المتاع فيمكث السنين يزكيه قال: لا. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٠٦/٢ رقم: ١٠٤٦١)

لا زكاة في ...... دور السكنى. (درمختار مع الشامي ١٨٢/٣ زكريا، مستفاد: بہشتی زیور اختری ۲۵/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقرمحمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۹ھ

دوکان کے سامان پرزکوٰۃ؟

سوال(۶۵): -کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس ایک دوکان ہےاس میں اَن گنت سامان ہے، کیاان چیزوں کی قیمت کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یافروخت شدہ مال کی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان میں موجود سامانِ تجارت کی قیمت لگائی جائے گی، وہ اگر نصاب کو پہنچتی ہوتو اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا۔

عن ابراهیم قال: کل شیئ أرید به التجارة ففیه الزکاة و إن کان لبنا أو طینا قال: و کان الحکم یری ذٰلک. (المصنف لابن أبي شیبة ۲/ ۴۰۶ رقم: ۱۰۴۶۲)

عن سمرة بن جندب: أما بعد فإن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع. (السنن الکبریٰ للبیهقي ۴/ ۲۴۷ رقم: ۷۵۹۷)

عن نافع عن ابن عمر قال: لیس في العروض زکاة إلا ما کان للتجارة. (السنن الکبریٰ للبیهقي ۴/ ۲۴۷ رقم: ۷۶۰۵)

أو في عرض تجارة قیمته نصاب. (درمختار ۲/ ۲۹۸ کراچی، ۳/ ۲۲۸ زکریا)

رجل له مائتا قفیز خنطة للتجارة حال علیها الحول، وقیمتها مائتا درهم حتی وجبت علیها الزکاة. (الفتاوی التاتارخانیة ۳/ ۱۶۹ رقم: ۴۰۱۸)

الزکاة واجبة فی عروض التجاره کائنة ما کانت، إذا بلغت قیمتها نصاباً. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۷۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/ ۱۰/ ۱۴۱۱ھ

ضرورت سے زائد کرایہ پر دیئے ہوئے مکان پر زکوٰۃ؟

سوال (۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضرورت سے زائد مکان جو کرایہ پر دے رکھا ہے، اس مکان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ضرورت سے زائد مکان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۳۳-۶/۱۵۷، امداد الفتاویٰ ۲/۱۷)

بلکہ اس سے حاصل شدہ کرایہ کی آمدنی اگر نصاب کے برابر ہو جائے تو سال گذرنے کے بعد اس منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لا زكاة في ثياب البدن واثاث المنزل ودور السكنىٰ. (الدر المختار على هامش رد المحتار ۳/۱۸۲ زكريا)

ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويؤاجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة. (الفتاوى الخانية ۱/۲۵۱، الفتاوى التاتارخانية ۱/۱٦۹ رقم: ٤۰۱۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کاروباری زمین پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (٦۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جولوگ زمینوں کی خرید وفروخت کا کام کاروبار کی حیثیت سے کرتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جولوگ زمین کی خرید وفروخت کا کام کرتے ہیں، ان کے لئے یہ زمین مال تجارت کا حکم رکھتی ہے، لہٰذا سال پورا ہوتے وقت جو زمینیں ملکیت میں ہیں ان کی موجودہ قیمت لگاکر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: أما بعد، فإن رسول اللّٰه صلى

اللّٰـه عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد ٢٩١ رقم: ١٥٦٢ دار الفكر بيروت)

الزكاة واجبة في عـروض التجارة كائنة ماكانت، إذا بلغت قيمتها نصاباً. (الفتاویٰ الهندية ١٧٩/١)

أو في عرض تجارة قيمته نصاب الجملة صفة عرض وهو هنا ماليس بنقد. (درمختار مع الشامي ٢٢٨/٣ زكريا ديو بند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قیمت بڑھ جانے پر نفع کے ساتھ فروخت کرنے کی نیت سے خریدی گئی زمین پر زکوٰۃ؟

سوال (۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جوشہری زمین جائیداد اپنی ذاتی ضرورت رہائش یا کاروبار سے ہٹ کر اس نیت سے خریدی جائے کہ یہ مستقبل میں منافع بخش ہوگی، اس پر زکوۃ دینا فرض ہوگا یانہیں؟ اور اگر ہوگا تو اس کی ادائے گی کا طریقہ کیا ہوگا (سالانہ یا فروخت ہونے پر) (۱) اپنی زمین ذاتی ملکیت بھی ہوسکتی ہے (۲) قسطوں پر ادائیگی بھی ہوسکتی ہے (۳) شراکت کی بھی ہوسکتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ جائیداد کی خریداری کے وقت اگر یہ نیت تھی کہ اس کی قیمت بڑھ جائے گی، تو نفع کے ساتھ بیچ دوں گا، تو اس جائیداد کا شمار تجارتی مال میں ہوگا اور ہر سال اس کی بازاری قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی ضروری ہوگی، اب اگر یہ ذاتی یا شراکت کی زمین ہے اور اس کی قیمت پوری ادا کی جا چکی ہے تو کل قیمت پر زکوۃ ہوگی، لیکن اگر قسط پر خریدی گئی ہے تو مابقیہ رقم قرض شمار ہوگی، اور اس کو موجودہ قیمت سے منہا کر کے زکوۃ کی ادائے گی کا حکم ہوگا۔

(ایضاح النوادر۲/ ۳۶)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: أما بعد، فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد ۲۹۱ رقم: ۱۵٦۲ دار الفكر بيروت)

وشرطه، أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فى ملكه إلى قوله: أونية التجارة في العروض، إما صريحا ولابد من مقارنتها لعقد التجارة. (الدر المختار ۳/ ۱۸٦ زكريا)

فارغ صفة نصاب عن الدين، والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم الله تعالى، وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان، فينتظم الدين المؤجل. (مجمع الأنهر ۱/ ۱۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/ ۶/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فروخت کرنے کی نیت سے خریدی گئی زمین اور بلڈنگ پر زکوٰۃ

سوال (۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) بلڈنگ فروخت کرنے کے لئے بنوائی، زکوۃ فروخت کرنے سے پہلے واجب ہوگی یا فروخت کرنے کے بعد؟

(۲) زمین اس نیت سے خریدی کہ اس میں بلڈنگ بنا کر فروخت کی جاوے، لیکن ابھی اس میں بلڈنگ نہیں بنائی گئی ہے، کیا اس زمین پر زکوۃ واجب ہوگی؟

(۳) زمین خرید کر اس میں عمارتیں اور بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اسی نیت سے زمین خریدی، لیکن ابھی اس میں تعمیر نہیں ہوئی ہے صرف زمین پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بلڈنگ شروع سے ہی فروخت کے لئے بنائی گئی

ہے، وہ مال تجارت میں داخل ہے، اور اس کی قیمت پر زکوۃ واجب ہوگی خواہ فروخت ہو یا نہ ہو۔

اگر بلڈنگ کے ساتھ زمین بھی بیچنے کا ارادہ ہے تو یہ زمین بھی سامان تجارت میں داخل ہے، اور اس کی قیمت پر بہر حال زکوۃ واجب ہے۔

جو زمین فروختگی کے لئے خریدی گئی ہے، اس کی قیمت پر زکوۃ واجب ہے خواہ اس پر بلڈنگ تیار ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

ومنها كون النصاب ماليا حقيقةً أو تقديراً، وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين: خلقي وفعلي، فالخلقي الذهب والفضة، والفعلي ماسواه ويكون الاستمناء بالتجارة. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٧٤)

هي تمليك مخصوص – إلى قوله – فارغ عن الدين وعن حاجته الأصلية تام، وتحته في الطحطاوي والنماء الحقيقي يكون بالتوالد والتناسل والتجارة. (حاشية الطحطاوي ٧١٣ – ٧١٥ أشرفي)

جو زمین دس لاکھ میں خریدی گئی اور بعد میں زکوۃ کی ادائے گی کے وقت اس کی قیمت بڑھ کر ایک کروڑ ہوگئی، تو ایک کروڑ ہی پر زکوۃ واجب ہوگی۔

وحكم الحول وجوب الزكاة أيضا، فمن ملك مأتي درهم وحال الحول وقد حصلت في أثنائه أو في وسطه مائة درهم يضمهما إليه، ويزكي عن الكل.

(مجمع الأنهر مصر ١/ ٢٠٧)

ويزكي بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة، أو ميراث. (مراقي الفلاح ٧١٥ أشرفي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان بنا کر بیچنے کی غرض سے خریدی ہوئی زمین اور تعمیر شدہ مکانوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میں پہلے سے صاحب نصاب ہوں، ہر سال رمضان میں زکوٰۃ نکالتا ہوں، اس سال رمضان سے ۴ مہینے قبل ایک بہت بڑی زمین خریدی جس میں مکانات کی تعمیر جاری ہے، جن میں سے ابھی صرف ۳ مکان فروخت ہوئے ہیں، اور ۱۰ مکان مکمل تیار ہیں، اس کے علاوہ ۳۰ مکانات نامکمل اور دیگر ۳۰ مکانات کی بنیادیں کھد چکی ہیں، اس کے علاوہ ۱۰۰ مکانات کی زمین ابھی علی حالہ پڑی ہے، تو یہ سب مکمل نامکمل صرف اور صرف بنیادیں کھدی ہوئی اور زمین کی زکوۃ کی ادائیگی کا طریقہ مفصل بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ زمین اور فلیٹ کو بنانے اور بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں؛ لہٰذا اس میں زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ یہ مکمل زمین اور اس میں تعمیر شدہ مکانات خواہ مکمل ہوں یا نامکمل سب سامان تجارت میں شامل ہیں، اور سال مکمل ہونے پر جس قدر بھی زمین اور جتنے فلیٹ آپ کی ملکیت میں ہوں گے، ان سب کی اس وقت فروختگی کی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی ضروری ہوگی، اور جو فلیٹ اور پلاٹ بک چکے ہیں، ان کی رقم جس قدر اس وقت جمع ہو اس پر بھی حسب ضابطہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد از: کفایت المفتی ۴/۲۵۰)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: أما بعد فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٢٤٧ رقم: ٧٥٩٧، سنن أبي داؤد ٢٩١ رقم: ١٥٦٢ دار الفكر بيروت)

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه قال: ليس في العروض زكاة إلا ما كان للتجارة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٢٤٧ رقم: ٧٦٠٥)

الزكاة واجبة في عروض التجارة، وفي المضمرات: يريد بالعروض ما خلا الذهب والفضة والسوائم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٢٣٧)

ويشترط في عروض التجارة أن تكون قيمتها نصاباً كاملاً في ابتداء الحول وانتهائه، فلا عبرة للنقصان فيما بين ذلك الخ. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٢٤٠)

(۲) ''في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، تقوم بما أنفع للفقراء وتضم قيمتها إليهما ...... نقصان النصاب في أثناء الحول لا يضر إن كمل فى طرفيه؛ لأن فى أعتبار كمال النصاب في جميع الحول حرجاً، فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد، وفى آخره للوجوب''. (مجمع الأنهر ۱/ ۳۰٤ / كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه بيروت)

وعن محمد رحمه الله ...... إذا اشترى للتجارة أرض عشر، تجب الزكاة مع العشر. (الفتاوى التاتارخانية ۲/ ۲٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید سرکاری ملازم ہے اور صاحب نصاب ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، زید کی بیوی کے پاس زیور ہیں، اور وہ بھی صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ نکالتی ہے، زید کے دفتر والوں نے ایک ''کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی'' بنائی اور زمین خرید کر اس میں پلاٹ نکالے، زید نے بھی پلاٹ خریدا، اور ایک دوسرا پلاٹ خرید کر اپنی بیوی کو ہبہ کردیا، زید کو اس کے والدین کی طرف سے مکان ہبہ میں ملا ہے، جس میں رہائش ہے، کیا زید اور اس کی اہلیہ کو پلاٹوں کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی؟ پلاٹ تقریباً ۲۰ رسال سے خالی پڑے ہیں، زید کی پانچ بیٹیاں اور ایک چھوٹا بیٹا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو آپ نے پلاٹ خرید کر بیوی کو ہبہ کردیا ہے اس کی زکوٰۃ بیوی پر واجب نہیں ہے، اور جو آپ نے خود اپنے پاس رکھا ہے اس میں خریدنے کے وقت کی نیت کا اعتبار رہوگا، اگر آپ کی نیت یہ تھی کہ اسے بعد میں فروخت کردیں گے تو اس کی ہر سال موجودہ قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر خریدتے وقت وہاں رہائش یا کارخانہ

وغیرہ بنانے کی نیت تھی، تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وتشترط نية التجارة في العروض ولا بد أن تكون مقارنة للتجارة. (الأشباه قديم ٣٨)

الـزكـاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت، ويشترط نية التجارة.

(هداية ١/ ١٧٥)

وليـس فـي دور السكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنزل. (شـامي ٣/ ١٨٧ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/ ۱/ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خالی پڑے ہوئے پلاٹ پر زکوٰۃ؟

سـوال (۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا ایک پلاٹ خریدا ہوا ہے وہ استعمال نہیں ہوتا، تقریبا ۳۵/ ہزار روپئے اس کی قیمت ہے، میرے پاس اس کو پانچ سال ہوچکے ہیں۔ مہربانی فرماکر یہ بتائیں کہ کیا میں اس زمین کی قیمت کی زکوٰۃ ادا کیا کروں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ پلاٹ برائے تجارت خریدا ہے تو اس کی مالیت پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اور اگر اپنی رہائش یا کاشت کی ضرورت کے لئے خریدا ہے تو اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۵)

أي كثيـاب البـدن الـغيـر المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (شامی ۲/ ۲٦٥ کراچی، ۳/ ۱۸۳ زکریا)

عـن ابـن عـمـر رضـي الله عنهما قال: ليس في العروض زكاة إلا ما كان للتجارة. (السنن الكبرى للبيهقي، الزكاة / باب زكاة التجارة ٦/ ٦٤ رقم: ٧٦٩٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فروخت کرنے کی نیت سے خریدے ہوئے پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال (۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص زمین کے خریدنے اور بیچنے کی تجارت کرتا ہے، زمین خریدنے کے بعد نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہے، ایسے شخص نے جو زمین بیچنے کی نیت سے خریدی ہے، اس زمین کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص تجارتی پلاٹ کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے، تو یہ پلاٹ اس کے تجارتی مال میں شامل ہیں؛ لہٰذا سب کی قیمت لگاکر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۱۵۰/۶، احسن الفتاویٰ ۳۰۵/۴)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب، كذا في الهداية. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۹/۱)

أو في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق. (الدر المختار على هامش رد المحتار ۲۲۸/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس پلاٹ کے خریدتے وقت تجارت کی حتمی نیت نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال (۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس چالیس لاکھ روپئے ہیں، اس نے اس رقم کو بینک میں اس وجہ سے جمع

نہیں کیا کہ اس پر جو سود ملے گا، اس کا لینا حرام ہے؛ لہٰذا بینک میں جمع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، پھر اس رقم سے اس شخص نے زمین خریدی، اس نیت سے کہ اگر نفع کے ساتھ فروخت ہوگی تو بیچ دوں گا ورنہ مستقبل میں میرے بچوں کے کام آئے گی، تو اس زمین میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: چوں کہ اس پلاٹ کو خریدتے وقت حتمی طور پر تجارت کی نیت نہیں تھی؛ لہٰذا یہ جائیداد تجارتی مال میں شامل نہیں ہوگی، اور اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۴/۲۷۷)

ثم نية التجارة لا تعمل ما لم ينضم إليه الفعل بالبيع أو الشراء أو السوم فيما يسام . (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱٦٦/۳ زكريا)

وشرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فى ملكه أو نية التجارة فى العروض. (الدر المختار على هامش رد المحتار زكريا ۱۸٦/۳)

وتشترط نية التجارة في العروض، ولابد أن تكون مقارنة للتجارة.

(الاشباه والنظائر ۳۸)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: بسم اللّٰه الرحمن الرحيم من سمرة بن جندب إلى بنيه: سلام عليكم، أما بعد! فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمرنا برقيق الرجل، أو المرأة الذين هم تلاد له، وهم عملة لا يريد بيعهم، فكان يأمرنا أن لانخرج عنهم من الصدقة شيئا، وكان يأمرنا أن نخرج من الرقيق الذي يعد للبيع. (سنن الدارقطني، الزكاة/ باب زكاة مال التجارة وسقوطها هن خيل والرقيق ۲/۱۲۱ برقم: ۲۰۰۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارت کی غرض سے خریدے گئے پلاٹ کی زکوۃ

سوال (۵۷): -کیافرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:تجارت کی غرض سے خریدے گئے پلاٹ کی زکوۃ کس طرح ادا کی جائے؟ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے اس سال ایک پلاٹ خریدا جس کی قیمت مثلاً دس ہزارروپئے ہیں،ایک سال گذرتے گذرتے اس کی قیمت پچاس ہزار ہوگئی؟ میرے پاس فی الحال زکوۃ ادا کرنے کیلئے کوئی رقم نہیں اورابھی تک پلاٹ فروخت نہیں ہوا،اتفاق سے دوسرے تیسرے سال اس کی قیمت نصاب سے بھی کم ہوگئی،تواب چند باتیں قابل غور ہیں۔

الف:- پہلے سال میں مجھے دس ہزار کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا پچاس ہزار کی؟

ب:- زکوۃ ادا کرنے کیلئے فی الحال کوئی رقم نہیں،زکوٰۃ کب ادا کی جائے؟

ج:- دوسرے تیسرے سال نصاب سے کم ہونے کی صورت میں سنین ماضیہ کی زکوۃ ادا کرنا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: الف: زکوۃ ادا کرتے وقت تجارتی پلاٹ کی بازاری قیمت جتنی ہوگی اسی حساب سے زکوۃ نکالنا فرض ہوگا،خواہ پچاس ہزار ہو یا اس سے کم وبیش۔

ب:- اگرزکوۃ کی ادائیگی کے لئے رقم کا انتظام نہیں ہے تو دیگر سامان زکوۃ میں دے کر یا کسی طرح بھی رقم کا انتظام کر کے جلد از جلد زکوۃ کی ادائیگی کی کوشش کرنی چاہئے۔

ج:- یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ پلاٹ کی قیمت اصل نصاب زکوۃ سے بھی کم رہ جائے،تاہم اصل حکم شرعی یہ ہے کہ جن سالوں کے ابتداء اورانتہاء میں پلاٹ کی قیمت نصاب کے بقدر رہی ہو ان سالوں کی زکوۃ بہر حال واجب ہوگی۔(مستفاد ایضاح النوادر ۲/۱۴۱، فتاوی دارالعلوم ۶/۱۴۲، رحیمیہ ۷/۳۶۵)

عن عمرو بن دینار عن طاوس قال: بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

معاذاً إلى اليمن فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ لعروض والشياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٤ رقم: ١٠٤٣٧)

عن ليث عن عطاء أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٤ رقم: ١٠٤٣٨)

عن أبي سنان عن عنترة أن علياً كان يأخذ العروض في الجزية من أهل الإبر الإبر ومن أهل المال المال ومن أهل الجال الجال. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٥-٤٠٤ رقم: ١٠٤٤١)

وعندهما في الفصلين جميعا يؤدى قيمتها يوم الأداء في النقصان ...... وفي الزيادة. (بدائع الصنائع، التصرف في مال الزكوة ٢/١١٥ زكريا)

ويجوز دفع القيم في الزكوة عندنا (هداية ١/١٩٢)

وشرط كمال النصاب ولوسائمة في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد، وفي الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما. (درمحتار مع الشامي ٣/٢٣٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۷/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارتی پلاٹ پر وارثین کی ملک میں آنے کے بعد زکوٰۃ کا حکم

سوال (۷٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جناب زید اپنی حیات میں پلاٹنگ کا کاروبار کرتے تھے؛ لیکن اب وہ دنیا سے رخصت ہوگئے، وارثین میں ۳؍ بیٹے اور ایک بیوی ہے، بڑا بیٹا ان کے انتقال کے وقت بالغ تھا، جب کہ دو بیٹے سن رشد کو نہیں پہنچے تھے۔

ضروری عرض یہ یہ کرنا ہے کہ وارثین کے حصہ میں آنے والا ترکہ (زمین پلاٹنگ) ان کے انتقال کے بعد بھی مال تجارت ہی رہے گی، یا تبدیل ملک کی بناء پر اس کا حکم نئے مالکین کے تصرف

کے مطابق ہوگا، جواب خواہ نفی میں ہو یا اثبات میں لیکن آنحضور اس بات کی صراحت تفصیلی طور پر فرمادیں کہ بہرصورت وجوب زکوٰۃ کی شکل کیا ہوگی؛ کیوں کہ ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں تجارتی زمین کے علاوہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ ضروریات سے فاضل پلاٹ کی شکل میں بڑی ہو یا زراعت کے کام میں استعمال ہورہی ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وارثین کے حصہ میں آنے کے بعد مذکورہ تجارتی پلاٹ سے تجارت کی نیت منقطع ہوجائے گی، اب ان کا آگے کا معاملہ نئے مالکین کی نیت اور تصرف کے مطابق ہوگا، جو پلاٹ جس وارث کے حصہ میں آئیں گے سردست کسی وارث پر ان کی کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، تا آنکہ وہ مالک اپنی ملکیت والے پلاٹ کو تجارتی مقصد سے فروخت کردے، تو اس سے حاصل شدہ رقم پر حسب قواعد سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یا اگر وہ اس رقم سے دوسرے تجارتی پلاٹ خریدیں تو ان پلاٹوں کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور جو مالکین نابالغ ہیں جب تک وہ بالغ نہ ہوجائیں ان پر کوئی زکوٰۃ وغیرہ واجب نہیں ہے۔

وتشترط نية التجارة في العروض، ولابد أن تكون مقارنة للتجارة.

(الأشباه والنظائر ٣٨)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من استفاد مالاً فلا زكاة فيه حتى يحول عليه الحول. (مشكوة المصابيح ١٥٧، سنن الترمذي ١/١٣٨)

وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي، وأما المستفاد في أثناء الحول فيضم إلى مجانسة، ويزكى بتمام الحول الأصلي سواء أستفيد بتجارة أو ميراث. (مراقي الفلاح/ ٧١٤- ٧١٥)

في عروض التجارة بلغت قيمتها نصابا من أحدهما تقوم بما هو أنفع

لـلـفـقـراء، وتـضم قيمتها إليهما ...... نقصان النصاب فى أثناء الحول لا يضر إن كـمـل فـي طرفيه؛ لأن فى اعتبار كمال النصاب في جميع الحول حَرَجاً، فاعتبر وجـود الـنـصـاب فـي أول الـحول للإنعقاد، وفي آخره للوجوب. (مجمع الأنهر ١/٢٠٧-٢٠٨ داراحياءالتراث العربى بيروت)

الـزكـاة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا مـن الـورق، أو الـذهـب لقوله عليه الصلاة والسلام فيها: يقومها فيؤدى من كل مائتي درهم خمسة دراهم. (فتح القدير ٢/٢١٨)

فـالـزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الذهب أو الفضة. (الفقه الحنفي وأدلته ١/٣٣٤)

وشـرط وجـوبهـا أي أفتـراضها العقل والبلوغ والإسلام والحرية. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر ١/١٩٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خرید کر کرایہ پر دی گئی زمین پر زکوٰۃ

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی جائیداد خرید کر یا بنا کر کرایہ پر دیدی جائے تو اس پر زکوۃ کی نوعیت کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں جائیداد کی اصل قیمت پر تو زکوٰۃ نہیں، لیکن اس سے حاصل شدہ آمدنی کو دیگر اموال زکوٰۃ کے ساتھ ملایا جائے گا، اور مجموعی رقم پر حسب شرائط زکوٰۃ واجب ہوگی۔

إذا أجـر داره أو بـعـده بـمائتي درهم لا تجب الزكوة مالم يحل الحول بعد

القبض في قل أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالى: فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعد الحول، كان عليه درهمٌ بحكم الحول الماضى قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن التجارة في الصحيح من الرواية''.

(فتاویٰ قاضي خان بهامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة / فصل فى مال التجارة ٢٥٣/١ رشيدية)

فليس في دور السكنى …… وسلاح استعمال زكاة …… وكذا كتب العلم إن كان من أهل وآلات المتحرفين، هذا في الآلات التى ينتفع بنفسها ولا يبقى اثرها في المعمول''. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة ١٧٢/١ رشيديه)

ولو أجر عبده أو داره بنصاب إن لم يكونا للتجارة لا تجب ما لم يحل الحول بعد القبض الخ . (البحر الرائق، كتاب الزكاة ٢٠٨/٢ مطبوعه ماجديه كوئٹه)

وشرطه، أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فى ملكه. (درمختار مع الشامي ١٨٦/٣)

ولو اشترى قدوراً من صفر يمسكها ويواجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة. (فتاوى خانية ٢٥١/١) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ؟

سوال (۷۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس مکان کی آمدنی جو کرایہ کی شکل میں آتی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان کی آمدنی جو کہ کرایہ کی شکل میں آتی ہے، اس کو دیگر ذرائع آمدنی میں شامل کرلیا جائے گا، اور اگر وہ سب مال زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ گیا تو اس پر

زکوۃ واجب ہوگی ۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۳۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۳۲)

إذا أجر داره أو عبده بمائتي درهم لا تجب الزكوة مالم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالى: فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعد الحول، كان عليه درهمٌ بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن التجارة في الصحيح من الرواية''.

(فتاویٰ قاضي خان بهامش الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۵۳، کتاب الزکاة / فصل فی مال التجارة، رشيديه)

فليس في دور السكنى ...... وسلاح استعمال زكاة ...... وكذا كتب العلم إن كان من أهل وآلات المتحرفين، هذا في الآلات التى ينتفع بنفسها ولا يبقى اثرها في المعمول. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الزکاة ۱/ ۱۷۲ رشيدية)

ولو أجر عبده أو داره بنصاب إن لم يكونا للتجارة لا تجب ما لم يحل الحول بعد القبض الخ . (البحر الرائق، کتاب الزکاة ۲/ ۲۰۸ مطبوعه ماجديه کوئٹه)

وشرطه، أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه. (درمختار مع الشامي ۳/ ۱۸۶)

فإذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (هدايه ۱/ ۱۹۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱۱/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذاتی اسکول کی آمدنی پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ذاتی اسکول کی آمدنی پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذاتی اسکول کی آمدنی اگر بقدر نصاب ہوتو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۳۱۰)

فإذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (هدايه ١/١٩٤)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا زکوٰۃ وصول کرنے والے سفیر کو تملیک کے بغیر زکوٰۃ میں تصرف کا حق حاصل ہے؟

سوال (۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی آیت ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ لوگوں کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کریں اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام المسلمین اور سربراہ مملکت نائب اور قائم مقام ہونے کے اعتبار سے وہ بھی اس کا مخاطب ہے اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کر کے اس کو مصارف پر صرف کرے۔

قرآنِ کریم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے تعامل سے یہ بات ثابت ہے اور یہی تمام مشہور فقہاء کا مسلک ہے کہ امام المسلمین لوگوں سے چار قسم کے اموال وصول کرے گا اور ہر آمد کا حساب علیحدہ علیحدہ رکھے گا؛ بلکہ ہر آمد کا بیت المال بھی الگ الگ رکھنا ضروری ہے تاکہ خلط ملط اور کسی قسم کی گڑبڑی نہ ہو کہ ایک مد کا مال دوسری مد میں صرف ہو جائے اور

امام المسلمین پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مدز کوٰۃ کو اس کے مستحقین پر تملیکاً صرف کرے، فقہ کی مستند ومشہور کتاب بدائع الصنائع میں ہے: **وعلى الإمام صرف هٰذه الحقوق إلى مستحقيها.**

(بدائع الصنائع ٦٨/٢)

قرآنِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نائب ہونے کے اعتبار سے امام المسلمین پر زکوٰۃ وصول کرنے اور مصارف پر صرف کرنے کا فریضہ عائد کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ کام براہِ راست امام خود انجام نہیں دے سکتا؛ بلکہ کچھ کارندوں اور عمال کے ذریعہ ہی یہ کام انجام پا سکے گا اور جو لوگ اس کام میں مشغول ہوں گے تو ان کی معاشی ضروریات کا اسی میں سے پورا ہونا ضروری ہے، اسی حکمت سے اللہ تعالیٰ نے عاملین کو بھی بقدرِ عمل زکوٰۃ کا ایک مصرف قرار دے دیا ہے، لیکن زکوٰۃ کے سلسلہ میں جماعت اسلامی اور اس کے بانی مولانا مودودی صاحب کا نظریہ اور عقیدہ ومسلک ساری امت کے خلاف ہے کہ غریبوں کے نام سے جماعتی یا انفرادی طور پر جو بھی زکوٰۃ کا چندہ کرے گا وہ اس کا مالک ہو گیا، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو صرف کرے، مکان بنوائے، کپڑے خریدے، شفا خانے چلائے، ڈاکٹروں کو تنخواہ دے، ادارے بنوائے، ملازمین کو تنخواہ دے، گاڑیاں خریدے، الیکشن لڑے، وہ کہتے ہیں کہ اصل مستحق کے پاس مال آنے سے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور وہ اس مال زکوٰۃ میں جتنے اور جس طرح چاہے تصرفات کر سکتا ہے، اس کے تصرفات پر کسی قسم کی روک نہیں ہے، وہ جس طرح چاہے خرچ کرے اور جتنا چاہے خود رکھ لے، یا اپنے ساتھیوں کو دے دے، اس کے لئے مستحقین کو تملیکاً دینا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ خود اس کا مالک ہو گیا۔

آپ کو شاید معلوم ہو کہ کافی دنوں سے مرادآباد میں جماعت اسلامی کے ایک سرگرم کارکن صاحب اہل مرادآباد سے لاکھوں روپیہ صدقہ فطر چرم قربانی اور زکوٰۃ کی رقم سے ماہانہ اور سالانہ غریبوں اور خدمت خلق کے نام سے وصول فرما رہے ہیں، اور قرآنِ کریم، حدیث پاک، اجماع امت سب کے خلاف جماعت اسلامی کے نظریات عقیدہ اور مسلک کے اعتبار سے من مانے

طریقہ پرخرچ فرما رہے ہیں، اوراس کے ذریعہ سے جماعتی نظریات کا زوردار پرچار کر کے گمراہی پھیلائی جارہی ہے۔

مرادآباد میں جہاں بڑے بڑے متعدد مدارس ہیں اور علماء کی اچھی خاصی تعداد یہاں موجود ہے، ان سب کی موجودگی کے باوجود یہ دھندہ یہاں زور وشور سے چل رہا ہے، اس لئے علماء اور مدارس کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلہ کی وضاحت کریں اور زکوٰۃ کے بارے میں لوگوں کو شرعی صحیح احکامات بتلائیں، زکوٰۃ کے بارے میں جماعت اسلامی کا جو عقیدہ ومسلک ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے جماعت کے بانی مولانا مودودی کی کتاب رسائل ومسائل حصہ سوم سے ان کی تحریر کا فوٹو بھی ساتھ میں منسلک کیا جارہا ہے۔

مذکورہ بالاتحریر کی روشنی میں آپ دوسوالوں کا جواب واضح طور پر تحریر فرمائیں۔

(۱) کیا زکوٰۃ کے بارے میں جماعت اسلامی کا عقیدہ نظریہ اور مسلک درست ہے؟ اور شرعی اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

(۲) حقیقت حال معلوم ہوجانے کے بعد جولوگ جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن صاحب کو زکوٰۃ صدقہ فطر اور چرم قربانی دیں گے، تو کیا یہ دینا جائز ہوگا، اوران کی زکوٰۃ اور تصدقِ واجب ادا ہوجائے گا یا ان کا یہ مال ضائع ہوجائے گا، اوران پر ضروری ہوگا کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ نکالیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مصارف زکوٰۃ پر تملیکاً صرف ضروری ہے اگر تملیک نہ پائی جائے تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوتی۔

قال في الدر المختار: ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر. (الدرالمختار مع الشامي ۳۴۴/۲ کراچی، تبیین الحقائق/ باب المصرف ۳۰۰/۱ امدادیة ملتان، مجمع الأنهر / باب المصرف ۳۲۸/۱ دار الکتب العلمیة)

اورحنفیہ کا یہ مسلک قرآنِ کریم کی آیت ”واٰتوا الزکوٰۃ“ سے مستفاد ہے۔

قال العلامة عثمان بن علي الزیلعي في التبیین: واٰتوا الزکوٰۃ یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة. (تبیین الحقائق ۱۸/۲ زکریا دیوبند)

حتی کہ ہمارے نزدیک یہ قید صرف شخصی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ

امام وقت اور بیت المال پر بھی مصارف اور مستحقین کا پورا پورا خیال رکھنا لازم قرار دیا گیا ہے۔

قال في البدائع: وعلى الإمام صرف هٰذه الحقوق إلى مستحقيها. (البدائع الصنائع ۲/ ٦۹)

وقال في الهندية: والواجب على الأئمة أن يوصلوا الحقوق إلى أربابها لايحبسونها عنهم ولا يحل للإمام وأعوانه من هٰذه الأموال إلا ما يكفيهم وعائلتهم. (الفتاویٰ الهندية / فصل ما يوضع في بيت المال أربعة أنواع ۱/ ۱۹۱ داراحياء التراث العربی بيروت)

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصول کرنے سے امام وقت بھی اس کا مالک نہیں ہوجاتا کہ اسے جیسے چاہے خرچ کرے؛ بلکہ وہ فقراء کا وکیل ہوتا ہے یعنی جب تک وہ حاصل کردہ رقومات جائز مصارف تک نہ پہنچادے اس وقت تک وہ بریٔ الذمہ نہیں ہوسکتا، چناں چہ ارشادنبوی: **فأعلمهم أن اللّٰه قد فرض عليهم صدقة توخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم.** (مشکوٰۃ المصابيح ۱/ ۱۵۵) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور حکومت اسلامی کی طرف سے مقرر کردہ وصولی زکوٰۃ کے کارندے (عاملین) خود اپنے لئے زکوٰۃ وصول نہیں کرتے؛ بلکہ وہ سرکاری بیت المال کے لئے کام کرتے ہیں، اسی بنا پر ان کا قبضہ بیت المال کا قبضہ مانا جاتا ہے، اور اگر مال زکوٰۃ ان کے پاس ضائع ہوجائے تو مودی کی زکوٰۃ حکماً ادا قرار پاتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عاملین کو مالک نہیں بنایا جاتا؛ بلکہ ان کے واسطہ سے بیت المال تک رقم پہنچائی جاتی ہے۔

ولما حصل في يد الإمام حصلت الصدقة مؤداة حتى لو هلك المال في يده يسقط الزكوٰة عن صاحبها. (بدائع الصنائع، الزكاة/ باب يرجع إلى المؤدى إليه ۲/ ۱۵۲ زكريا)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أنه قال: أتى رجل من بني تميم إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: يا رسول اللّٰه! إذا أديت الزكاة إلى رسولك فقد برئت منها إلى اللّٰه وإلى رسوله، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: نعم إذا أديت الزكاة إلى رسولي فقد برئت منها لك أجرها وإثمها على

من بدلها. (السنن الكبرى للبيهقي، الزكاة / باب الزكاة تتلف في يدى الساعى الخ ۲/٥ ٥٠ برقم: ۷۳۸۰، المصنف لعبد الرزاق، الزكاة / باب موضع الصدقة الخ ٤٥/٤ رقم: ٦٩١٩، الفتاویٰ التاتارخانية ۱۹۹/۳ رقم: ٤١٢٤)

لہٰذا اس زکوٰۃ کی رقم میں عامل کو ہرگز یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اسے چاہے جہاں اور جس طرح خرچ کرے، نیز فقہاء کی نظر میں الفاظ قرآنی ﴿وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ سے مراد ہر زکوٰۃ لینے والا نہیں؛ بلکہ وہی عامل ہے، جسے باقاعدہ اسلامی حکومت نے مقرر کیا ہو۔

العامل وهو من نصبه الإمام لاستيفاء الصدقات والعشور. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۸/۱، بدائع الصنائع، الزكاة / باب يرجع إلى المؤدى إليه ۱/۲ ١٥ زكريا)

العاشرة: قول تعالىٰ: ﴿وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ يعنى السُّعاة والجُباة الذين يبعثهم الإمام لتحصيل الزكاة بالتوكيل على ذلك. روى البخاري عن أبي حُميد الساعدي قال: استعمل رسول الله ﷺ رجلاً من الأسد على صدقات بني سُليم يُدعى ابن اللتبية، فلما جاء حاسبه. (الجامع الاحكام القرآن للقرطبي ج: ٤، الجزء الثامن ص: ١٠٤، سورة البراءة، الكتبة النجارية)

بریں بناء غیر سرکاری عاملین پر پوری طرح وہ احکامات جاری نہیں کیے جاسکتے جو سرکاری عاملوں پر جاری ہوتے ہیں، زیادہ سے زیادہ مشابہت ثابت کی جاسکتی ہے جس سے اصل حکم یعنی تملیک وغیرہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس تفصیلی وضاحت کے بعد سوال نامہ میں درج سوالوں کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) زکوٰۃ کی وصول یابی اور عاملین کو کلی اختیارِ صرف دینے کے متعلق جماعت اسلامی اور اس کے بانی مودودی صاحب کا نظریہ کھلی ہوئی گمراہی اور ضلالت ہے جو تفسیر بالرائے کی عادتِ سیئہ کی بنیاد پر ظہور میں آیا ہے، مودودی صاحب نے اپنے باطل نظریہ کی اساس دو مقدمات پر رکھی ہے، اول یہ کہ ﴿وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ کے الفاظ عام ہیں، ان میں سرکاری عاملین کے علاوہ غیر

سرکاری عاملین بھی شامل ہیں، دوم یہ کہ زکوٰۃ خود عاملین کی ذات کو ہی بطور تملیک دی جاتی ہے، حالاں کہ یہ دونوں مقدمات احادیث مبارکہ اور اقوال مفسرین سے میل نہیں کھاتے، کیوں کہ اولاً سبھی فقہاء و مفسرین نے عاملین کی تفسیر اسلامی حکومت کے سرکاری عاملین سے کی ہے، کسی جماعت مخصوصہ کے عاملین اس میں داخل نہیں ہیں، ثانیاً یہ روپیہ عاملین کو نہیں دیا جاتا؛ بلکہ بیت المال کو دیا جاتا ہے، لہٰذا عاملین کے مالک ہونے کے کوئی معنی نہیں، انہیں تو صرف اس میں سے اپنی عمالت کے بقدر لینا جائز ہوتا ہے، لہٰذا ان کو بلا تملیک وہ رقم مصارف خیر میں لگانے کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ویعطی أجر عمالته ...... ودل: قوله تعالیٰ : ﴿وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ على أن كل ما كان من فروض الكفايات كالساعي والكتاب والقَسّام والعاشِر وغيرهم فالقائم به يجوز له أخذ الأجرة عليه. (الجامع الاحكام القرآن للقرطبي ج: ٤، الجزء الثامن ص: ١٠٥، سورة البراء ة، الكتبة النجارية)

مودودی صاحب نے اپنے مستدل میں حضرت انسؓ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: **نعم إذا أديتها إلى رسولي فقد برئت منها إلى الله ورسوله الخ**، جس سے معلوم ہوا کہ دینے والا دے کر بری ہوجاتا ہے اس پر یہ تحقیق لازم نہیں کہ اس کی رقم مصرف میں لگی ہے یا نہیں، تو درحقیقت یہ استدلال بھی تلبیس پر مبنی ہے، کیوں کہ حدیث میں ''رسولی'' کے الفاظ لائے گئے ہیں، جو اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول یا اسلامی حکومت کے رسول کا ہے، اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ عام رسولوں کا بھی یہی حکم ہو، اور اسلامی حکومت کے رسول کے بارے میں مذکورہ حکم اس لئے ہوتا ہے کہ وہ من وجہ فقراء کا بھی وکیل ہوتا ہے، اور اس کا قبضہ خود فقراء اور بیت المال کا قبضہ مانا جاتا ہے، غیر سرکاری وکیل اس ضابطہ میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا، الغرض جماعت اسلامی کا مذکورہ نظریہ یہ شریعت کے قطعاً خلاف ہے، اور لوگوں کے اموال زکوٰۃ کے ناجائز طور میں بار بار اپنی کم علمی کے

اقرار کے باوجود موشگافیوں کا اظہار کیا ہے، ان کا شرعی اور علمی نگاہ میں کوئی وزن نہیں ہے؛ بلکہ یہ مضمون قرآنِ کریم کی تفسیر بالرائے کا کھلا ہوا مظاہرہ ہے۔

(۲) جماعت اسلامی کے جو کارکنان کھلم کھلا زکوٰۃ کی رقم بلا تملیک اور غیر مصارف میں صرف کرتے ہیں، ان کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ چرمِ قربانی اور صدقہ فطر کی رقومات دینا جائز نہیں ہے، انہیں زکوٰۃ دینے سے اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کہ وہ مصارف پر صرف نہ کردیں اگر وہ مصارف میں نہ لگائیں تو زکوٰۃ دینے والوں کی رقم کے وہ ضامن ہوں گے اور مال دینے والوں کو اپنی الگ سے ادا کرنی ہوگی، اور سوال میں جن کارکن صاحبان کے بارے میں پوچھا گیا ہے چوں کہ ان کا زکوٰۃ کو غیر محل میں اور من مانے طریقہ پر خرچ کرنا معروف ہے، لہٰذا انہیں ہرگز اس طرح کی رقومات دینا جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کاروبار میں لگی ہوئی رقم کی اصل مالیت اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال (۸۰): -فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کن کن رقومات پر واجب ہے جو رقم کاروبار میں لگی ہوئی ہے اس پر یا سال بھر میں اس رقم میں سے جو نفع ہوا اس پر یا کاروبار میں لگی رقم اور اس پر جو منافع ہوں دونوں کو ملا کر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو رقم کاروبار میں لگی ہوئی ہے اس کی اصل مالیت اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

قيمة العروض للتجارة تضم إلى الثمنين لأن الكل للتجارة وضعاً وجعلاً.

(شامی ۲/ ۳۰۳ کراچی، ۳/ ۲۲٤ زکریا، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۶/۲۵ھ

باغ کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں؛ بلکہ منافع پر ہے

سوال (۸۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ باغ کی آمدنی پر واجب ہے، یعنی باغ کی فصل پر یا باغ کی مالیت مع منافع فصل کی آمدنی ملا کر؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں باغ کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں؛ بلکہ اگر باغ کے منافع کی قیمت نصاب زکوٰۃ کو پہنچ رہی ہے اور اس پر سال گذر جائے تو منافع پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۶۹)

فإذا کانت مأتین و حال علیها الحول ففیها خمسة دراهم. (هدایة ۱/۱۹٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵/۶/۱۴۱۵ھ

مثقال کا وزن؟

سوال (۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مثقال کا ہمارے یہاں صحیح وزن کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مثقال کا وزن ہمارے یہاں جمہور علماء ہند کے مطابق ۳۶/رتی کے برابر ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۴۱۴)

اور موجودہ گراموں کے اعتبار سے ایک رتی برابر ساڑھے اکیس ملی گرام ہوتا ہے، تو ۳۶/رتی برابر ۴/گرام ۳۷۴/ملی گرام ہوئے۔ (ایضاح المسائل ۱۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۷/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موجودہ اَوزان کے حساب سے زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے؟

سوال (۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب ۵۲؍تولہ ۶؍ماشہ ہے۔ (جواہر الفقہ ۱؍۴۰۷) اور موجودہ گراموں سے ۶۱۲؍گرام ۳۶۰؍ملی گرام ہوتا ہے، اسی طرح سونے کی زکوٰۃ کا نصاب ۷؍تولہ ۶؍ماشہ اور موجودہ گراموں کے اعتبار سے ۸۷؍گرام ۴۸۰؍ملی گرام ہوتا ہے۔ (جواہر الفقہ ۱؍۴۰۷، ایضاح المسائل ۱۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۶؍۷؍۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک مثقال کا وزن ۱۰۰؍جو ہے

سوال (۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مثقال کا وزن ۱۰۰؍جو ہے، زائد ہورہا ہے تو اس کی توجیہ کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مثقال کا وزن سو جو ہی کی مقدار ہے، جیسا کہ تمام کتب فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

والمثقال مائة شعيرة الخ. (درمختار مع الشامي ٢/ ٢٩٦ كراچی، ٢/ ٢٢٤ زكريا، البحر الرائق ٢/ ٢٢٧)

اور اس مقدار سے زیادتی محض ایک رتی برابر چار جو ماننے کی بنیاد پر ہے، حالاں کہ ایک رتی برابر چار جو ماننا درست نہیں؛ بلکہ صحیح قول ایک رتی کے بارے میں ۳؍جو سے کم کا ہے؛ لہٰذا ایک مثقال برابر سو جو ہی ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۶؍۷؍۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمیشن پر چندہ کرنے والے مدرسہ کے مدرس کو امام بنانا؟

سوال (۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کمیشن پر چندہ کرنے والے مدرسہ کے مدرسین کو مسجد کا امام بنانا ٹھیک ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجرت طے کئے بغیر نصف، ثلث یا ربع پر چندہ کرنا اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے شرعاً درست نہیں ہے، اس لئے کہ اجرت کے مجہول ہونے کے ساتھ سفیر کے وصول کردہ چندہ میں اس کی اجرت دینے کی شرط پر چندہ کرانا شرعاً مفسدِ اجارہ ہے، اس لئے کمیشن پر چندہ کرنے والے شخص کی امامت اس عمل کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔

وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله أوبعضه ولو دفع غزلاً لاخر لينسجه بنصفه أو استاجر بغلا ليحمله طعامه ببعضه ...... فسدت في الكل؛ لأنه استاجره بجزء من عمله. (درمختار مع الشامي ٥٦/٦ كراچی، شامي ٦٦/٩ زكريا، هندية ٤٤٤/٤، مجمع الأنهر ٥٣٩/٣ بيروت)

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه الفواحش الظاهرة. ثم الأورع: أي الأكثر اتقاء للشبهات، والتقوى اتقاء المحرمات. (الدر المختار مع الشامي ٥٥٧/١ كراچی، ٢٤٩/٢ زكريا، البحر الرائق ٦٠٨/١ رشيدية)

ولم يطعن في دينه ...... ويجتنب الفواحش. (الفتاویٰ الهندية ٨٣/١، در مختار مع الشامي ٥٥٧/١ كراچی، النهر الفائق ٦٠٨/١ رشيدية، بحواله حاشية: فتاوی محموديه ٣٦/٦-٣٥ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۶/۹/۱۴۱۹ھ

نفلی صدقہ اورعطیہ کا کیا مصرف ہے؟

سوال (۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہم مصرف خیر یعنی زکوۃ کے علاوہ سے پیسہ نکالیں تو اس پیسے کو کس کس کو دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ وصدقات واجبہ کے علاوہ پیسہ کسی بھی خیر کے کام میں صرف کیا جاسکتا ہے رفاہی ضرورت رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ چاہے وہ رشتے دار غریب ہوں یا نہ ہوں۔

عن أنس ابن مالک رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبعة تجری للعبد بعد موته وهو فی قبره من علم علما أو أجری نها را أو حفر بئرا أو غرس نخلا او بنی مسجدا أو ورث مصحفا أو ترک ولدا یستغفر له بعد موته(الترغیب والترهیب ۲/ ۷۲)

اعلم أن الصدقة تستحب فاضل عن كفايته والافضل لمن يتصدق نفلا أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء

(شامي ۲/ ۳۵۷ کراچی)

فالجمله في هذا أن جنس الصدقة يجوز صرفها إلى المسلم ...... ويجوز صرف التطوع إليهم با الاتفاق وری عن أبي يوسف أنه يجوز صرف الصدقات إلى الأغنياء أذا سموا فی الوقف .فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به، وفي الفتاوی العتابية وكذلک یجوز النفل للغني. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۱-۲۱٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/ ۶/ ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فدیہ کی رقم غریب رشتے داروں کو دینا

سوال (۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ہم روزوں اور نماز کا فدیہ اپنے غریب رشتے داروں کو دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ اگر دے سکتے ہیں تو کن کن رشتے داروں کو دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزے نماز کا فدیہ اپنے غریب رشتے دار کو دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ دینے والے کے اصول وفروع باپ دادا بیٹے پوتے وغیرہ نہ ہوں۔

قال اللّٰه تعالی: وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَة طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرة) **عن سلمان ابن عامر رضي الله عنه أن رسول ﷺ قال: الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان: صدقة وصلة.** (سنن الترمذي ۱۴۲/۱)

عن أم كلثوم بنت عقبة قالت أفضل الصدقة علاذى الرحم الكاشح (شعب الإايمان ۲۳۹/۳)

ولا الى من بينهما ولاد (درمختار) أي أصله وإن علا كأبويه وأجداده جُداته من قبلهما وفرعهُ إن سفل كاولادالاولا د امر ولاد وكذا كل صدقة واجبة كالفطرة النذر الكفارات. (درمختار مع الشامي ۲۹۳/۳-۲۹۴ زكريا، مراقي الفلاح، ـ كتاب المسائل ۲۵۹/۲، آپ کے مسائل اور انکا حل ۵۹۹/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدزکوٰۃ سے غریب طالب علم کی فیس ادا کرنا

سوال (۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں ایک دینی ادارہ ہے جس کا نظم وضبط تقریبا طلبہ کی فیس پر منحصر ہے۔اس وجہ سے ہر طالب علم پر ادائیگی فیس ادارہ کی جانب سے لازم ہے، لیکن بعض طلبہ یا ان کے اولیاء ایسے ہیں جو اس کی ادائیگی پر قادر نہیں۔زید چاہتا ہے کہ ایسے طلبہ کی فیس مدزکوۃ سے ان کی اجازت سے براہ راست ادارہ کو ادا کردے یا کسی کے واسطے سے ادا کرادے۔اس لئے کہ اگر یہ رقم اولاً ان نادار طلبہ یا ان کے والد کے ہاتھ میں دی جائے کہ وہ خود ادا کریں تو یہ احتمال ہے کہ بعض بجائے فیس ادا کرنے کے اس رقم کو کسی اور ضرورت میں خرچ کرڈالیں۔ظاہر ہے کہ جب وہ مالک ہو چکے ہیں تو ان کو مجبور کرنا بھی ممکن نہیں۔کتب فتاویٰ کی مراجعت سے اس صورت کے صحیح ہونے کی ایک توجیہ ناقص فہم میں یہ آتی ہے کہ فیس کی ادائیگی ادارہ کی جانب سے ہر داخل طالب علم پر لازم ہونے کی وجہ سے اس فیس کو دین کا درجہ دے دیا جائے، کیوں کہ اس صورت میں مدیون کی جانب سے اس کی اجازت سے دائن کو براہ راست یا کسی کو وکیل بنا کر دینا صحیح ہوگا۔جیسا کہ حقیقی دین میں یہ صورت جائز ہوتی ہے۔چنانچہ درمختار میں ہے: **أما دين الحی الفقير ،فيجوز لو بأمره۔**

اورعلامہ شامی فرماتے ہیں:

أي يجوز عن الزكاة على أنه تمليک منه ،والدائن يقبضه عنه بحكم النيابة عنه ،ثم يصير قابضا لنفسه۔اوراحسن الفتاوی کتاب الزکوۃ ج ۴ رص ۲۶۰ پر ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر طالب علم پر ماہانہ فیس کی ادائیگی لازم کردی جائے۔ یہ فیس مہینہ گزرنے کے بعد مدرسہ کے قانون کے اعتبار سے طالب علم کے ذمہ قرض ہو جائے گی اور اس قرض کی ادائیگی کے لئے طالب علم ذمہ داران مدرسہ کو اس کی طرف سے اپنی واجب شدہ فیس ادا کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں۔بریں بنا آپ نے جو صورت تجویز کی ہے وہ فقہی اعتبار سے بے غبار ہے۔

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره (الدرالمختار) قال الشامي : أي

يجوز عن الزكاة على انه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم نيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه. (شامي ۳/ ۲۹۲ زكريا)

أما أذا كان باذنه وهو فقير فيجوز عن الزكوٰة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لرب حكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه . وفى الغاية نقلا من المحيط لو والمفيد قضى بها دين حى أو ميت بأمره جاز. (فتح القدير اشرفيه۲/ ۲۷۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ۲۶/ ۹/ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدزکوٰۃ سے وکیل کی فیس ادا کرنا

سوال(۸۹) :-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی مخفی نہیں ہے تاہم اصل مسئلہ کی تمہیداور وضاحت کے طور پر چند اہم نکات پر توجہ مرکوز فرمائیں ۔۲۰۰۱ء کی تعلیمی رپورٹ کے مطابق عصری درسگاہوں کی پہلی جماعت میں 60.9%فیصد مسلم طلبہ ہوتے ہیں یہی تعداد پانچویں جماعت میں 40.5%فی صداوردسویں جماعت میں 24%فیصد جبکہ بارہویں جماعت کے بعد 9%فی صداور پھر گریجویشن میں صرف 3%فی صدرہ جاتی ہے ۔اس درجہ بدرجہ تنزلی کی دیگر وجوہات(مثلا مسلمانوں کی تعلیمی بیزاری اور حکومت کے متعصّبانہ یا غیر منصفانہ رویہ کے ساتھ ساتھ)میں سے اہم ترین بلکہ بنیادی وجہ مسلمانوں کی غربت ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ بارہویں جماعت کے بعد ہر دس مسلم طلبہ میں سے سات طلبہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود تعلیم ترک کرکے کسی معمولی ملازمت کا راستہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ان کے سرپرست آئندہ آنے والے اخراجات کا بار نہیں اٹھا سکتے۔ نتیجۃً مسلمان ملک کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں ہوتے ۔اس المناک صورت حال سے نمٹنے کے لئے دردمندان امت نے گزشتہ چند سالوں سے جو اقدامات

کئے ہیں وہ قابل قدر ہیں ۔تا ہم قابل اطمنان نہیں ۔ چنانچہ صرف ممبئ شہر میں اس طرح کے کئی ٹرسٹ اور ادارے ہیں جومخصوص صلاحیتوں کے حامل طلبہ کوان کی صحیح منزل تک پہنچانے میں مالی تعاون زکوۃ کی رقم سے کرتے ہیں۔ان اداروں کا سالانہ بجٹ بیس تا بائیس کروڑ ہے۔جبکہ ملک بھر میں چلائے جانے والے مسلم ٹرسٹوں اور تنظیموں کا مکمل بجٹ اسی ۸۰ کروڑ ہے۔علاوہ ازیں بے شمار طلبہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے لون پر سودی قرض لیتے ہیں ۔جس کی کل رقم سات سو سے آٹھ سو کروڑ روپے ہے۔ظاہر ہے کہ یہ بجٹ فی نفسہ بڑا ہے لیکن مذکورہ صورت حال سے نمٹنے کے لئے اونٹ کے منھ میں زیرہ کا مصداق ہے۔ چنانچہ تمام اداروں کے ٹرسٹیان اور خیرخواہان امت دیانت دار وکلاء اور علماء ومفتیان شہر ممبئ نے اختتام سال پر کانفرنس کا انعقاد کیا۔جس میں یہ طے پایا کہ کل ہند سطح کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند سے بذریعۂ سپریم کورٹ مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے لئے اپنی تعلیمی سہولیات میں اضافہ کرے کیوں کہ شڈول کاسٹ کی کل آبادی کا معیار ہندوستان میں 16.2% ہے۔اور دفعات ہند کے تحت انھیں دو ہزار سات سو چھپن کروڑ روپیہ وظیفہ ملتا ہے۔جبکہ مسلمانوں کی کل آبادی 13.4% فی صد ہے۔اور انھیں صرف آٹھ سو بتیس کروڑ روپیہ ملتا ہے۔حالانکہ آبادی کے تناسب سے بائیس سو کروڑ روپیے امت مسلمہ کا تعلیمی حق ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ حکومت ہند کا غیر منصفانہ اور متعصّبانہ رویہ عرصۂ دراز سے چلا آرہا ہے اور ہنوز جاری ہے لہذا مسلمانوں کے پاس قانونی چارہ جوئی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے ۔ چنانچہ ملک بھر کے دیانت دار با اعتماد وکلاء کا مشورہ ہے کہ آئین ہند کے آرٹیکل سولہ اور اٹھارہ کے تحت ہم اس مقدمے کو سپریم کورٹ میں دائر کر سکتے ہیں اور ظن غالب ہے کہ مقدمے میں کامیاب ہوں گے ۔مقدمے کا کل خرچ چالیس سے پچاس لاکھ روپئے ہے۔تمام ہی اداروں کی حتی المقدور کوشش رہی ہے کہ مقدمے کے لئے للہ کی رقم استعمال کی جائے لیکن یہ تاحال نہیں ہو سکا۔البتہ کوشش جاری ہے۔ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا مقدمے میں بازیابی کی صورت میں غرباء،فقراء اور مسلمین ہی کا فائدہ ہو گا۔ بایں طور کہ ان رفاہی ٹرسٹوں کے سالانہ خطیر رقم سو کروڑ روپئے امت کے دوسرے شعبوں میں

استعمال ہوسکتی ہے۔ نیز امت مسلمہ کا بڑا طبقہ سودی لین دین سے بچ سکتا ہے ۔مزید برآں مسلمانوں کی تعلیم واقتصادی ترقی بھی ہوگی۔ گویا یہ امت مسلمہ کا ہمہ جہت فائدہ ہوگا۔ صرف اس سال پچاس سے ساٹھ لاکھ روپے مقدمے میں خرچ کرنے کی صورت میں ملک بھر میں ہمیشہ مسلمانوں کا سالانہ تین ہزار کی شکل میں تعلیمی فائدہ ہوگا۔ اس تمہید کے بعد دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مذکور مقدمے کے وکلاء کی اجرت فیس (نہ کہ رشوت بلا حیلہ) 'تملیک زکوۃ' کی رقم سے ادا کی جاسکتی ہے۔

نوٹ:- عدم جواز کی صورت میں کوئی فقہی متبادل پیش فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسلمانوں کی عصری تعلیم کے لئے حکومت سے مدد لینا اوراس کے واسطے قانونی کارروائی کرنا فی نفسہ ایک مستحسن کوشش ہے؛ لیکن اس کے لئے وکلاء کی فیس میں زکوۃ کی رقم لگانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ براہ راست فیس ادا کرنے میں مستحق فقیر کی تملیک نہیں پائی جاتی جو زکوۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے۔

دوسرے یہ کہ حکومتی تعاون سے جو فائدہ بعد میں ملنے والا ہے وہ متعین طور پر شرعی فقراء پر ہی صرف ہوگا اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ لہذا یہ دعوی کہ اس کوشش سے مطلقاً مسلم فقراء کو ہی فائدہ پہنچے گا خلاف واقعہ ہے اور اگر بالواسطہ فقراء کو کچھ فائدہ پہنچے بھی تو اس کی بناپر وکلاء کی اجرت بمد زکوۃ ادا کرنے کی گنجائش نہیں نکل سکتی؛ لہٰذا اس مقصد سے صرف اور صرف امدادی رقومات ہی صرف کی جائیں زکوۃ نہ لگائی جائے اوراس کے لئے کسی حیلہ کی بھی ضرورت نہیں۔

أما تفسيرها فهي تمليک المال من فقير مسلم غير هاشمي (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٧٠)

هي تمليک مال مخصوص لشخص مخصوص. (مراقی الفلاح)

هو أن يكون فقيرا ونحوه من بقية المصارف غير هاشمي (حاشية الطحطاوی ٧١٤ دارالكتاب)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكالا أباحة. (شامی ٣/ ١٧١)

ولایعطی أجرالجزار منها الخ. (شامي ۹/ ٤٧٥ زكريا، البحر الرائق ۹/ ۳۲۷) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین تولہ سونا اور چاندی پر زکوۃ

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون کی ملکیت میں تین تولہ سونا اور کچھ چاندی ہے سونے کے ساتھ زکوۃ کے نصاب کی تکمیل کے لئے کم سے کم کتنی چاندی ہونے چاہئے؟ چالیس درہم کے برابر یا اس سے بھی کم اگر اس سے بھی کم تو کم سے کم کتنے درہم کے مقدار کے برابر کتابوں میں چالیس درہم کا لفظ قرض کی وصولی کے تعلق سے ادائے زکوۃ کے بارے میں آتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ذہن میں آتا ہے سوال کرنے والے سونے کی مقدار لکھ کر تھوڑی چاندی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سونے کے ساتھ ساتھ چاندی بھی ملکیت میں ہو تو دونوں کی قیمت لگا کر یہ دیکھا جائے گا کہ کل قیمت چاندی کے نصاب تک پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اگر پہنچ رہی ہے تو زکوۃ واجب ہوگی اور اس میں چاندی کے چالیس درہم کے برابر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ اگر سونے کے ساتھ تھوڑی بہت چاندی بھی ہو تو پورا نصاب چاندی ہی کا بنادیا جائے گا۔ انفع للفقراء ہونے کی وجہ سے فتویٰ اسی پر ہے۔

وعن أبي حنيفة أنه يقوم بما فيه إيجاب الزكاة حتى إذا بلغ بالتقويم بأحدهما نصابا ولم يقوم بالأخر قوم بما يبلغ نصابا فهو أحد الروايتين عن محمد رحمه الله، ولو كان بالتقويم بكل واحد منهما يبلغ نصابا يقوم بما هو أنفع للفقراء من حيث الرواج، وإن كان في الرواج سواء يتخير المالك (الفتاویٰ

التاتارخانية ۳/ ۱٦٥ رقم: ٤٠٠ زكريا)

يجب أن يكون التقوى بما هو أنفع للفقراء رواجا. (شامي ۳/ ۲۳٤ زكريا)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجمع الثمنية قيمة (درمختار) أي من جهة القيمة فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها. (شامی ۳/ ۲۳٤ زكريا، هداية ۱/ ۲۱۳، الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۱٥٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری ٹیچرز کوٰۃ کس طرح نکالے؟

سوال (۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص سرکاری ٹیچر ہے ہر ماہ تنخواہ ملنے کی وجہ سے مال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اسی مال میں سے وہ خرچ بھی کرتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، تو کس طرح حساب لگا کر زکوٰۃ نکالے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا حساب لگانے میں جو پیسہ آتا ہے اور خرچ ہوجاتا ہے اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اعتبار اس کا ہے کہ جس دن پہلی مرتبہ آپ نصاب کے بقدر مال کے مالک ہوئے ہیں، اس پر قمری اعتبار سے ایک سال گزرنے پر یعنی اگلے سال اس قمری تاریخ کو آپ کی ملکیت میں جتنا بھی بیلنس ہوا ہو اس کو جوڑ لیا جائے، اگر وہ نصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو اس پر ڈھائی فیصدی کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی، اور درمیان سال میں جو آمدنی ہوتی رہی اور خرچ ہوتا رہا، اس کا حساب رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر آپ کو یہ یاد نہ ہو کہ آپ پہلی مرتبہ کب صاحب نصاب ہوئے ہیں؟ تو آپ اندازہ لگا کر کوئی ایک قمری تاریخ متعین کرلیجئے اور ہر سال اس تاریخ کو آپ کی ملکیت میں جو روپیہ پیسہ ہو، اس کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کیا کریں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/ ۲۱۱)

منها كون المال نصابا ...... ومنها الملك التام. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۷۲، بدائع

الصنائع ٢/٨٨، شامي ١٧٤/٣ زكريا، الموسوعة الفقهية ٢٤٢/٢٣، هداية ٢٠٢/١)

وهو ربع عشر النصاب. (الدر المختار على الشامي ١٧٢/٣ زكريا، البحر الرائق ٣٩٣/٢ زكريا، طحطاوي على الدر ٣٨٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۲/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر سونا چاندی کی قیمت کے اعتبار سے چاندی کے نصاب کے برابر ہو وزن کے اعتبار سے نہ ہو؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی کے پاس سونا ہو پیسہ وغیرہ کچھ نہ ہو اور یہ سونا قیمت کے اعتبار سے چاندی کے نصاب کو پہنچتا ہو لیکن وزن کے اعتبار سے سونے کے نصاب یعنی بیس مثقال کو نہ پہنچتا ہو تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ کیا اس کے حق میں سونے کا نصاب معتبر ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے شخص پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا موجود ہو اس کے ساتھ چاندی یا روپیہ پیسہ یا مال تجارت کچھ نہ ہو، تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ یہ سونا وزن کے اعتبار سے اپنے نصاب یعنی بیس مثقال کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ اگر اس نصاب کو پہنچتا ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور اگر اس نصاب کو نہ پہنچتا ہو، تو اگر چہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب یا اس سے زائد ہو پھر بھی ایسے شخص پر مذکورہ صدقۂ فطر اور قربانی کے وجوب کا حکم نہ ہوگا؛ البتہ اگر سونے کے ساتھ روپیہ پیسہ یا چاندی بھی ہو، تو ایسی صورت میں انفع للفقراء کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر دونوں کو ملا کر قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد ایضاح المسائل ۱۰۴)

نصاب الذهب عشرون مثقالاً. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۲۲٤/۳، هداية ۲۱۱/۱)

المعتبر وزنها أداء أووجوبا وقال محمدؒ: يعتبر الأ نفع للفقراء حتى لو أدى عن خمسة درهم جياد خمسة زيوفا قيمتها أربعة جياد جاز. (البحر الرائق ۳۹٥/۲ زكريا)

ولو بلع بأحدهما نصابا وخمسا وبالآخر أقل قومه بالأنفع للفقراء. (شامي ۲۹۹/۲ كراچى)

حتى لا تجب الزكاة في مصوغ وزنه أقل من مأتين وقيمته فوقهما. (البحر الرائق ٤٠١/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴/۷/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صدقۂ فطر اور زکوٰۃ وقربانی کے واجب ہونے میں زمین کی قیمت کا اعتبار ہے یا پیداوار کا؟

سوال (۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس اتنی زمین ہے کہ جس کی قیمت نصاب تک پہنچ جاتی ہے، تو کیا زید پر صدقۂ فطر اورقربانی واجب ہے، یعنی وجوبِ صدقہ فطر اور وجوبِ قربانی میں زمین کی قیمت کا اعتبار رہوگا یا اس زمین کی پیداوار کی قیمت کا؟ احقر نے اس سلسلہ میں کئی کتابوں کو دیکھا مگر جواب سمجھ میں نہ آیا۔ (امداد الفتاویٰ ۳۰/۲ زکریا) کے جواب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر زمین ایسی ہے جس سے غلہ پیدا نہیں ہوتا ہے، تو اس صورت میں زمین کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اس کے برعکس احسن الفتاویٰ ۵۰۶/۷ اور فتاویٰ رحیمیہ ۲۴۵/۸ وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زرعی وغیر زرعی زمین دونوں صورتوں میں قیمت اور غلہ دونوں کے مجموعے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک بقدر نصاب ہوجائے تو

صدقۂ فطر وقربانی واجب ہے۔ (شامی بیروت کتاب الاضحیہ ۹/ ۳۱۲) **ولـو لـه عقار يستغله.** (۳٤٨/٢) کی عبارت **سئل عن محمد عمن له أرض يزرعها الخ**، ان دونوں عبارتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے، کیا زمین حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے یا خارج؟ اس کے علاوہ البحر الرائق، بدائع، فتح القدیر، کتاب المبسوط اور المعیار العرب عن فتاویٰ اہل افریقہ والاندلس والغرب وغیرہ بھی دیکھا، مگر احقر کی ناقص عقل میں بات سمجھ میں نہ آئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس مسئلہ میں اصل اعتبار اس بات کا ہے کہ لازمی ضرورت کی تکمیل کے بقدر رقم نکالنے کے بعد اگر اس زائد زمین کی قیمت یا اس سے ہونے والی آمدنی نصاب کے بقدر پہنچ جاتی ہے، تو ایسے شخص پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا حلال نہیں، اس سلسلہ میں تمام عبارات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۰۷ میں یہی بات لکھی گئی ہے، اور امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۰ کے فتویٰ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے؛ اس لئے کہ جب زمین آمدنی کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اور اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں خرچ کی جائے گی تو ایسی زمین بھی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس میں یہی شرط لگائی جائے گی کہ سال بھر کے خرچ سے فاضل ہو، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ دونوں فتوؤں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اور مسئلہ میں امام محمدؒ کی رائے مفتی بہ اور معمول بہ ہے۔

عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإذا كانت لک مأتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (سنن أبي داؤد ١/ ٢٢١)

سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوىٰ. (رد المحتار، باب المصرف / قبيل مطلب: في جهاز المرأة هل تصير به

غنية ٣/٦ ٢٩ زكريا)

وسبب افتراضها ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد وفارغ عن حاجته الأصلية. (تنوير الأبصار على الدر المختار٣/ ١٧٤-١٧٨ زكريا)

وذكر الزعفراني غلة المستغل إن كفاه وعياله لزمت وإلا فلا. (فتاویٰ بزازیه على هامش الهندية / كتاب الأضحية ٢٨٧/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ادائے زکوٰۃ سے متعلق مسائل

تولہ اور گرام کے اعتبار سے سونے چاندی کا نصاب زکوٰۃ کتنا ہے؟

سوال (۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سونے اور چاندی میں وجوب زکوٰۃ کا نصاب تولہ اور گرام کے حساب سے کتنا بنتا ہے نیز صدقۃ الفطر کا نصاب اور وجوب قربانی کا نصاب کیا ہے؟ اور کن کن مالوں کو شمار کیا جاتا ہے؟ برائے کرم نصف صاع کا وزن گرام کے حساب سے بتائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کا حساب عربی اوزان کے حساب سے بیس مثقال ہے۔ جس کا وزن تولے کے حساب سے ساڑھے سات تولہ اور گراموں کے اعتبار سے ستاسی ۸۷؍گرام چارسواسی ۴۸۰؍ملی گرام ہوتا ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فإذا كانت لك مأتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون دينارًا فإذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليهاالحول ففيها نصف دينار، فما زاد فبحساب ذلك. (سنن أبي داؤد ۱/۲۲۱)

نصاب الذهب عشرون مثقالا. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۳/۲۲٤، هداية ۱/۲۱۱)

في كل عشرين مثقال نصف مثقال. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۵۵ زکریا، ایضاح المسائل ۱۰۳)

چاندی کا نصاب عربی اوزان کے اعتبار سے دوسو درہم ہے۔ جس کا وزن تولہ کے اعتبار

سے ساڑھے باون تولہ اور گراموں کے اعتبار سے چھ سو بارہ گرام، تین سو چھ ملی گرام ہوتا ہے۔

نصاب الفضة مائة درهم بالإجماع. (الموسوعة الفقهية ٢٦٤/٢٣)

والفضة مائة درهم، كل عشرة دراهم، وزن سبعة مثاقيل. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ٢٣٤/٣، الفتاویٰ التاتارخانية ١٥٥/٣ زكريا، ايضاح المسائل ١٠٢)

صدقۃ الفطر اور وجوب قربانی کا نصاب بھی یہی ہے۔ جس شخص کے پاس مذکورہ مقدار میں سونا یا چاندی ان کی قیمت کے بقدر تجارتی مال یا ضرورت سے زائد مال ہو، چاہے اس پر سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو، اس پر بہر حال عید الفطر کے دن صدقۃ الفطر اور ایام قربانی میں قربانی واجب ہوتی ہے، اور زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر اور قربانی میں بنیادی طور پر دو باتوں میں فرق ہے:

اول یہ کہ زکوٰۃ میں مال نامی شرط ہے جب کہ صدقۃ الفطر وقربانی اور وجوبِ حج میں مالِ نامی شرط نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت سے زائد ہر طرح کے مال کو قیمت میں جوڑ کر اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے، تو اس میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ زکوٰۃ میں مال پر سال گزرنا شرط ہے، جب کہ صدقۃ الفطر اور قربانی میں حولانِ حول شرط نہیں ہے اور نصف صاع کا وزن گرام کے اعتبار سے ایک کلو ۵۷۴ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲۷۸/۱-۲۸۲-۳۰۰، ایضاح المسائل ۱۰۱)

تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول. (طحطاوي ٣٩٤، هداية ٢٠٨/١)

وشرائطها الإسلام واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر بأن ملك مأتي درهم. (الدر المختار مع الشامي ٤٥٢/٩ زكريا، بدائع الصنائع ١٩٥/٤، الفتاویٰ الهندية ٢٩٢/٥، خانية على الهندية ٣٣٤/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کس مال کی نکالی جائے؟

سوال (۹۵) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں بحیثیت مالک کارخانہ آپ کی خدمت میں ذیل کی تفصیلات پیش کررہا ہوں، اور یہ جاننا چاہوں گا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے کل رقم میں سے کس طرح حساب کیا جائے؟ وضاحت سے مطلع فرمائیں؛ تاکہ ادائیگی زکوٰۃ میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔

(۱) ملکی اور غیر ملکی سامان کو بازار میں خریدا جاتا ہے، کبھی یہ مال جلد از جلد ایک سال بعد فروخت ہوجاتا ہے، اس میں سے نفع ملتا ہے۔

(۲) ذاتی استعمال کے علاوہ مکانات اور دوکانوں سے حاصل ہونے والا کرایہ۔

(۳) کارخانہ کی عمارت۔

(۴) کارخانہ میں کام کرنے والی مشین۔

(۵) کارخانہ میں خود کا مال تیار کرنے کے علاوہ دوسروں کو بھی مزدوری پر مال تیار کرکے دیا جاتا ہے، اس میں ملنے والی مزدوری کی رقم۔

(۶) کارخانہ میں تیار کردہ ذاتی مال، اس کا ذخیرہ رکھا جاتا ہے۔

(۷) سونے کے زیورات۔

(۸) مکانات اور سواریاں وغیرہ جو ذاتی استعمال میں ہیں۔

(۹) ہمارے کارخانہ میں مسلم اور غیر مسلم مزدور اور ملازمین ہیں، ان کو سرکاری قوانین اور نصاب کے تحت سالانہ انعامات دیئے جاتے ہیں۔

(۱۰) سرکاری نصاب کے تحت جو انعامات رقم کی شکل میں دئے جاتے ہیں، اس کے علاوہ مزید رقم اپنی جانب سے بھی تحفہ کے طور پر دی جاتی ہے، یہ تحفہ کی رقم کیا زکوٰۃ کی مد میں دی جاسکتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صاحبِ نصاب شخص کو چاہئے کہ وہ سال میں چاند کے

مہینے کی کسی تاریخ کو اپنی زکوٰۃ کا حساب لگانے کے لئے مقرر کردے، اور پھر جب وہ تاریخ آئے تو اس دن اپنی ضرورت اصلی سے زائد جو بھی مال تجارت، یا روپیہ پیسہ، یا سونا چاندی اس کی ملکیت میں ہو، ان سب کی قیمت لگالے، اس کے بعد اگر کوئی قرضہ ہو تو قرضہ کے بقدر رقم مجموعی رقم سے منہا کردے، پھر جو رقم باقی بچے تو ڈھائی فیصدی کے حساب سے اس کی زکوٰۃ ادا کردے، اس مختصر وضاحت کے بعد آپ کے پیش کردہ ہر ہر جزو کا جواب درج ذیل ہے:

(۱) زکوٰۃ کی مقررہ تاریخ میں اس مال کی بازاری قیمت لگالے، خواہ وہ خریداری کی قیمت سے کم ہو یا زیادہ؟

(۲) کرایہ کی رقم اگر موجود ہو، تو اس کو بھی مجموعی رقم میں شامل کردیا جائے گا۔

(۳) کارخانہ کی عمارت کی قیمت زکوٰۃ میں نہیں لگائی جائے گی۔

(۴) کارخانہ کی مشینوں کی قیمت بھی زکوٰۃ میں نہیں لگے گی۔

(۵) جو رقم بھی کارخانہ کو حاصل ہوگی وہ زکوٰۃ میں شامل کی جائے گی۔

(۶) کارخانہ میں تیار کردہ مال کی قیمت لگا کر اسے زکوٰۃ میں شامل کریں گے۔

(۷) سونے چاندی کے زیورات کی قیمت لگائی جائے، اور ان کو مجموعی رقم میں شامل کردیا جائے۔

(۸) ذاتی استعمال کے مکانات اور سواریوں وغیرہ کی قیمت زکوٰۃ میں نہیں لگائی جائے گی۔

(۹) کارخانہ کے ملازمین کو جو سالانہ انعامات حکومت کے قانون کے مطابق دینا ضروری ہیں، وہ ان کی اجرت میں داخل ہیں؛ لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے ان کی ادائیگی کرنا درست نہ ہوگا۔

(۱۰) قانونی انعامات (بونس) کے علاوہ اوپر سے جو تحفے دیئے جائیں، ان میں قدرے تفصیل ہے، اگر ان تحفوں کے دینے کا ایسا دستور ہو کہ ملازمین اسے اپنا حق سمجھیں، اور نہ دینے پر مطالبہ کریں تو یہ تحفے بھی بونس ہی کے حکم میں ہوں گے، اور ان میں زکوٰۃ کی رقم لگانی جائز نہ ہوگی؛ لیکن اگر ان تحفوں کی حیثیت حق واجب کے درجہ میں نہ ہو؛ بلکہ مالک کے اختیار پر موقوف ہو، اور

ملازمین کی طرف سے اصرار اور مطالبہ کی صورت نہ ہو، تو اگر کسی غریب اور فقیر ملازم کو اس طرح کا تحفہ زکوٰۃ کی نیت سے دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؛ لیکن کسی صاحبِ نصاب ملازم کو تحفہ دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ہرگز درست نہ ہوگا۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول. (سنن ابن ماجة، الزكاة / باب من استفاد مالا ١٢٨/١ رقم: ١٧٩٢)

سئل الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما عن الحول في الزكاة أقمري أم شمسي؟ فقال: قمري. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٣٤/٣ رقم: ٣٩٣٧ زكريا)

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحاجته الأصلية نامٍ ولو تقديرا. (كنز الدقائق ٥٦ تهانوي ديوبند، الفتاوى التاتارخانية ١٣٣/٣ رقم: ٣٩٣٤ زكريا)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء ...... وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح. (الدر المختار مع الشامي ٢١١/٣ زكريا)

ومن كان له نصاب، فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به. (هداية ١٩٣/١)

وآلات الصنائع الذين يعملون بها، وظروف الأمتعة لا تجب فيها الزكاة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٦٩/٣ رقم: ٤٠١٦ زكريا)

إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة فإنه يضمها إلى العروض، ويقومه جملة. (بدائع الصنائع ١١٠/٢ زكريا)

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دين. (الدر المختار مع الشامي ٢٩١/٣ زكريا)

قال اللّٰه تبارک و تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ [التوبة:٦٠]

مصرف الزكاة والعشر ...... هو فقير، وهو من له أدنى شيء، أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة. (درمختار مع الشامي ٢٨٣/٣-٢٨٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا حساب کس وقت سے لگائیں؟

سوال (۹٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سال میں جو زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، تو زکوٰۃ نکالنے کا کوئی وقت متعین ہے کہ زکوٰۃ ۱۵/شعبان تک نکال لینی چاہئے یا اس کے بعد؟ کیا زکوٰۃ ۱۵/شعبان کے بعد نہیں نکالی جاسکتی؟ رمضان کے مہینے میں زکوٰۃ کی رقم نکال سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہم نے زکوٰۃ کی رقم فرض کریں ۱۵/ ہزار روپئے نکالی ہے، اب ہم نے اس رقم کو علیحدہ رکھ دیا ہے، اب ہم اکٹھی کسی کو دے دیں یا پھر کچھ تھوڑی رقم کسی کو دیں، اب جو رقم ہم نے زکوٰۃ کے لئے مخصوص کردی ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، کیا بوجہ مجبوری ہم اس رقم سے روپئے نکال سکتے ہیں کہ جب ۴/ یا ۵/دن کے بعد روپئے کسی اور جگہ سے آجائیں گے، تو ہم اس میں دوبارہ ڈال دیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دن سے آپ صاحبِ نصاب بنے ہیں، اسی دن سے چاند کی تاریخ کے اعتبار سے آپ کی زکوٰۃ کا سال شروع ہوتا ہے، اگلے سال جب اس مہینہ کی وہی تاریخ آئے گی، تو اس نصاب کی کل مقدار پر خواہ وہ پہلے سے کم ہو یا زیادہ زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی؛ لہٰذا اس تاریخ کو اپنے تمام اَموال کی قیمت کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ کا حساب بنا لینا چاہئے، اب جو زکوٰۃ کی رقم فرض ہوئی ہے اس پر اگر چہ علی الفور وجوب ہوچکا ہے؛ لیکن کسی مصلحت

کی وجہ سے اگر بعد میں تھوڑا تھوڑا کرکے نکالتے ہیں، تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور جو رقم زکوٰۃ کے نام سے علاحدہ رکھ دی ہے، تو محض علاحدگی کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور اس رقم میں مالک کا تصرف کرنا ممنوع ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر ضرورت ہو تو وہ اس میں سے خرچ کر کے بعد میں اس کی جگہ خرچ کردہ رقم رکھ سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ ۳/۳۲۴)

قال إبراهيم: ولا يؤخرون أخذها عن كل عام. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ١٨٥ دارالكتب العلمية بيروت)

وقال عامة مشايخنا: إنها على سبيل التراخي، ومعنى التراخي عندهم أنها تجب مطلقاً عن الوقت غير عين، ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذٰلک الوقت للوجوب. (بدائع الصنائع ٢/٧٧ زكريا)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار ٣/ ١٨٩ زكريا، ٢/ ٢٧٠ كراچی)

وقيل: فوري أي واجب على الفور، وعليه الفتوىٰ كما في شرح الوهبانية فيأثم بتأخرها بلاعذر. (الدر المختار ٣/ ١٩١ زكريا، فتح القدير ٢/ ١٥٥، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ١٣٤ رقم: ٣٩٣٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس دن زکوٰۃ فرض ہوا اسی دن واجب الاداء زکوٰۃ کا حساب لگانا؟

سوال (۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنی زکوٰۃ کا حساب ہر سال ۱۵/ رمضان المبارک کو لگاتا ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا واجب الاداء زکوٰۃ کی رقم معلوم کرنے کے لئے ۱۵/ رمضان المبارک ہی کو حساب وکتاب کرنا لازمی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی زکوٰۃ کی فرضیت کی متعین تاریخ پندرہ رمضان المبارک ہے؛ لہٰذا اسی تاریخ کو زکوٰۃ کا حساب لگانا لازم ہے۔

قال إبراهيم: ولا يؤخرون أخذها عن كل عام. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ١٨٥ دارالكتب العلمية بيروت)

سئل الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما عن الحول في الزكاة أقمري أم شمسي؟ فقال: قمري. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ١٣٤ رقم: ٣٩٣٧ زكريا)

العبرة في الزكاة للحول القمرى. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٧٥، مستفاد: فتاوىٰ دارالعلوم ٦/ ٧٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر درست نہیں

سوال (۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کو کب تک اپنے پاس روکے رکھنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم زیادہ دن تک نہ روکے رکھے؛ بلکہ جلد از جلد اس فرض سے سبک دوشی حاصل کرلے، سال پورا ہونے کے بعد بلاعذر زکوٰۃ نکالنے میں تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٧٠)

وافتراضها عمري: أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره، وقيل

فوري: أي واجب على الفور وعليه الفتوىٰ، كما في شرح الوهبانية، فيأثم بتأخيرها بلاعذر. قوله: فيأثم بتأخيرها ...... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل، لما في البدائع عن المنقى: إذا لم يؤدِّ حتى مضى حولان، فقد أساء وأثم. (الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الزكاة ۲/ ۲۷۲ کراچی، بدائع الصنائع، الزكاة / في كيفية فرضية الزكاة ۲/ ۷۷ زكريا، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۱۳٤ رقم: ۳۹۳۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۲۵ھ

حساب وکتاب کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی رقم الگ کرنا؟

سوال (۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حساب وکتاب کرنے کے ساتھ ہی اسی دن واجب الاداء رقم کا الگ کرنا لازمی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حساب وکتاب کرنے کے بعد اسی دن واجب الاداء زکوٰۃ کی رقم الگ کرنا ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر کردے تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۳۱۱ ڈابھیل)

وذكر أبو عبد اللّٰه الثلجي عن أصحابنا أنها تجب وجوبًا موسعًا، وقال عامة مشايخنا: أنها على سبيل التراخي، ومعنى التراخي عندهم أنها تجب مطلقًا عن الوقت غير عين ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب. (بدائع الصنائع، الزكاة / في كيفية فرضية الزكاة ۲/ ۳ کراچی، ۲/ ۷۷ نعیمہ دیوبند)

ويجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتاخيره من غير عذر.

(الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۷۰، كذا في الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الزكاة ۲/ ۲۷۲ کراچی، الفتاوى التاتارخانية ۳/ ۱۳٤ رقم: ۳۹۳۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متعینہ تاریخ سے زکوٰۃ کا حساب وکتاب مؤخر کرنا؟

سوال (۱۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا زید کسی مجبوری یا مشغولی کی وجہ سے حساب وکتاب مؤخر کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حساب وکتاب خواہ کبھی بھی کیا جائے مالیت وہی معتبر ہوگی جو پندرہ رمضان المبارک کو آپ کی ملکیت میں ہے؛ کیوں کہ زکوٰۃ کا سال اسی دن پورا ہورہا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۳۱۱ ڈابھیل)

ذکر الحاکم الشهيد في المنتقى أن وجوبها على الفور عند أبي يوسفؒ ومحمدؒ. (الفتاوى التاتارخانية ۱۳٤/۳ رقم: ۳۹۳۸ زكريا)

ويجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتاخيره من غير عذر.

(الفتاویٰ الهندية ۱۷۰/۱، كذا في الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الزكاة ۲۷۲/۲ كراچی، الفتاوى التاتارخانية ۱۳٤/۳ رقم: ۳۹۳۸ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں زکوٰۃ دینے کا ثواب ستر گنا زیادہ ہوجاتا ہے

سوال (۱۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان شریف میں جو روپیہ خیرات کیا جاتا ہے، اس کا ثواب ستر گنا ہوجاتا ہے، کیا زکوٰۃ کے روپیہ کا ثواب بھی اس ماہ میں ستر گنا زیادہ ملتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان شریف میں زکوٰۃ دینے سے ستر گنا ثواب ملتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۰۰، مشکوٰۃ شریف ۱/۱۷۳، ایضاح المسائل ۱۲۲)

وعـن سلمان الفارسي رضي اللّٰه عنه قال خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم فـي اٰخـر يـوم مـن شعبان ...... وفيه: ومن أدّى فريضة فيه كان كمن أدّى سبعين فريضة فيما سواه الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الصوم/ الفصل الثالث ۱۷۳/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۳/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ربیع الاول میں فرض ہونے والی زکوٰۃ رمضان تک روکنا؟

سوال (۱۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص پر ربیع الاول میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، وہ ہر سال ربیع الاول میں زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہے، کیا اس شخص کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم رمضان شریف تک روکے رکھے، اور رمضان شریف میں اسی روپیہ کو تقسیم کرے؛ تاکہ وہ ستر گنا ثواب کا مستحق ہوجائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس وقت سال پورا ہوا اسی وقت مستحقین تلاش کرکے زکوٰۃ دینا بہتر ہے، رمضان شریف تک مؤخر کرنے کی ضرورت نہیں، اگر زیادہ ثواب کی خواہش ہے تو رمضان شریف تک حساب لگائیں، یہ مشکل ہو تو ہر سال پیشگی زکوٰۃ رمضان کے مہینہ میں ادا کیا کریں۔

ثـم قيـل هـي واجبة عـلـى الـفـور؛ لأنـه مـقـتـضـى مطلق الأمر، وقيل على التـراخـي؛ لأن جـمـيـع الـعـمـر وقـت الأداء. (هداية) وقال ابن البهام: والوجه الـمـخـتـار أن الأمـر بـالـصـرف إلى الفقير معه قرينة الفور، وهي معجلة فمتى ثم تـجـب على الفور لم يحصل القصور من الإيجاب على وجه التمام. (هداية مع الفتح القدير ۱۵۵/۲، دار الفكر بيروت، كذا في الدر المختار، كتاب الزكاة ۱۹۱/۳-۱۹۲ زكريا، ۲۷۱/۲-

۲۷۲ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۳/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان میں زکوٰۃ نکالنے کے لئے چار مہینہ تک بیوی کو جائیداد کا مالک بنانا؟

سوال (۱۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا سال وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں جمادی الاولیٰ کی پہلی تاریخ کو ہوتا ہے، مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا سال رمضان میں پورا ہو اور رمضان میں ادائیگی ہو؛ تاکہ ثواب زیادہ ملے اور ماحول ہونے کی وجہ سے سفراء حضرات کو بھی آسانی ہو، کیا اس مقصد کے لئے زید جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ، رجب، شعبان، ان چار مہینوں کے لئے اپنی عام جائداد کا مالک اپنی بیوی کو بنادے جو کہ صاحبِ نصاب نہیں ہے، پھر رمضان کی پہلی تاریخ کو وہ پھر پوری جائیداد ہمارے حوالہ کردے؛ تاکہ زکوٰۃ کا سال وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں رمضان کو ہوجائے، اس مقصد سے یہ طریقہ اختیار کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو حیلہ پوچھا گیا ہے، اس سے تقریباً چار مہینے زکوٰۃ سے خالی ہونے لازم آرہے ہیں، گویا کہ اگلے سال جو زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی تو سولہ مہینوں کے بعد ہوگی، حالاں کہ شرعاً ہر بار جمادی الاولیٰ مہینے پر حولانِ حول پورا ہوجاتا ہے، اس اعتبار سے یہ حیلہ حکم شریعت کے منافی ہے؛ لہٰذا یہ حیلہ نہ کیا جائے اور رمضان میں زکوٰۃ کے ثواب کا حصول اس طرح ممکن ہے کہ زکوٰۃ کا حساب تو آپ ہر سال اپنے متعینہ وقت پر لگالیا کریں، پھر زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے رکھ لیں اور رمضان میں ادائیگی کریں، اور مسئلہ مذکورہ میں دوسرا پہلو یہ بھی

ہے کہ یہاں بیوی کو حقیقۃً مالک نہیں بنایا جارہا ہے؛ بلکہ یہ محض رسمی کارروائی ہے اور اس طرح کی ظاہری کارروائی اور حیلہ سے دیانات میں اصل حکم شرعی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

عن نافع أن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما کان یقول: لا تجب في مال زکاۃ حتی یحول علیه الحول. (المؤطا لإمام مالك / باب الزکاۃ في العین من الذهب والورق ۱۸۱ رقم: ٦، سنن ابن ماجة رقم: ۱۷۹۲)

وهي واجبة علی الفور وعلیه الفتویٰ، فیأثم بتاخیره بلا عذر. (طحطاوي ۳۸۸، الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۷٥)

وقیل فوري وعلیه الفتویٰ کما في شرح الوهبانیة، فیأثم بتاخیرها بلا عذر. (شامي ۳/۱۹۲ زکریا)

وإذا فعله حیلة لدفع الوجوب کأن استبدل نصاب السائمة بأخر، أو أخرجه عن ملکه ثم أدخله فیه، قال أبو یوسف، لا یکره ...... وقال محمد: یکره واختاره الشیخ حمید الدین الضریر: لأن فیه إضرارًا بالفقراء، وإبطال حقهم مآلاً، وقیل: الفتویٰ في الشفعة علی قول أبي یوسف، وفي الزکاۃ علی قول محمد. (شامي / باب زکاۃ الغنم ۲/۲۸٤ کراچی، ۳/۲۰۸ زکریا)

ولو احتال لإسقاط الواجب یکره بالإجماع. (حاشیة الطحطاوي ۷۱۸، قدیمی)

الزکاۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملک نصابًا ملکًا تامًا وحال علیه الحول. (هدایة ۲/۳، مکتبة البشریٰ کراچی)

في القنیة: العبرۃ في الزکوٰۃ للحول القمري. (البحر الرائق ۲/۲۱۹، وکذا في الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۷٥، ونحوه في الشامي ۲/۲٥۹ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۱۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ قمری تاریخ سے ادا کریں یا شمسی تاریخ سے؟

سوال (۱۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ قمری تاریخ کے حساب سے نکالی جائے گی یا شمسی تاریخ کے حساب سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے نکالی جائے گی، شمسی (انگریزی) کے حساب سے نہیں؛ اس لئے کہ قمری حساب سے سال ۳۵۴/دن کا ہوتا ہے، اور شمسی سال کبھی ۳٦۵ /دن کا ہوتا ہے اور کبھی ایک دن اس سے زیادہ بھی ہوتا ہے، اور اگر شمسی سال کا اعتبار کرنا ہی کسی وجہ سے ضروری ہوجائے تو دس دن کی زکوٰۃ مزید ادا کرنی ہوگی۔ (مسائل زکوٰۃ ۵۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳٦۲، امداد الفتاویٰ ۲/۳۱، کفایت المفتی ۴/۲۸۴)

وسببه ملك نصاب حولي نسبة للحول، وقال الشامي: أي الحول **القمري لا الشمسي**. (شامي ۲/۲۵۹ كراچی، شامي ۳/۱۷۵ زكريا، الدر المنتقى ۱/۱۹۳)

العبرة في الزكاة للحول القمري كذا في القنية. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۷۵)

سئل الحسن بن علي رضي اللّٰه عنه عن الحول في الزكاة أقمري أم **شمسي؟ فقال: قمري**. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۱۳٤ رقم: ۳۹۳۷ زكريا، البحر الرائق ۲/۲۰۳، طحطاوي على الدر المختار ۱/۳۸۹، الفتاویٰ الهندية ۱/۱۷۵، شامي ۳/۱۷۵ زكريا)

وحولها أي الزكاة قمري لا شمسي (درمختار) وفي الشامية: وأجل سنة قمرية بالأهلة على المذهب وهي ثلاث مائة وأربع وخمسون وبعض يوم، وقيل شمسية بالأيام وهي أزيد بأحد عشر يوماً. (الدرالمختار مع الشامي ۳/۲۲۳ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/٦/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳۰؍ہزار کا سونا خریدا جس کی موجودہ قیمت ۳؍لاکھ ہے، زکوٰۃ کس قیمت سے نکالی جائے گی؟

سوال (۱۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۰؍سال قبل ۳۰؍ہزار کا سونا خریدا تھا، مگر آج اس کی قیمت تین لاکھ روپیہ ہے، زکوٰۃ ۳۰؍ہزار کی ادا کریں یا تین لاکھ کی؟ تین لاکھ کی جو زکوٰۃ بنتی ہے اتنا اس کے پاس نقد روپیہ نہیں ہے، باقی سونے کے زیورات ضرور ہیں، یہ شخص زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زکوٰۃ موجودہ قیمت ۳؍لاکھ کے حساب سے ادا کی جائے گی، اگر ادائیگی کے لئے نقد رقم نہیں ہے، تو سونے کا کچھ حصہ بیچ کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔

ویجوز دفع القیم في الزاۃ والعشر والخراج. (مجمع الأنھر / فصل في الخیل ۳۰۰/۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت، کذا في الفتاویٰ الھندیۃ ۱۸۱/۱، البحر الرائق ۲۲۱/۲ کوئٹہ)

وجاز دفع القیمۃ في زکاۃ وعشر وفطرہ …… وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب، وقالا: یوم الأداء. (الدر المختار مع الشامي، الزکاۃ / باب زکاۃ الغنم ۲۱۱/۳ زکریا)

والمعتبر وزنھما أداء ووجوباً، وفي الرد المحتار: وھذا إذا مایؤدِّ من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القیمۃ إجماعاً کما علمت. (الدر المختار مع الشامي ۲۲۷/۳ زکریا، کذا في الفتاویٰ الھندیۃ ۱۷۸/۱-۱۷۹، مجمع الأنھر ۳۰٤/۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

وکذلک من لزمہ بنت لبون وعندہ حقۃ یقبل منہ الحقۃ ویعطي المصدق عشرین درھماً أو شاتین کما في صحیح البخاري، وھو دلیلنا علی

دفع القيمة في الزكاة. (البحر الرائق ۲/ ۲۲۰ کوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونے چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ قیمت خرید سے نکالیں یا قیمت فروخت سے؟

سوال (۱۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سونے چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ قیمت خرید سے ادا کی جائے گی یا قیمت فروخت سے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے، چاندی کے زیورات کی زکاۃ بازاری موجودہ قیمت سے نکالی جائے گی؛ لہٰذا آپ کا زیور بازار میں جتنی قیمت کا فروخت ہوگا اس پر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے گا۔

له مائتا قفيز حنطة للتجارة تساوي مائتي درهم، ولامال له غيرها، فإن أدى من عينها يؤدي خمسة أقفزة بلا خلاف، وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يوم الوجوب في الزيادة والنقصان، وعندهما في الفصلين يعتبر يوم الأداء …… وفي المحيط: يعتبر في قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (البحر الرائق ۲/ ۲۲۱ کوئٹه)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء. (درمختار، الزكاة / باب زكاة الغنم ۲/ ۲۷٦ کراچی، ۳/ ۲۱۱ زکریا، وكذا فتح القدير، الزكاة / في العروض ۲/ ۲۱۹ مصری)

ويعتبر فيهما أن يكون المؤدي قدر الواجب وزنًا……، ولو أدى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع، كذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۷۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زیورات کی زکوٰۃ میں فروختگی کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال (۱۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا سوال یہ ہے کہ جب ہم ''سونے'' کے زیور کی زکوٰۃ خلافِ جنس ادا کرتے ہیں، تو وزن نہیں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، اور جس دن ادا کی جائے اس دن کو دیکھا جاتا ہے، تو بازار کے بھاؤ کا اعتبار ہوتا ہے، تو جب ہم بازار کا بھاؤ کہتے ہے، تو اس قیمت کو کہتے ہے؟ اگر وہ زیور اس سنار کے پاس ہوتا تو جس قیمت پر وہ اس کو بیچتا وہ قیمت بازاری قیمت ہوتی، اب اگر میں اس کا وزن کرنے اور ڈیزائن دیکھنے کے بعد اس کو کسی دوسرے شخص کو بیچ دوں، تو مجھے اس کی جتنی قیمت مل سکتی ہے، کیا اس قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے؟

مثال: - وزن ۱۰۰ر گرام ہو، ۱۸ر کریٹ کا ہو، ایک گرام ار ہزار روپئے کا ہو، تو قیمت ایک لاکھ بنتی ہے، اگر اس ڈیزائین کو سنار خود بیچتا تو اس کو وہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا بیچتا، جس میں اس کی بنائی کی اجرت بھی شامل ہے، اور اگر کسی دوسرے شخص کو بیچا جائے تو اس زیور کا ار لاکھ پندرہ ہزار سے ار لاکھ ۱۲ر ہزار تک روپئے مل سکتے ہیں۔ تو اب زکوٰۃ کس قیمت پر واجب ہوگی؟

جس طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس ۴۰ر گندم کی بوریاں ہوں اور اس پر زکوٰۃ نکالنی ہو تو وہ ایک بوری واجب ہوگی، اور اگر اس کی زکوٰۃ روپئے سے دینی ہو، تو اس بوری کی قیمت ادا کرنی ہوگی، یعنی جس قیمت پر یہ خود بیچ رہا ہے؛ تاکہ یہ غریب جب بازار جائے تو اس کو گندم کی بوری مل سکے یا خود اس شخص سے خریدے تو وہ ایک بوری خرید سکے۔

میں سمجھتا ہوں جس طرح صدقہ فطر میں غریب کو اتنے قیمت کا مالک بنایا جاتا جس سے وہ آسانی سے اپنے لے گندم خرید سکے۔

مثال: اگر ایک شخص کو زکوٰۃ میں ایک گرام سونا دینا ہو (جس طرح سبھی فتاویٰ میں ہے، سنار کے قیمت خرید پر زکوٰۃ ہے) اور سنار جس قیمت پر خریدتا ہے اسی پر زکوٰۃ نکالتا ہے، اگر وہ غریب اس سنار سے جا کر وہ گرام خریدے تو اس کو نہیں ملے گا؛ کیوں کہ قیمت میں فرق آ گیا ہے۔ سنار جس

قیمت پر خریدتا ہے اور بیچتا ہے اس میں فرق ہے۔ یہاں پر بھی گندم کی بوری کی طرح اتنی قیمت ملنی چاہئے، اگر وہ ایک گرام سونا خریدنا چاہے تو خرید سکے۔ یعنی جس قیمت پر سنار ایک گرام سونا بیچے گا اس قیمت پر زکوٰۃ نکالنی چاہئے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کھلی مارکیٹ میں جو قیمت ملے یا جس پر فروخت ہوسکتی ہے، سونے کی چیز کو سنار ہی بتائے گا کہ اس کی اصل مالیت کیا ہے اور اس کی کتنی قیمت مل سکتی ہے؟ اور میں نہیں سمجھتا کہ جس قیمت پر سنار خریدے گا؛ کیونکہ جس پر وہ خریدتا ہے، وہ ہول سیل قیمت ہوتی ہے، جو خاص ان کے لئے ہے اور یہ عام نہیں ہے، سب کو اس قیمت پر سونا نہیں ملتا، یوں لگتا ہے کہ ہم نے خاص کو عام کر دیا اور عام کو خاص۔

بعض علماء جو کہتے ہیں کہ بنائی کا اعتبار نہیں ہے؛ لیکن زیور کی مالیت کو بڑھانے کے لئے دست کاری ڈیزائن ایک اہم رول ہے۔

ہمارے مفتی صاحب نے اس پر ایک فتاویٰ شائع کیا ہے، جو مقامی زبان میں ہے، میں ترجمہ کرنے کی کوشش کروں گا، ایک مثال دی ہے ''ایک انگوٹھی وزن کے اعتبار سے ۳؍گرام ہے، انگوٹھی میں استعمال شدہ سونے کی قیمت ۲۷؍سو روپئے ہے اور اگر انگوٹھی پر کام کرنے کی وجہ سے اس کی قیمت ۳۹؍سو روپئے ہوگئی، تو زکوٰۃ ۳۹؍سو روپئے کی نکالی جائے گی۔ یہ مسئلہ کے نام سے جانا جاتا ہے (آپ خود کتابوں میں علماء کا مسئلہ ابریق دیکھ سکتے ہیں کہ مجھ سے ترجمہ صحیح ہوا کہ نہیں؟) اس مسئلہ کے اعتبار سے اگر ہمارے پاس ایک چاندی کا جگ ہو، وزن کے اعتبار سے دوسو درہم پر۔ الا کہ اس کی زکوٰۃ چاندی سے ہی دی جائے تو پھر دوسو درہم پر دی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا نہ کہ قیمت کا؛ کیوں کہ اس زمانے میں درہم چاندی اور دینار سونے کا تھا، اگر ہم نے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ سونے اور چاندی سے ہی نکالنی ہو، تو اس وقت وزن کو دیکھا جاتا ہے۔ آج کل ہم زکوٰۃ سونے اور چاندی سے نہیں دیتے، تو ہم اس کی قیمت کا اعتبار کریں گے؟

وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه أعتبرت القيمة حتى لو أدى من الذهب

ما تبلغ قيمته خمسة الإناء لم يجز في قولهم ...... الفتاوى الشامية دراهم من غير.

ایک دوکاندار کو اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنی ہے تو قیمت فروخت کا اعتبار رہے، یعنی جس قیمت پر وہ اپنا مال بیچتا ہے، اس قیمت پر ہے، اگر وہ دوکاندار ایک قمیص دوسو روپئے کی بیچتی ہے تو ہم زکوٰۃ دوسو روپئے پر نکالیں گے؟

بعض علماء جو کہتے ہیں منافع کو شامل نہیں کریں گے؛ بلکہ اسے بازار میں لے جاکر جو قیمت ملے گی، اس قیمت پر ہے۔ اس سب پر آپ کی تحقیق درکار ہے۔ حوالہ کے ساتھ، جزاک اللہ۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب باللہ التوفیق: آج کل عرف یہ ہے کہ سنار جب زیور بیچتا ہے تو سونے چاندی کے وزن کے ساتھ ساتھ اس کی بنائی کی قیمت بھی جوڑتا ہے؛ لیکن جب عام آدمی اپنا زیور سنار کے پاس بیچنے کے لئے جاتا ہے تو ایسی صورت میں سنار بنائی کی قیمت نہیں جوڑتا، اور وزن میں بھی کم قیمت پر خرید تا ہے۔ مثال کے طور پر اگر زیور کے بیچنے کی قیمت ۲۷؍سو روپیہ فی گرام چل رہی ہے، تو واپسی کے وقت ۲۵؍سو روپیہ فی گرام ہو جاتی ہے، اور یہ عرف آج کل تقریباً پوری دنیا میں بلانکیر جاری ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر کوئی شخص قیمت لگا کر اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے، تو وہ زیور سنار کے یہاں جتنے میں فروخت ہوگا، پس اسی مقدار پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوگی، کیوں کہ عرفاً اس کی یہی قیمت ہے؛ البتہ اگر کوئی سنار اور سونے کی تجارت کرنے والا صراف اپنی دکان میں موجود برائے فروخت زیورات کی زکوٰۃ کا قیمت سے حساب لگانا چاہے، تو اس میں وہ جس قیمت پر فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اسی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اور آپ نے جس مسئلہ ابریق کی عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس کا مصداق یہی صورت ہے؛ لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ اس معاملہ میں عام آدمی اور سونے کے تاجر کے درمیان قیمت کا حساب لگانے میں فرق ہوگا، یہی بات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھی ہے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں: ’’ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ اگر سنار یا صراف سے زیور خرید و تو وہ

بنوائی لگاتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ بیچو تو نہیں لگاتا، پس اس بنا پر مقتضی قاعدہ کا یہ ہے کہ ایسے دیار میں مالک زیورات کا اگر تاجر زیورات کا ہے، تب تو وہ زکوٰۃ میں بنوائی بھی لگاوے، اگر تاجر نہیں ہے محض استعمال میں لانے والا ہے، تو وہ نہ لگاوے‘‘۔ (امدادالفتاویٰ ۲/۴۹)

درج بالا تفصیل سے سونے کے علاوہ دیگر اشیاء کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ تاجر اپنی دکان میں جو چیز جتنی قیمت میں فروخت کرتا ہے وہ سب زکوٰۃ میں لگائے گا، اور عام آدمی کی چیز جتنے میں بازار میں فروخت ہوگی وہ اسی کو زکوٰۃ میں محسوب کرے گا۔ (مستفاد امداد الفتاویٰ ۲/۴۹ زکریا، فتاویٰ عثمانی ۲/۶۶، کتاب المسائل ۲/۲۳۰، فتاویٰ دار العلوم ۶/۱۲۴، فتاویٰ محمودیہ ۹/۸۷ ۳ڈابھیل)

والمعتبر وزنهما أداء ووجوباً (درمختار) يعني يعتبر أن يكون المؤدي قدر الواجب وزنا عند الإمام والثاني. (شامي ٣/٢٢٧ زكريا، البحر الرائق ٢/٣٩٥ زكريا، تبيين الحقائق ٢/٧٤)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء ...... ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه. (درمختار) وفي الشامي: إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل يوم الأداء، وفي المحيط يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما. (شامي ٣/٢١١ زكريا، شامي ٢/٢٧٦ كراچی)

ولو كان له إبريق فضة وزنه مأتان وقيمته لصياغته ثلاث مائة، إن أدى من العين يؤدي ربع عشره، وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف، وإن أدى خمسة قيمتها خمسة جازگ ولو أدى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع. (الفتاویٰ الهندية ١/١٧٨ زكريا، تبيين الحقائق ٢/٧٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۹/۱/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چاندی کے بنے بنائے زیوروں کی زکوٰۃ؟

سوال (۱۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں شادی کے موقع پر لوگ دھام پور سے چاندی کا زیور خریدتے ہیں، اس بنے ہوئے چاندی کے زیور کا ریٹ عام چاندی سے کم ہوتا ہے؛ کیوں کہ بنے ہوئے زیور میں ملاوٹ ہوتی ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ہم اس بنے ہوئے چاندی کے زیور کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کریں، اصل چاندی کی قیمت سے یا اس بنے ہوئے زیور کی بازاری موجودہ قیمت سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مارکیٹ میں بیچتے وقت جو قیمت حاصل ہو اسی کا اعتبار ہوگا؛ کیوں کہ یہی اس کی اصل مالیت ہے۔

وإنما له ولاية النقل إلى القيمة يوم الأداء، فيعتبر قيمتها يوم الأداء. (بدائع الصنائع ۲/۱۱۱ زکریا)

لايعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة، فتجب الزكاة فيها، سواء كانت دراهم مضروبة أو نقرة أو تبرا أو حليا مصوغا. (بدائع الصنائع، الزكاة / الأثمان المطلقة وصفتها ۲/۱۰۱ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۱/۱۹ھ

زیور کی زکوٰۃ میں زکوٰۃ نکالنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال (۱۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک تولہ سونا کی قیمت ۸/ ہزار روپیہ تھی، گذشتہ اسی حساب سے زکوٰۃ ادا کی گئی، اس سال اس کی قیمت فی تولہ ۱۰/ ہزار روپیہ ہے، زکوٰۃ ۸/ ہزار کے حساب سے نکالی جائے یا ۱۰/ ہزار کے حساب سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سال زیور کی جو قیمت ہے، اسی اعتبار سے حساب لگاکر زکوٰۃ ادا کی جائے گی، سالِ گذشتہ کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

وأجمعوا أنہ لو أدی من خلاف جنسہ اعتبرت القیمۃ. (الرد المحتار، الزکاۃ / باب زکاۃ المال ۲/۲۹۷ دار الفکر بیروت، ۳/۲۲۷ زکریا، تبیین الحقائق، الزکاۃ / زکاۃ المال ۲/۷۲، البحر الرائق / زکاۃ المال ۲/۳۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال (۱۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مالِ تجارت پر زکوٰۃ لاگت اور خریداری کے حساب سے ہے؟ یا جو بازاروں میں قیمت ہوتی ہے اس کے حساب سے؟ مثلاً ایک شخص عطر کا تاجر ہے، اس نے ۲۵؍ تولہ عطر تاجرانہ ریٹ سے ۲۰۰۰؍ روپیہ کا خریدا، یا اس کو ۲۵؍ تولہ عطر بنانے میں دو ہزار روپئے کی لاگت آئی، اور اس ۲۵؍ تولہ عطر کی قیمت بازار میں تین ہزار روپئے ہے، صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کونسی قیمت معتبر ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادائیگی زکوٰۃ کے وقت اس عطر کی بازار میں جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا، یہ حضراتِ صاحبینؒ کا مذہب ہے، اور انفع للفقراء ہونے کی بنا پر اس وقت یہی مفتی بہ ہے۔

وتعبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا : یوم الأداء. (الدرالمختار / باب زکاۃ الغنم ۳/۲۱۱ زکریا)

لـه مـائتـا قـفيز حنطة للتجارة تساوي مائتي درهم، ولامال له غيرها، فإن أدى من عينها يؤدي خمسة أقفزة بلا خلاف، وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يـوم الـوجـوب في الزيادة والنقصان، وعندهما في الفصلين يعتبر يوم الأداء ...... وفـي الـمـحيط: يعتبر في قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (البحر الرائق ۲/ ۲۲۱ كوئٹه)

وإن كـان مـن خلاف جنسه يراعي فيه قيمة الواجب. (بـدائع الصنائع ۲/ ۱٤۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریال اور ڈالر کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے گی

سـوال (۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس سعودی ریال اور امریکی ڈالر موجود ہیں، ان کی مالیت بازار کی قیمت خرید سے لگانی چاہئے، یا قیمت فروخت سے لگانی چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّـه التوفيق: ریال اور ڈالر کی جوفروختگی کی قیمت ہے اس سے حساب لگایا جائے گا؛ کیوں کہ یہی اس کی اصل مالیت ہے۔

وإنـمـا له ولاية النقل إلى القيمة يوم الأداء فيعتبر قيمتها يوم الأداء. (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوگا قیمتِ خرید کا نہیں

سوال (۱۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ناچیز نے کچھ عرصہ قبل منسلکہ سوال استفتاء دار العلوم دیوبند ارسال کیا تھا، جس کا مذکورہ جواب بندہ کو موصول ہوا، مگر بعض اہل علم حضرات کے درمیان اس مسئلہ پر بحث وتمحیص ہوئی، ایک صاحب نے کہا کہ فتوی میں جو حوالہ درج ہے، اس میں نقل میں تسامح ہوگیا ہے؛ کیوں کہ فتاوی دار العلوم میں اصل عبارت کے الفاظ یہ ہیں: ''ایک شخص نے کچھ کتابیں تاجرانہ قیمت سے خریدیں یا اپنے پریس میں چھاپیں، اور وہ ایک ہزار روپیہ میں اس کو پڑ گئیں، مگر بازار میں وہ دوہزار کی ہیں، تو زکوٰۃ دوہزار کی دینا چاہئے۔ (۶/۸۰-۸۱ مختصراً، شامی ۲/۳۰، باب زکوٰۃ الغنم بحوالہ مسائل زکوۃ ۱۶۴) واضح فرمائیں کہ اصل فتویٰ کی رو سے راجح اور معتمد ہے، یا وہ مسئلہ جو نقل کردہ عبارت سے سمجھا جارہا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی میں ادائیگی کے وقت بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوتا ہے، خرید کے بھاؤ کا اعتبار نہیں ہوتا، فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں یہ مسئلہ کئی جگہ مذکور ہے، اور بعض جگہ قیمت خرید معیار بنانے کی بات لکھ دی گئی ہے جو غالباً سبقت قلم ہے، اسی پر مدار رکھ کر ہم رشتہ فتویٰ میں قیمت خرید کو معیار بنانے کا فتویٰ دیا گیا ہے، مگر یہ راجح قول کے خلاف ہے اور آپ نے مسائل زکوٰۃ کے حوالہ سے فتاویٰ دار العلوم کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ استفتاء کی عبارت ہے فتویٰ کی نہیں، اس لئے اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح......، ويقوم في البلد الذي المال فيه. (شامي ۲۱۱/۳ زكريا، فتاوی محمودیہ ۱۱۰/۱۷، کفایت المفتي ۲۸۲/٤)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا : يوم الأداء. (درمختار، الزكاة / باب زكاة الغنم ۲۷٦/۲ كراچی، ۲۱۱/۳ زكريا، كذا في البحر الرائق، الزكاة / باب زكاة المال ٤۰۰/۲، وكذا في فتح القدير الزكاة / في العروض ۲۱۹/۲ مصري، الدر مع الرد ۲۱۱/۳)

لـه مـائتـا قـفـيز حنطة للتجارة تساوي مائتي درهم، ولامال له غيرها، فإن أدى من عينها يؤدي خمسة أقفزة بلا خلاف، وإن أدى قيمتها فعنده تعتبر القيمة يـوم الـوجـوب في الزيادة والنقصان، وعندهما في الفصلين يعتبر يوم الأداء ...... وفـي الـمـحيط: يعتبر في قيمة السوائم يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (البحر الرائق ۲/ ۲۲۱ كوئٹه)

وإن كـان مـن خلاف جنسه يراعي فيه قيمة الواجب. (بـدائع الصنائع ۲/ ۱٤۷ زكريا، فتاوىٰ محموديه ۹/ ۳۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۳/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں محسوب کرنا؟

ســـوال (۱۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا واجب الاداء زکوٰۃ سے زائد ادا کردہ زکوٰۃ کی رقم کا شمار آئندہ سال کی زکوٰۃ میں کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جوزائد رقم ادا کی جائے گی، اس کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں جوڑنا جائز ہے۔

عـن عـلـي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لعمر: إنا قد أخذنا زكاة العباس عام الأول للعام. (سنن الترمذي، الزكاة / ما جاء في تعجيل الزكاة ۱/ ۱٤۷ رقم: ٦۷٤)

ولـو عـجـل ذو نصاب لسنين أو لنصب صح؛ لوجود السبب. (الدر مع الرد ۳/ ۲۲۱ زكريا، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۷۱٥ قديمي، ٥۸۸ مصري، البحر الرائق، فصل في الغنم ۲/ ۳۹۰ رشيدية)

ولو مرّ بأصحاب الصدقات فأخذوا منه أكثر مما عليه ظنًّا منهم أن ذٰلك عليه لما أن ماله أكثر يحتسب الزيادة للسنة الثانية. (المحيط البرهاني / المتعلقة يعطي الزكاة ۳/۲۲۶ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲۵/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض کو زکوٰۃ میں محسوب کرنا؟

سوال (۱۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبداللہ نے ایک قطعہ آراضی کا سودا کیا، ایڈوانس میں مبلغ بیس ہزار روپیہ مالک آراضی کو دئے، کچھ عرصہ بعد عبداللہ نے اس آراضی کو خریدنے سے انکار کردیا، مالک آراضی نے بیس ہزار روپیہ واپس کرنے کا وعدہ کیا، کچھ عرصہ تقاضہ ہوتا رہا، مالک آراضی دینے کا وعدہ کرتا رہا، اسی عرصہ میں میرے محلّہ میں ایک مکتب جدید کی تعمیر شروع ہوگئی، عبداللہ مکتب جدید کے ذمہ داروں کو لے کر مالک آراضی کے پاس پہنچے اور یہ طے پایا کہ وہ تیس ہزار روپیہ کی رقم اس مکتب جدید کے ذمہ داروں کو دے دیں۔ مالک آراضی نے وعدہ کیا کہ ٹھیک ہے کہ میں یہ رقم اس مکتب جدید کے ذمہ داروں کو دے دوں گا، اس وعدہ کے بعد عبداللہ نے اس رقم کو مدزکوٰۃ میں ڈال کر اپنا کھاتا برابر کرلیا، مالک آراضی نے اس مکتب کو سمنٹ جس کی قیمت ۳۳۷۵/ روپیہ ہوتی ہے، دے دی، باقی کا وعدہ کرلیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبداللہ کی کل زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں، یا جتنا مالک آراضی نے واپس کیا ہے مکتب کو اتنی ادا ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبداللہ کے قرض کی رقم کو زکوٰۃ کے حساب میں ڈال کر کھاتا برابر کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی؛ کیوں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رقم فقیر مستحق کی ملکیت میں پہنچنی ضروری ہے، جو یہاں نہیں پہنچی، حتی کہ جو رقم مکتب میں تعمیر کی مد میں دی گئی ہے وہ

بھی زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگی؛ بلکہ وہ نفلی عطیہ میں شمار ہوگی؛ اس لئے کہ تعمیرات میں زکوٰۃ کی رقم لگانا درست نہیں ہے۔

أخـرج عبـد الـرزاق عن سفيان الثوري قال: الرجل لا يعطي زكاة ماله ...... ولا يعـطيهـا فـي كفن ميت، ولا دين ميت، ولا بناء المسجد...... الخ. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة / باب لمن الزكاة ٤/١١٣ رقم: ٧١٧٠)

ولا يـجـوز الـزكاة إلا بقبض الفقراء أو بقبض من يكون قبضه قبضًا لهم.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٦ زكريا)

أمـا ركنه فهو التمليک لقوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ﴾ والإيتاء: هـو التـمليک لقوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوۡا الزَّكَاةَ﴾ فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليک رأسا. (بدائع الصنائع ٢/١٨٩ زكريا)

واعـلـم أن التـمـليک شرط قال تعالىٰ: وآتوا الزكاة، والإيتاء: الإعطاء، والإعـطـاء التـمـليک فـلا بد فيها من قبض الفقير أو نائبه؛ لأن التمليک لا يتم بدون القبض. (الاحتيار التعليل المختار ١/١٢١ الشاملة، درمختار ٣/٢٩١ زكريا)

ولا يـجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطير – إلى قوله – وكل ما لا تمليک فيه. (الفتاویٰ الهندية ١/١٨٨، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٨ رقم: ٤١٤٠ زكريا)

ولا يبنى بها مسجد لانعدام الملک وهو الركن. (فتح القدير ٢/٢٦٧ كراچی)

ويشتـرط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة. (الـدرالمختار مع الرد المحتار / باب المصرف ٢/٣٤٧ كراچی، ٣/٢٩١ زكريا، فتاویٰ رحيميه ٥/١٤٩–١٥٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقروض اگر زکوٰۃ کا مستحق ہوجائے تو قرض کی رقم زکوٰۃ میں مجریٰ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

سوال(۱۱۵):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالد کا کسی شخص پر قرض تھا، یا فروخت شدہ مال کی قیمت باقی تھی، اب حالت یہ ہے کہ وہ شخص باوجود تقاضہ کے رقم نہیں دیتا، یا اس کی مالی حالت اتنی خراب ہوچکی ہے کہ اب بقایا وصول ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے، تو کیا ایسی شکل میں جب کہ خود بقایا دار زکوٰۃ لینے کی حالت میں ہے تو کیا ایسی شکل میں وہ بقایا رقم زکوٰۃ کی ادائیگی میں مجرا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر مجرا ہوسکتی ہے تو کیا قرض دار کو بھی بتانا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض دار زکوٰۃ کا مستحق ہوگیا اور قرضہ چکانے کی کوئی صورت نہیں ہے تو سوال میں ذکر کردہ طریقہ پر تو زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوگی؛ بلکہ اس کی صحیح شکل یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا قرض دار کو مالک بنادیا جائے، پھر وہ اپنے اختیار سے قرضہ ادا کرے، تو اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرضہ بھی حاصل ہوجائے گا۔

وحیلة الجواز أن یعطي مدیونه الفقیر زکاته ثم یأخذها عن دینه (درمختار) قوله: وحیلة الجواز أي فیما إذا کان له دین علی معسر. (رد المحتار، کتاب الزکاة / مطلب في زکاة ثمن المبیع ۲/ ۲۷۱ کراچی، البحر الرائق، کتاب الزکاة ۲/ ۲۱۱، طحطاوي علی المراقي ۵۸۹ مصري)

والحیلة في ذٰلک أن یتصدق صاحب المال علی الغریم بمثل ماله علیه من المال العین ناویاً عن زکاة ماله ویدفعه إلیه، فإذا قبضه الغریم ودفعه إلی صاحب المال قضاء بما علیه من الدین یجوز. (الفتاویٰ الهندیة ۶/ ۳۹۱، شامي ۳/ ۱۹۰-

۲۸۹/۳ زکریا، البحر الرائق ۲/ ۳۷۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵ /۷/ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی موصولہ رقم قرض دے کر اپنی جیب سے ضمان ادا کرنا؟

سوال (۱۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالد کے پاس چندہ یعنی زکوٰۃ کا روپیہ تقریباً دو ہزار تھا، اس کے بعد ایک شخص مسمیٰ مشتاق آیا، اس نے اپنی بہت پریشانیاں ظاہر کیں، اس کے والد جنرل اسپتال میں سخت بیمار پڑے تھے، بظاہر مشتاق کے پاس اپنے والد کی دوا کرنے کے لئے کوئی رقم نہیں تھی، تو مشتاق نے خالد سے وہ زکوٰۃ کے روپئے لے لئے اور وعدہ کیا کہ ہم عید کے دس دن بعد دے دیں گے؛ لیکن مشتاق اپنے وعدہ کے مطابق اس رقم کو ادا نہ کر سکا، پھر خالد اپنے مدرسہ چلا گیا اور اپنی تنخواہ اور اپنے ذاتی غلہ وغیرہ کے پیسہ سے مدرسہ کا حساب مکمل کر دیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مشتاق جب روپیہ دے گا، تو وہ روپئے خالد لے سکتا ہے؟ اور وہ روپیہ خالد اپنے صرفہ میں لا سکتا ہے یا نہیں؛ اس لئے کہ خالد بھی مالک نصاب نہیں ہے، اور اگر خالد اپنے صرفہ میں نہیں لا سکتا، تو ان روپیوں کو کہاں صرف کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں خالد نے جب مشتاق کو زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دے دی، تو خالد اس کا ضامن ہو گیا، اور جب اس نے مدرسہ کو ضمان ادا کر دیا، تو مشتاق کو دی ہوئی رقم اس کی ملک میں آ گئی، اب مشتاق جب خالد کو وہ رقم قرض ادا کرے گا، تو خالد کے لئے اسے استعمال کرنا بلاشبہ درست رہے گا۔

وإذا أدّی البدل یباح لہ؛ لأن حق المالک صار موفی بالبدل فحصلت مبادلة بالتراضي. (هداية ۳/ ۳۷۷)

وإن أزاله عن ملكه بعوض نحو البيع، فإن حصلت الإزالة بعوض يعدله ويوازيه لا يصير ضامنا للزكاة بقي العوض في يده أو هلك...... وكذا إذا أقرض النصاب ثم أبرأ المستقرض لم يضمن ...... وفي الكافي: للبدل حكم **المبدل.** (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۷٦/۳ رقم: ٤١-٤٠٣٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارتی مشینریوں کی زکوٰۃ کس قیمت سے نکالی جائے گی؟

سوال (۱۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی دوکان یا گڈاؤن میں کئی قسم کی مشینریاں رکھی ہوئی ہوں، اور منافع کی قیمت متعین نہیں، کبھی کم کبھی زیادہ، اور یہ بھی اندازہ نہیں کہ کونسی مشین کب فروخت ہوگی، ان چیزوں کی زکوٰۃ کا کیا مسئلہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس دن آپ زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، اس تاریخ میں دوکان اور گودام میں رکھی ہوئی مشینریوں کی بازاری قیمت لگا کر حساب جوڑ لیا جائے اور اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کردی جائے، اور اس تاریخ سے پہلے یا بعد میں اگر اس کی قیمت میں کمی بیشی ہو تو اس سے کچھ فرق نہ پڑے گا۔

وعندهما في الفصلين جميعاً يؤدي قيمتها يوم الأداء في النقصان ...... **وفي الزيادة.** (بدائع الصنائع، الزكاة / التصرف في مال الزكاة ١١٥/٢ زكريا)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الاداء، ...... وفي المحيط: يعتبر **يوم الاداء بالإجماع وهو الأصح.** (درمختار مع الشامي ٢١١/٣ زكريا)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً

مـن الورق والذهب ...... وتعتبر القيمة عند حولان الحول. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۹/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۸/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان کا کرایہ اور قرض کا ضمان اصل مال سے وضع کر کے زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے ذمہ چند مہینوں کا مکان کا کرایہ باقی ہے، جو کہ اس کے ذمہ واجب الاداء ہے، تو کیا زکوۃ میں سے یہ رقم وضع کی جائے گی؟ اسی طرح اگر زید نے اپنے کسی عزیز کا قرضہ اپنے ذمہ لے لیا کہ میں اس کو ادا کروں گا، تو کیا وہ بھی زکاۃ میں سے وضع کیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان کے کرایہ کی رقم اور وہ رقم جو دوسرے کے قرضہ کی اپنے ذمہ میں لے لی ہے، اس کو وضع کر کے زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے گا؛ کیوں کہ یہ رقومات حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں۔

عـن ابن جريج قال: قال لي أبو الزبير سمعت طاؤساً يقول: ليس عليه صدقة. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٥/٢ رقم: ١٠٥٦٨)

فـارغ عـن ديـن لـه مـطـالـب مـن جهة العبـاد، سواء كان للّٰـه كزكاة وخراج، أو للعبد ولو كفالة. (درمختار) وقد علّلوا سقوط الزكاة بالدين بأن الـمـديـون محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية؛ لأن قضاء الدين من الحوائج الأصـلية، والـمال المحتاج إليه حاجة أصلية لايكون مال الزكاة. (درمختار مع الشامي ١٧٦/٣-١٧٧ زكريا)

ومن كان عليه دين يحيط بماله، وله مطالب من جهة العباد......، سواء كـان مـن الـنـقـود أو مـن غيرها، وسواء كان حالا أو مؤجلاً، فلا زكاة عليه.

(عناية مع فتح القدير ۲/ ۱۷۰، تبيين الحقائق ۲/ ۲٤۲ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/۱۱/۱۴۲۴ھ

کپڑوں کے ذریعہ زکوٰۃ ادائیگی میں کونسی قیمت معتبر ہوگی؟

سوال (۱۱۹) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مئو میں لنگیاں اور ساڑیاں تیار ہوتی ہیں، بہت سے لوگ بمد زکوٰۃ لنگیاں اور ساڑیاں دیتے ہیں، اور جو لاگت ساڑی پر آتی ہے، اسی کے حساب سے جوڑ کر دیتے ہیں، مثلاً بازار میں وہ ساڑی تین سو روپیہ کی بکتی ہے اس پر لاگت دوسو پچاس کی آتی ہے، اور مدرسہ والے اس کو دوسو میں بیچ دیتے ہیں، تو اس شخص کی زکوٰۃ دوسو پچاس کی ادا ہوگی یا دوسو کی؟ مدرسہ وصیت العلوم کوپا گنج سے شائع شدہ ''وصی جنتری'' میں مکتوب ہے کہ جو سامان کارخانوں میں تیار ہوتا ہے، مثلاً لنگی اور ساڑی وغیرہ اس کے زکوۃ میں دینے سے اتنی ہی زکوٰۃ ادا ہوگی جتنی مالیت کا سامان فقیر کو حاصل ہوا، یعنی ثمن مثل اور بازار کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، مثلاً کسی ساڑی کی قیمت دوسو پچاس مان کر زکوٰۃ دی اور وہ ساڑی عموماً دوسو میں بکتی ہے، تو پچاس روپیہ زکوٰۃ میں مزید دینے پڑیں گے تب جا کر دوسو پچاس روپیہ کی مقدار زکوٰۃ ادا ہوگی، ورنہ پچاس روپیہ ذمہ میں باقی رہیں گے۔ (بحوالہ: اصلاحِ انقلاب ۱/۱۵۳)

ایک تاجر صاحب کا کہنا ہے، آج میں نے بیوپاری کو ساڑی ۲۵۰ میں بیچا اور وہی ساڑی اسی قیمت میں مدرسہ والوں کو دیا اور انہوں نے اس کو ۲۰۰ میں بیچ دیا، تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟

نیز ساڑیوں کی زکوٰۃ ساڑیوں سے دی جائے تو کیسا ہے؟ مثلاً بوئی کی ساڑی جس کی قیمت ۳۰۰ ہے، تو دوسو ساڑیوں میں سے پانچ عدد ساڑی نکال دی جائیں تو کیسا ہے؟ یا مدرسہ والے ان تمام ساڑیوں کا حیلہ کرا کر اس کو جس قیمت میں چاہیں بیچیں، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ میں اصل لاگت کا نہیں؛ بلکہ بازاری بھاؤ کا اعتبار ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں لنگیوں اور ساڑیوں کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت بازاری قیمت ہی لگانی چاہئے، اور اگر خود لنگی یا ساڑی زکوٰۃ میں دینا چاہیں، تو وہ بھی دے سکتے ہیں، اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ویقوم في البلد الذی المال فیه. (شامي ۲۱۱/۳ زکریا، کذا في اللباب في شرح الکتاب / زکاۃ الخیل ۱٤٤/۱ الشاملة)

اب رہ گیا اہل مدرسہ کا مذکورہ لنگیوں اور ساڑیوں کو کم قیمت پر فروخت کر دینے کا مسئلہ تو ذمہ داران مدارس چوں کہ طلبہ کی طرف سے بھی وکیل ہوتے ہیں، اس لئے ان کے قبضہ کرنے سے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؛ لیکن اگر مدرسہ والوں نے بازاری بھاؤ سے کم غبن فاحش کے ساتھ ان ساڑیوں اور لنگیوں کو بیچا ہے، تو اس سلسلے میں فقہاء کی دو رائے ہیں:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ بیچنے والے ذمہ داران نقصان کے ضامن ہونگے، اسی کو علامہ شامیؒ نے ظاہر قرار دیا ہے۔

(۲) اور دوسری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے کم قیمت پر خریدا ہے، اس پر لازم ہے کہ پوری قیمت ادا کرے۔ درمختار کے متن اور علامہ رافعی کی تقریر سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، اور ان دونوں آراء میں قدر مشترک یہ ہے کہ مدرسہ کے نقصان کی بہر حال تلافی کی جائے گی، چاہے ذمہ داران مدارس اپنی جیب سے کریں، یا خریداروں سے کروائیں، اور اس سلسلہ میں کوئی حیلہ چلنے والا نہیں ہے۔

عن أبي هریرۃ رضي اللّٰہ عنه عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: آمرکم بثلاث وأنهاکم عن ثلاث ......: أنهاکم عن ...... وإضاعة المال. (صحیح ابن حبان ۴۲۴/۱۰ رقم: ٤٥٦٠)

قوله: وإضاعة المال: قیل: هو الإنفاق في المعاصي ...... واحتمال الغبن

الفاحش في البياعات ونحوها. (شرح السنة للبغوي / باب الاعتصام بالكتاب والسنة ٢٠٤/١ الشاملة)

فلو باع به كان فاسداً حتى يملكه المشتري بالقبض، قال الشامي: وهل يضمن الوصي الغبن الفاحش؟ الظاهر نعم. (درمختار مع الشامي، الوصايا / باب الوصي وهو الموصى إليه ٤٢١/١٠ زكريا)

قال الرافعي: الظاهر عدم ضمانه كما تقدم فيما لوأجره القيم بأقل من أجر المثل، فإن المستأجر يلزمه تمامه لا الناظر. (تقریراتِ رافعي ٣٥١/١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں دوسرے کو وکیل بنانا اور قرض لے کر زکوٰۃ ادا کرنا؟

سوال (۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید خالد سے یہ کہتا ہے کہ تم میری طرف سے فلاں مدرسہ میں اپنے پاس سے زکوٰۃ کے نام سے اتنے روپیہ ادا کردینا، میں تم کو بعد میں ادا کردوں گا، تو خالد نے زید کی طرف سے روپے ادا کردیئے، تو کیا زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟ جب کہ زید نے ان روپیوں پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا جو کہ خالد نے اپنے پاس سے زید کی طرف سے ادا کئے ہیں، تو کیا اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ زید خالد سے روپے لے کر ان پر قبضہ کے بعد زید خالد کو دے؟ فطرہ، صدقۂ واجبہ اور صدقۂ نافلہ ان سب چیزوں میں ادھار پیسہ لے کر دینا کیسا ہے؟ کیا پیسہ ادھار لے کر دینے سے ذمہ سے ادائیگی ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟ اسی طرح ان سب مذکورہ چیزوں میں اگر وکیل مؤکل سے روپیہ وصول کئے بغیر مؤکل کے حکم سے اپنے پاس سے روپے ادا کردے اور بعد میں ایک دو روز بعد یا تھوڑی دیر بعد مؤکل سے روپے وصول کرلے، تو کیا مؤکل کے ذمہ سے ادائیگی ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خالد نے زید کے حکم پر زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا

کردی ہے اور ادائیگی کے وقت زید ہی کی نیت کی ہے، تو زید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؛ البتہ زید خالد کا قرض دار ہوگیا، اس پر لازم ہے کہ وہ جلد از جلد متعینہ رقم ادا کر کے اپنا ذمہ بری کرلے۔ (بہشتی زیور ۲۹/۳)

ولو أمر غيره بالدفع عنه جاز . (شامي ۱۸۹/۳ زكريا)

سئل البقالي عمن أعطى رجلاً دراهم ليتصدق بها عن زكاة الآمر، فتصدق المأمور بدراهم نفسه، هل تقع الزكاة عن الآمر؟ فقال: إذا تصدق بذلک على نية الرجوع جاز .... رجل أمر رجلاً أن يؤدي عنه زكاة ماله فأداها قال: يجوز عنه. (الفتاوى التاتارخانية ۲۲۸/۳-۲۲۷ رقم: ٤٢٠١-٤١٩٧ زكريا، المحيط البرهاني ٢٤٠/٣، تبيين الحقائق ٣٢/٢)

(۲) ان مذکورہ چیزوں میں ادھار روپیہ لے کر خرچ کرنا جائز ہے، جب کہ قرض کی ادائیگی کا غالب گمان ہو، ایسی صورت میں قرض لے کر دینے سے ذمہ سے ادائیگی ساقط ہو جائے گی، اور وکیل اگر مؤکل سے روپیہ وصول کئے بغیر مؤکل کے حکم سے اپنے پاس سے روپیہ ادا کردے، تو بھی مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (بہشتی زیور ۲۸/۳)

ولو لم يكن عنده مال فأراد أن يستقرض لأداء الزكاة إن كان أكبر رأيه أنه يقدر على قضائه، فالأفضل الاستقراض، وإلا فلا . (شامي ۱۹۲/۳ زكريا)

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسک دراهم المؤكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل، صحّ. (شامي ٢٦٩/٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر خرچ میں زکوٰۃ کا پیسہ لگا کر تاوان ادا کرنا؟

سوال (۱۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص سفر خرچ میں زکوٰۃ کے روپئے صرف کردے، اس کے بعد جب

مدرسہ والے سفر خرچ دیں، تو وہ زکوٰۃ کے فنڈ میں جمع کر دے، تو اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے مالک سے دلالۃً یا صراحۃً اجازت لینی ضروری ہے، اس کے بعد زکوٰۃ کو اپنے استعمال میں لائے؛ اس لئے کہ سفر خرچ میں لگا دینے کے بعد جب وہ مدرسہ میں دوسری رقم جمع کرے گا، تو مالک کی طرف سے تبرع کرنے والا سمجھا جائے گا، اور متبرع کی زکوٰۃ کی صحت کے لئے اصل مالک کی اجازت شرط ہے۔

ولو خلط زكاة مؤكليه ضمن، وكان متبرعاً إلا إذا وكله الفقراء (درمختار) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤدياً مال نفسه. قال في التاتارخانية: إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان أي أجاز قبل الدفع إلى الفقير. (درمختار مع الشامي ۲۶۹/۲ کراچی، ۱۸۸/۳-۱۸۹ زکریا)

وفيه إشارة إلى أنه لايشترط الدفع من عين مال الزكاة ولذا لو أمر غيره بالدفع جاز. (شامي ۲۷۰/۲ کراچی، کذا في الفتاوى التاتارخانية ۲۲۸/۳ رقم: ۴۲۰۱ زکریا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۹ھ

زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے فقیر اور مستحق کے انتظار میں رکھنا؟

سوال (۱۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کچھ رقم سال پورا ہونے کے بعد نہیں دی جاسکی، یا اس خیال سے رکھی رہی کہ پتا نہیں کس وقت کوئی زیادہ مصیبت زدہ آجائے اس کو دی جائے، ایسی شکل میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل حکم تو یہ ہے کہ سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ ادا کر دی

جائے؛لیکن اگر زکوٰۃ کی رقم اپنی مملوکہ رقم سے حساب لگا کرا لگ کردی گئی اور زیادہ مصیبت زدہ شخص کے انتظار میں وہ رقم رکھی رہی تو اس کی گنجائش ہے؛لیکن زکوٰۃ مستحق تک پہنچنے اور اس کو مالک بنانے کی صورت میں ہی ادا ہوگی۔

ولا تجوز الزكاة إلا إذا قبضه الفقير...... لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الفتاویٰ الولوالجية، كتاب الزكاة ۱۷۹/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل؛ بل بالأداء للفقراء. (شامي ۱۸۹/۳ زكريا)

واعلم أن التمليك شرط قال تعالىٰ: ﴿واٰتوا الزكاة﴾ والإيتاء: الإعطاء، والإعطاء التمليك فلا بد فيها من قبض الفقير أو نائبه؛ لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الاحتيار التعليل المختار ۱۲۱/۱ الشاملة، درمختار ۲۹۱/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی خطیر رقم تعلیمی وظیفے کے طور پر ایک شخص کو دینا؟

سوال (۱۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تعلیمی وظیفے میں کبھی کبھی ضرورت کی بنا پر خاصی بڑی رقم مثلاً لاکھ دو لاکھ دینی پڑتی ہے، کم دینے کی صورت میں ضرورت پوری نہیں ہوتی، کیا زکوٰۃ کی اتنی بڑی رقم ایک شخص کو دی جاسکتی ہے؟ اور کیا شرعاً یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نصاب سے زیادہ رقم بیک وقت ایک فقیر کو دینا مکروہ ہے؛ البتہ وہ فقیر اگر مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی کے لئے نصاب سے زیادہ رقم کی ضرورت ہو، یا ایسا مریض ہو جسے علاج کے لئے کثیر رقم کی ضرورت ہو تو ایسی صورت میں زائد رقم بھی دی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۸۱/۹ ڈابھیل)

عـن عـامـر قـال: أعـط من الزكاة ما دون أن يحل على من تعطيه الزكاة.

(المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الزكاة قدر ما يعطي منها ٦/٥١٨ رقم: ١٠٥٣١)

عـن بشيـر بـن يسار زعم أن رجلاً من الأنصار يقال له سهل بن أبي حثمة أخبـره أن الـنبي صلى الله عليه وسلم وداه بمائةٍ من إبل الصدقة يعني: دية الأنصاري الذي قتل بخيبر. (سنن أبي داؤد / باب كم يعطي الرجل الواحد من الزكاة رقم: ١٦٣٨)

ويـكـره أن يـدفـع إلـى رجل مائتي درهم فصاعدًا وإن دفعه جاز، كذا في الهـداية. هٰـذا إذا لـم يـكـن الفقير مديونًا، فإن كان مديوناً فدفع إليه مقدار ما لو قضى به دينه لا يبقى له شيء أو يبقى دون المائتين لا بأس به. (الفتاویٰ الهندية ١/١٨٨ كوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٣٢١ رقم: ٤١٨٥ زكريا، فتح القدير ٢/٢٧٨-٢٧٩ دار الفكر بيروت)

وكره إعطاء فقير نصاباً، أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديونا، أو كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لايخص كلا أولا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره. (درمختار ٢/٣٥٣ كراچی، ٣/٣٠٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رشتہ دار کا مالی تعاون کرتے وقت اداءِ زکوٰۃ کی نیت کرنا؟

سوال (۱۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنے ایک عزیز کے یہاں چند سال قبل ملازمت کرتا تھا اور میری مالی حالت بھی کمزور تھی، جو آمدنی ہوتی تھی وہ روزمرہ کی ضروریات ہی کے لئے کافی تھی، جس مکان میں ہم رہتے ہیں، وہ ہمارا آبائی مکان ہے، جس حصہ میں ہم رہتے ہیں وہ بہت تنگ تھا، اس کے برابر کا حصہ فروخت ہورہا تھا، ہمارے پاس اس کو خریدنے کی گنجائش نہیں تھی، ہم نے اپنے ان عزیز سے کہا (جو ماشاءاللہ صاحبِ حیثیت ہیں، اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے رہتے ہیں) اگر ہم یہ حصہ خرید لیں

تو ہمارے رہنے کی گنجائش ہوجائے گی؛ کیوں کہ ہماری ایک لڑکی مطلقہ ہے وہ بھی ہمارے ساتھ رہتی تھی، انہوں نے اس وقت ۷۵ رہزار روپئے ہمیں دئے، اور ہم نے اس سے وہ مکان خرید لیا، اس کی رجسٹری بھی ہمارے نام ہے، اس خریداری کے بعد چوں کہ وہ بہت خستہ حالت میں تھا، اس لئے تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق بنواتے رہے، اب وہ ہماری ضرورت کے مطابق ہوگیا ہے، اور الحمد للہ ہم سکون سے رہ رہے ہیں۔ ایک لڑکا جو ہمارا متبنیٰ ہے، وہ اس میں کام کرتا ہے اور میں چوں کہ کمزور ہوگیا ہوں، کچھ کام نہیں کرسکتا، اسی بناء پر وہاں سے ملازمت چھوڑ دی ہے، اور اس لڑکے کی آمدنی سے ہی ہمارا گذر بسر ہورہا ہے، میں اس وقت بھی صاحبِ نصاب نہیں تھا، اور آج بھی صاحبِ نصاب نہیں ہوں۔ ہمارے وہ عزیز جنہوں نے روپئے دئے تھے، اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ رقم ہم نے زکوٰۃ کی مد سے دی تھی، کیا یہ رقم میرے لئے جائز تھی یا نہیں؟ اور کیا ہمارے ان عزیز کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ کے مطابق جب آپ رقم لیتے وقت صاحبِ نصاب نہیں تھے، تو آپ کے لئے بحالتِ مجبوری زکوٰۃ کی رقم لینا جائز تھا، اور قرض یا اعانت کے طور پر بنیتِ زکوٰۃ رقم دینے سے آپ کے ان عزیز کی زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۱۵، احسن الفتاویٰ ۴؍۲۶۴، فتاویٰ رحیمیہ ۶؍۲۰۳)

وشرط صحة أدائها نية مقارنة للأداء (درمختار) قال ابن عابدين تحت قوله (نية): أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً تجزية في الأصح. (درمختار على الرد المحتار ۳/۱۸۷ زكريا)

ولا يشترط علم الفقير أنها زكاة على الأصح، حتى لو أعطاه شيئاً وسماه هبة أو قرضًا ونوى به الزكاة صحت. (مراقي الفلاح ۳۹۰ كراچی)

وشرط صحة أدائها أي كونها مؤداة نية مقارنة للأداء ولو مقارنة حكمية

كـمـا إذا دفـع بـلا نية، ثـم حـضـرته النية والمال قائم في يد الفقير. (مجمع الأنهر ۱/۱۹۵-۱۹۶ دار إحياء التراث العربي)

وأمـا الـنية فهـي شـرط الـصحة لكل عبادة لكن المراد هنا بيان تفاصيلها والأصـل اقتـرانهـا بـالأداء كسـائر العبادات ...... أطلق المقارنة فشمل المقارنة الـحقيقة وهو ظاهر، والحكمية كما إذا دفع بلا نية ثم حضرته النية والمال قائم في يد الفقير فإنه يجزئه. (البحر الرائق ۲/ ۲۱۰ كوئٹه، ۲/ ۳۷۰ رشيدية، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۷۱ كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جیب کے پیسے سے زکوٰۃ دے کر زکوٰۃ کے پیسوں سے وصولی کرنا؟

سوال (۱۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم نکال کر الگ رکھ دی، اب گھر سے باہر راستہ میں یا بازار میں کوئی مستحق ملا جسے زکوٰۃ کے پیسے دینے ہیں، تو جیب سے دے کر اس رقم میں سے جو زکوٰۃ کی الگ رکھی ہے نکال لئے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ اس لئے کہ زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوتی ہے، اور ادائیگی کے وقت زکوٰۃ کی نیت کافی ہے اور کسی معین رقم اور مخصوص روپیوں کا زکوٰۃ میں نکالنا ضروری نہیں ہے۔

وأمـا شـرط أدائهـا فـنية مقارنة للأداء أو لعزل ما وجب. (كذا في الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۷۰)

إذا دفع المزكی المال إلى الفقير ولم ينو شيئاً ثم حضرته النية عن الزكاة

ينظر إن كان المال قائماً في يد الفقير صار عن الزكاة وإن تلف لا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٩٧/٣)

ولو مقارنة حكمية كما لو دفع بلا نية ثم نوىٰ والمال قائم بيد الفقير.

(مراقي الفلاح ٣٩٠، شامي ١٨٧/٣ زكريا، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ١٧١/١، البحر الرائق ٣٦٨/٢، الأشباه جديد ١٧٨، تبيين الحقائق ٣٢/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابینا، معذور اور اَپاہج کا زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے کسی کو کمیشن پر رکھنا؟

سوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جولوگ زکاۃ لینے کے حق دار ہیں اور وہ لوگ نابینا، معذور یا اپاہج ہیں، تو کیا ایسے لوگ کسی کو تنخواہ یا کمیشن پر زکوٰۃ اکٹھا کرنے کے لئے رکھ سکتے ہیں، کیا کوئی ایسی حدیث ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: کمیشن پر زکوٰۃ وصول کرنا قطعاً ناجائز ہے، اورانفرادی ضرورت کے لئے تنخواہ دار ملازم رکھنا بھی دیگر فقراء کی حق تلفی کی بنا پر ممنوع ہے، صرف اجتماعی ضرورت کے لئے ہی ایسا نظام بنایا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲۷۶/۷، ایضاح المسائل ۱۲۲)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة ٣٩/٩ رقم: ١١٨٥٥)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: نهى عن عسب الفحل، زاد عبيد اللّٰه وعن قفيز الطحان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥٥/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

الإجارة هي بيع منفعة معلومة بأجرة معلومة. (البحر الرائق ۲/۸ زکریا)

قال في التنوير وشرحه: ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله، والأصل في ذٰلک نهيه صلى اللّٰه عليه وسلم عن قفيز الطحان. (تنوير الأبصار مع الدر المختار علی هامش الرد المحتار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار ۹/۷۸-۷۹ زکریا)

لأنها استئجار ببعض ما يخرج من عمله فتكون بمعناه، وقد نهى عنه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وهو أن يستأجر رجلا ليطحن له كذا من الحنطة بقفيز من دقيقها. (شامي، كتاب المزارعة ۹/۳۹۸ زکریا، شامي ۶/۲۷۵ کراچی) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کارِ خیر میں خرچ کے بعد اسے لوگوں میں ظاہر کرنا؟

سوال (۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید صاحب ثروت ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خوب خرچ کرتا ہے؛ لیکن بات آنے پر یہ ظاہر کردیتا ہے کہ ہم نے فلاں مسجد میں اور فلاں مدرسہ میں اتنا اتنا تعاون کیا، تو ایسی صورت میں زید کو مسجد ومدرسہ کے تعاون کرنے میں ثواب ملے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نیت خالص ہو اور بعد میں یہ سوچ کر ظاہر کرتا ہو کہ اس سے دیگر لوگوں میں تعاون کا شوق پیدا ہوگا، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

وإن كان المتطوع ممن يقتدي به ويتبع وتنبعث الهمم على التطوع بالإنفاق وسلم قصده فالإظهار أولى. (فتح الملهم ۵۷/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۵/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ دے کر لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرنا؟

سوال (۱۲۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مساجد، مدارس کو زکوٰۃ کا پیسہ دے کر اس کا اظہار کرنا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد زکوٰۃ کا مصرف نہیں، اور مستحق مدارس وغیرہ میں جو زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے اس میں اصل حکم یہی ہے کہ اخفاء سے کام لیا جائے، اور اس عمل کو اپنی شہرت کا سبب نہ بنایا جائے؛ لیکن اگر کسی ضرورت سے مثلاً لوگوں کی تہمت سے بچنے کے لئے یا دیگر لوگوں کو توجہ دلانے کے لئے اظہار کرے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلانِيَةً، فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٧٤]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ، وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ [البقرة: ٢٧١] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے حق دار کو اناج اور کپڑے دینا؟

سوال (۱۲۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اکثر لوگوں کا معمول ہے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، خیر میرا معمول رمضان المبارک کے ایک ہفتہ پہلے کچھ رشتہ دار جو حق دار ہیں، اور کچھ گھریلو نوکرانی جو گھر گھر جا کر کام کرتی ہے، اکثر کام والیوں کی شکایت ہے کہ شوہر اور بچوں کے کام کا ٹھکانہ نہیں، اگر کماتے ہیں، تو وہ اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں؛ بلکہ رمضان کی ملی ہوئی رقم پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے۔

اس لئے مجھے دریافت یہ کرنا ہے کہ میں اپنی زکوٰۃ نقد رقم دینے کے بجائے کام والیوں کو پورے رمضان المبارک کے لئے اناج اور کچھ رقم دے دیتا ہوں، اور رشتہ داروں کو بھی پورے رمضان المبارک کے لئے اناج اور رشتہ داروں کے بچے جو صحیح راستے پر ہیں، ان کو یا نوکری پر ہیں یا کالج وغیرہ جاتے ہیں، اُن کو عید کے کپڑے دلا دیتا ہوں، ان کے گھر کچھ رقم بھی دے دیتا ہوں۔ کیا اس طرح اناج اور کپڑے وغیرہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نقد رقم ہی دینا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کے حق دار کو اناج اور کپڑا وغیرہ دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، نقد دینا ضروری نہیں۔

عن طاؤس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذًا إلى اليمن، فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٤ رقم: ١٠٤٣٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عطاء أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها.

(المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٤ رقم: ١٠٤٣٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عنترة أن عليًا كان يأخذ العروض في الجزية من أهل الإبر الإبر، ومن أهل المال المال ومن أهل الحبال الحبال. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٤ رقم: ١٠٤٤١ دار الكتب العلمية بيروت)

لو عال يتيما فجعل يكسوه ويطعمه من زكاة ماله، فالكسوة تجوز لوجود

ركنـه فهـو التـمليک، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضا له العلة.

(البحرالرائق ۲/ ۲۰۱، طحطاوي ٤١٧)

كـمـا لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الـدرالـمختار على الشامي ۳/ ۱۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ میں کپڑے دینا؟

سوال (۱۳۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس اس قسم کے بڑھیا کپڑے ہیں جوکہ کئی مرتبہ کے پہنے ہوئے ہیں؛ لیکن صاف ستھرے دھلے ہوئے ہیں کہ جس غریب شخص کو دئے جائیں تو وہ ان کپڑوں کو کسی بھی قسم کی تقریب میں پہن سکتا ہے، تو میں ان کپڑوں کو نصف یا اس سے کچھ زیادہ قیمت میں زکوٰۃ میں دے دوں؟ کیا دے سکتی ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کپڑوں کی قیمت لگالی جائے (جو بھی مناسب ہو) پھر انہیں زکوٰۃ میں شمار کرکے غریب کو دے دیا جائے، اس طرح زکوٰۃ شرعاً ادا ہوجائے گی۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۱۳)

عـن طـاؤس قـال: بعث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم معاذًا إلى اليمن، فـأمـره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير فأخذ العروض والثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٤٠٤ رقم: ١٠٤٣٧ دار الكتب العلمية بيروت)

لو عال يتيما فجعل يكسوه ويطعمه من زكاة ماله، فالكسوة تجوز لوجود ركنـه فهـو التـمليک، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضا له العلة.

(البحرالرائق ۲/ ۲۰۱، طحطاوي ٧١٤)

كـمـا لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الـدرالـمختار على الشامي ۳/ ۱۷۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۹/۶ھ

کپڑوں کے خالی بیگ کپڑوں کی زکوٰۃ کے ساتھ غریبوں کو دینا؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مال دار آدمی اپنی زکوٰۃ کپڑوں کے ذریعہ ادا کرتا ہے اور کپڑا مارکیٹ سے بہت سے بیگوں میں زکوٰۃ کی رقم سے خریدتا ہے، کپڑا بیچنے والا بھی کپڑے بہت سے بیگوں میں پیک کرکے دیتا ہے، تو مال دار جب زکوٰۃ میں کپڑا دیتا ہے، تو وہ بیگ خالی ہوجاتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ خالی بیگ بھی زکوٰۃ کے ساتھ غریبوں کو دے دیئے جائیں؟ یا ان کو مال دار اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان دار جن بیگوں میں زکوٰۃ کے کپڑے پیک کرکے دیتا ہے، اس کی قیمت کپڑوں کی قیمت کے ضمن میں وصول کرلیتا ہے، اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اگر وہ کپڑے زکوٰۃ کی رقم سے خریدے گئے ہیں، تو ان کے ساتھ آنے والے بیگوں کو بھی زکوٰۃ ہی کے مصرف میں صرف کیا جائے اور ذاتی استعمال میں نہ لایا جائے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما خالطت الزكاة مالاً قط إلا أهلكته، وقال أحمد في خالطت: تفسيره أن الرجل يأخذ الزكاة وهو موسر غني، وإنما هي للفقراء. (مشكوة المصابيح ١٥٧/١، شعب الإيمان للبيهقي / فصل في الاستعفاف عن المسئلة ٢٧٣/٣ الشاملة)

وقال الملا علي القاري في تفسير خالطت: بأن لم يخرج من ماله الزكاة.
(مرقاة المفاتيح ١٣٨/٤)

قيل: هو حث على تعجيل الزكاة وأدائها قبل أن تختلط بماله، فتذهب به، وقيل: أراد تحذير العمال عن اختزال شيء منها، وخلطهم إياه بمالهم. (شرح السنة للبغوي / باب وعيد مانعي الزكاة ٢٨٢/٥ الشاملة، كذا في فيض القدير ٤٣/٥ الشاملة)

قوله: ''إلا أهلكته'' قال الإمام الشافعي في مسنده تحته: المراد والله أعلم أن من خلط حق الله في المال بماله وأضافه إلى نفسه ولم يخرجه لأهله المستحقين له من الفقراء والمساكين أهلك ماله وبدّده أي أن الله لا يبارك في الأموال إذا طمع أهلها في زكاتها وخلوطها بها وضنوا بها على المستحقين؛ بل يكون ذٰلك سببًا في نموها ومضاعفتها كما فهم من الحديث السابق. (مسند الشافعي، ترتيب السندي / الباب الأول في الأمر بها والتهديد عليه ١٢٠/١ الشاملة)

وفي مسند الحميدي: قال: قد يكون قد وجب عليك في مالك صدقة فلا تخرجها فيهلك الحرامُ الحلالَ والله أعلم بالحال. (مسند الحميدي، تحقيق: الشيخ حبيب الرحمٰن الأعظميؒ حديث عائشة رضي الله عنها ١١٥/١ الشاملة)

والاحتياط في العبادة واجب. (شامي ٢٣١/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھریلو استعمال کی چیزوں سے زکوٰۃ ادا کرنا؟

سوال (۱۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طاہرہ کسی صاحب حاجت کو جو زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے، ایسی چیزیں گھریلو سامان مثلاً بستر، برتن، کپڑا، لکڑی، لوہا، اینٹ، پتھر وغیرہ دیتی ہے، تو کیا اس کی رقم زکوٰۃ کی مد میں مجرا ہوگی یا نہیں،

چوں کہ نیت زکوٰۃ کی تھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ روپیہ پیسہ اوراشیاء کی شکل میں سے کسی بھی شکل میں ادا کی جاسکتی ہے؛ لہٰذا جس قدر چیز بنیتِ زکوٰۃ ادا کی گئی ہے، اس کے بقدر زکوٰۃ میں محسوب ہوگی۔

عن عطاء أن عمر كان يأخذ العروض في الصدقة من الورق وغيرها.

(المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٤٠٤ رقم: ١٠٤٣٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن طاؤس أن معاذاً رضي اللّٰه عنه كان يأخذ العروض في الصدقة.

(المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٤٠٤ رقم: ١٠٤٤٠ دار الكتب العلمية بيروت)

وجاز دفع القيمة في الزكاة. (شامي ٣/ ٢١٠ زكريا)

هي تمليک، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (الدر المختار ٣/ ٢٥٧، البحر الرائق ٢/ ٣٥٣، النهر الفائق ١/ ٤١٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۷/ ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا غیر ملکی کرنسی سے زکوٰۃ ادا کرسکتے ہیں؟

سوال (۱۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مجھ کو حج کے لئے جو رقم بذریعہ ڈرافٹ ادا کرنی ہے، اس کی زکوٰۃ ابھی میرے ذمہ میں واجب الادا ہے، تو بات یہ ہے کہ زکوٰۃ جمع شدہ رقم پر ادا کی جائے یا جو کرنسی ملے اس کی ادا کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل واجب شدہ رقم کے برابر کسی بھی کرنسی میں زکوٰۃ

ادا کرسکتے ہیں۔

عن أبي عمرو بن عباس عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: كنت أبيع الأدم والجعاب فمر بي عمر بن الخطاب فقال لي: أدّ صدقة مالک، فقلت: يا أمير المؤمنين! إنما هو في الأدم؟ قال: قوِّمه، ثم أخرج صدقته. (سنن الدارقطني / باب الغني التي يحرم السؤال ۱۰۹/۲ رقم: ۱۹۹۹)

المال الذي تجب فيه الزكاة إن أدى زكوته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب إجماعاً. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۰/۱)

ويجوز دفع القيمة في الزكاة عندنا ولو أدى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع، كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۹/۱، البحر الرائق ۲۲۱/۲ کوئٹہ، شامي ۲۱۰/۳ زکریا، شامي ۲۷۵/۲ کراچی)

ويقوم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه (الدر المختار) وتحته في الشامية، قوله: ويقوم في البلد الذي المال فيه: فلو بعث عبداً للتجارة في بلد آخر، يقوم في البلد الذي فيه العبد. (رد المحتار، كتاب الزكاة ۲۸٦/۲ کراچی، ۲۱۱/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے ملنے والی اضافی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا؟

سوال (۱۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طاہرہ ایک پردہ نشین شادی شدہ عورت ہے، والد کا انتقال ہو چکا ہے، والدہ بقید حیات ہیں، کوئی اور بھائی بہن نہیں ہے۔ خود طاہرہ کے یہاں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی، طاہرہ کی صحت کافی عرصہ سے خراب چلی آرہی ہے، تقریباً ۲۶/۲۵ سال قبل شادی ہوئی تھی، شادی سے قبل صحت

بالکل ٹھیک تھی، کچھ عرصہ انتظار کے بعد اولا دنہ ہونے کی بنا پر علاج ہوتا رہا؛ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، کافی عرصہ کے علاج کے بعد پتہ چلا کہ طاہرہ ٹیٹومر کی مریض ہے، چناں چہ ٹیٹومر کا آپریشن کرایا گیا؛ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، اس کے بعد سے علاج برابر جاری ہے، صحت گرتی جارہی ہے، اب پھر معالجین نے جانچ کے بعد طے کردیا ہے کہ اب پھر طاہرہ کے پیٹ میں دو ٹیٹومر بن چکے ہیں، ایک جسم میں دوسرا جگر میں، جن کا آپریشن دوبار میں وقفہ وقفہ سے کرانا ہوگا، جس میں بڑی خطیر رقم کی ضرورت ہے۔

طاہرہ کے شوہر خالد کی صحت شادی سے قبل ٹھیک تھی، کم وبیش چھ سال قبل پتہ چلا کہ خالد کو بلڈ شوگر کی شکایت ہوگئی ہے، اس کے بعد سے برابر صحت گرنا شروع ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاج ومعالجہ میں اخراجات تیزی سے بڑھنے لگے، جس کی بنا پر کاروبار خراب ہونے لگا، اسی دوران میں خالد کو دل کا دورہ پڑ گیا، علاج کے لئے لکھنؤ لے جایا گیا، وہاں جانچ کے دوران پھر دوسرا دورہ پڑ گیا، وہاں کے معالجین نے جانچ کرنے کے بعد طے کردیا کہ اب اس کا علاج صرف دل کا آپریشن ہے اور کوئی علاج نہیں ہے، اور یہ کہ صرف ایک ہفتہ کے اندر آپریشن ہوجانا ضروری ہے، ورنہ تیسرے دورہ میں مریض کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

بہرحال اس وقت ان میاں بیوی کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں تھا کہ خالد کا علاج ہوسکتا ہو، بہرحال کچھ عزیزوں ورشتہ داروں نے مل کر بطور قرض ڈھائی لاکھ روپئے کا بندوبست کیا، تب کانپور لے جاکر دل کا آپریشن کرایا گیا جو کہ خدا کے فضل سے کامیاب رہا، اس آپریشن کے بعد خالد چھ ماہ تک بالکل بستر پر رہے، اس دوران کاروبار بالکل چوپٹ ہوگیا۔

اس وقت طاہرہ اپنے والد مرحوم کے ترکہ والے مکان میں اپنے شوہر خالد اپنی بیوہ والدہ اور ایک ماموں زاد بھائی کے ہمراہ رہتی ہے، یہ ماموں زاد بھائی ۹/۸ سال کی عمر سے برابر اپنی پھوپھی یعنی طاہرہ کی والدہ کے ساتھ ہی رہتا چلا آرہا ہے، یہی لڑکا دورانِ علالت خالد جس پر بیٹھا کرتے تھے، اس کی دیکھ بھال کرتا چلا آرہا ہے، اس وقت اس لڑکے کی عمر ۲۰/۲۱ سال ہے، شادی

کے کچھ ہی عرصہ بعد سے خالد اپنی بیوی طاہرہ کے ہمراہ رہتے ہیں، ان سب کا رہنا، کھانا اور پینا سب ایک ساتھ ہے، جس میں طاہرہ کے شوہر خالد، طاہرہ کا ماموں زاد بھائی، طاہرہ کی بیوہ والدہ شامل ہیں۔

خالد کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، خالد اپنے سب بھائی بہنوں میں بڑے ہیں، ایک چھوٹے بھائی کے علاوہ اور سب بھائی بہنوں کا نکاح ہو چکا ہے، بیوہ والدہ بقید حیات ہیں، خالد بھائی بہن میں بڑے ہونے کی بنا پر یہ اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کرتے ہیں، مثلاً بھائی بہنوں کی شادی بیاہ، اپنے والد مرحوم کی ضروریات کی دیکھ بھال، ان کی بہت طویل علالت کے دوران تمام اخراجات پورے کرنا، والد کے انتقال کے بعد بیوہ والدہ کی خبر گیری، ان کے نجی اخراجات کے لئے پابندی سے ماہانہ خرچ دیتے رہنا، وغیرہ۔ یہ تمام اخراجات اسی دوکان سے پورے ہوتے ہیں جس پر اس وقت خالد بیٹھتے ہیں۔ دوکان طاہرہ کی والدہ کی ہے، دوکان میں جو سرمایہ اور سامانِ تجارت لگا ہوا ہے وہ کل کا کل طاہرہ کا نجی سرمایہ ہے۔

گذشتہ دنوں جب خالد کے آپریشن کے بعد سابقہ دوکان بند ہونے کے قریب ہوگئی جو کہ طاہرہ کی نجی ملکیت تھی جو اس کے والد مرحوم نے طاہرہ کے نام خریدی تھی، اس وقت کاروبار اسی دوکان پر ہوتا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر سے کاروبار شروع کرنے پر دوسری جگہ دوکان حاصل کرنے کے لئے جس پر کرایہ دار قابض تھا یہ دوکان طاہر کی والدہ کی ملکیت ہے اور بھاری قرضہ کی ادائیگی جو دورانِ علاج خالد ہو گیا تھا، ان بڑے بڑے اخراجات کو پورا کرنے کی بس یہی ایک شکل رہی کہ طاہرہ اپنی نجی دوکان فروخت کر کے ان تمام اخراجات اور قرض کو پورا کرے۔ چناں چہ بدرجۂ مجبوری یہی کرنا پڑا کہ دوکان فروخت کر کے تمام برے بڑے اخراجات اور قرض ادا کیا گیا، جس کا میزان پانچ لاکھ روپئے ہو گیا۔

بہر حال دوبارہ کاروبار شروع کرنے، دوکان کا تخلیہ کرانے، دوکان بنوانے، فرنیچر ٹھیک

کرانے، دوکان میں ضروری مال کا بندوبست کرنے میں جو رقم صرف ہوئی، اس کے بعد جو رقم بچی وہ طاہرہ نے بغرض حفاظت بینک میں پندرہ ماہ کے لئے ڈپازٹ کردی، اس وقت جو بڑے بڑے اخراجات سامنے ہیں وہ اتنے ہیں کہ اگر وہ سبھی ان رکے ہوئے کاموں میں صرف کردئے جائیں، تو جو رقم اس وقت بینک میں جمع ہے وہ پوری رقم کل اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہوگی۔

مثلاً طاہرہ کا ٹیوٹمر کا آپریشن، گھر میں رہائشی تنگی کو دور کرنے کے لئے کچھ نئے کمروں کی تعمیر، کئی مقدمات (جو مختلف نوعیّتوں کے کئی عدالتوں میں چل رہے ہیں ان) کی پیروی، دوکان میں مزید سرمایہ لگانے کی اشد ضرورت گھر کے تمام چار افراد کی مستقل بیماری کے سلسلہ میں مسلسل دواء علاج کا جاری رہنا، طاہرہ کے ماموں زاد بھائی کی شادی بیاہ کرنا، جو کہ شادی کی عمر کو پہنچ چکا ہے، چوں کہ اس لڑکے کے والدین اس لڑکے کی کسی بھی قسم کی ذمہ داری سے بالکل دست کش ہوچکے ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد جو موجودہ حالات کے تحت ضروری تھی، مندرجہ ذیل سوالات کے شرعی واضح جوابات مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

یہ رقم جو بینک میں جمع ہے اس پر جو بینک سے انٹرسٹ ملے گا اس اضافی رقم سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے ملنے والی اضافی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے فریضہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، اور مالِ حرام سے زکوٰۃ ادا کرنے کا گناہ الگ سے ذمہ میں لازم ہوگا، اصل حلال روپیہ سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

عن قتادة، عن أبي المليح عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يقبل اللّٰه عزوجل صدقة من غلول ...... الخ. (سنن أبي داؤد ۹/۱ رقم: ۵۹، صحيح مسلم رقم: ۲۲٤، سنن النسائي رقم: ۱۳۹)

التصدق من مال الحرام غير مقبول حتى قال علماؤنا: من تصدق بمال حرام يرجوا الثواب كفر. (بذل المجهود ۳۷/۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أديت زكوٰة مالك فقد قضيت ما عليك، ومن جمع مالاً حراماً ثم تصدق به لم يكن له فيه أجر وكان إصره عليه. (صحيح ابن حبان رقم: ٣٢١٦، المستدرك للحاكم ١/ ٣٩٠، الترغيب والترهيب مكمل ٣٩٣ رقم: ٢٦٨٦ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوکان کی زکوٰۃ دینے میں سامان کا تخمینہ لگانا؟

سوال (۱۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کے بارے میں یہاں اکثر تاجر لوگ اپنی زکوٰۃ تخمیناً ادا کرتے ہیں، اندازہ لگا لیتے ہیں کہ دوکان میں مثلاً پانچ لاکھ کا سامان ہوگا، تو اس کی زکوٰۃ اتنی ہوئی، اب احتیاطاً وہ تھوڑی زیادہ ادا کرتے ہیں، تو کیا یہ ٹھیک ہے یا تمام سامان گھر گن کر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی، یہاں اکثر بڑے تاجر ہیں، جن کو تمام سامان کا گننا اور شمار کرنا مشکل ہوتا ہے، تو کیا صورت اختیار کی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں جب کہ سامان گننا اور شمار کرنا مشکل ہو، تو اندازہ سے زکوٰۃ نکالنی جائز ہے، مگر احتیاطاً زیادہ نکال دے تو بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۱۴۸، ایضاح المسائل ۱۰۹، فتاویٰ نظامیہ ۱/ ۱۱۴)

عن ابن عمر قال: ليس في العروض زكاة، إلا ما كان للتجارة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة / باب زكاة التجارة ٦/ ٦٤ رقم: ٧٦٩٨)

في عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو

الفضة نصاباً ويعتبر فيهما الأنفع أيها كان أنفع للمساكين. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة / باب زكاة المال ۱/ ۲۷۹، البحر الرائق، كتاب الزكاة / باب زكاة المال ۲/ ۲۲۸)

في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق، ففي كل أربعين درهمًا درهم. (شامي / باب زكاة المال ۲/ ۲۹۸ کراچی، تنویر الأبصار علی الدر المختار ۳/ ۲۲۸ زکریا)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بطورِ امداد دیا ہوا پیسہ زکوٰۃ میں محسوب کرنا؟

سوال (۱۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص پر زکوٰۃ فرض ہوگئی؛ لیکن اسے پتہ نہ چلا، اس نے کچھ پیسے امداد میں دے دیئے، اس کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ میرے اوپر زکوٰۃ فرض ہے، کیا امداد میں دیا ہوا پیسہ زکوٰۃ میں شامل ہوجائے گا یا نہیں؟ مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ سمجھا کر جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جس شخص کو آپ نے امداد کے پیسے دیئے ہیں، اگر وہ رقم اس کے پاس موجود ہو تو آپ کا اس میں زکوٰۃ کی نیت کرنا شرعاً درست ہوجائے گا؛ لیکن اگر وہ فقیر اس رقم کو خرچ کرچکا ہو تو آپ کا اس میں زکوٰۃ کی نیت کرنا معتبر نہیں، آپ کو نئے سرے سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

وشرط أدائها نية مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكمًا كما لو دفع بلا نية، ثم نوى والمال قائم في يد الفقير (درمختار) بخلاف ما إذا نوى بعد

هلاكه. (الدر المختار مع الشامي ١٨٧/٣ زكريا)

وإذا دفع المزكي المال إلى الفقير، ولم ينو شيئا، ثم حضرته النية عن الزكاة، ينظر إن كان المال قائما في يد الفقير صار عن الزكاة، وإن تلف لا.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ١٩٧/٣ رقم: ٤١١٤ زكريا)

وشرط أدائها نية مقارنة للأداء أو لعزل ما وجب (كنز) أطلق المقارنة فشمل المقارنة الحقيقية وهو ظاهر، والحكمية كما إذا دفع بلا نية ثم حضرته النية والمال قائم في يد الفقير فإنه يجزيه، وهو بخلاف ما إذا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ٢/ ٢١٠ كراچی)

ولو مقارنة حكمية كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم بيد الفقير.

(مراقي الفلاح ٣٩٠، تبيين الحقائق ٢/ ٣٢، كذا في الهندية ١/ ١٧١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۳ھ

بلاحساب کے زکوٰۃ کے نام سے رقم دینا؟

سوال (۱۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حساب وکتاب سے قبل رمضان المبارک سے پہلے یا رمضان المبارک میں یا رمضان المباک کے بعد بغیر حساب کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاحساب بہ نیتِ زکوٰۃ جو رقم دی جائے گی وہ حساب کے بعد زکوٰۃ میں محسوب کی جاسکتی ہے۔

ولو عجل ذو نصاب لسنين أو لنصف صح. (البحرالرائق ٢/ ٢٢٤)

ويجوز تعجيل الزكاة عند عامة العلماء. (بدائع الصنائع ٢/ ١٦٤ زكريا)

وشرط صحة أدائها نية مقارنة له ولو حكما. (الدر المختار مع الرد المحتار ۱۸۷/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مؤکل کی طرف سے نیت کئے بغیر وکیل کا ذاتی رقم سے فقیر کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمرو کو اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا، عمرو کو راستے میں ایک مستحق زکوٰۃ شخص ملا، زکوٰۃ کی رقم عمرو نے گھر پر رکھ رکھی تھی، اس کی جیب میں اپنی ذاتی رقم تھی، جس کو اس نے مؤکل کی نیت سے ادا کردی؛ لیکن یہ استحضار نہیں تھا کہ میں مؤکل کی رقم سے وصول کرلوں گا، تو یہ زکوٰۃ مؤکل کی طرف سے ادا ہوئی یا نہیں؟ فتاوی رحیمیہ ۷/۱۷۳ کے جواب سے کچھ اس طرح مفہوم ہوتا ہے کہ مؤکل کی طرف سے ادائیگی کے لئے استحضار نیت ضروری ہے کہ وہ رقم میں واپس لوں گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں تحریر کردہ مسئلہ درست ہے، اور مسئولہ صورت میں مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کے دل میں کسی نہ کسی درجہ میں خیال ہونا ضروری ہے کہ میں یہ رقم مؤکل کے عطا کردہ مال سے وصول کروں گا، اور عام طور پر یہ خیال وکیل کے دل میں رہتا بھی ہے، اسی بنیاد پر وہ مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اور عموماً اس کی نیت تبرع کی نہیں ہوتی ہے۔

ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان على نية الرجوع، وكان دراهم المؤكل قائمة. (درمختار مع الشامي ۱۸۹/۳ زكريا)

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسک دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع

ببـدلها في دراهم الموكل صح، وفيه إشارة إلى أنه لا يشترط الدفع من عين مال الزكاة. (شامي ۳/۱۸۹ زكريا)

سـئل البـقـالـي عـمـن أعطى رجلا دراهم ليتصدق بها عن زكاة الآمر، فيتـصـدق الـمامور بدراهم نفسه، هل تقع الزكاة عن الآمر؟ فقال: إذا تصدق بذلک على نية الرجوع جاز. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/۲۲۸ رقم: ۴۲۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آئندہ ہونے والے اخراجات کاٹ کر ما بقیہ روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا؟

سوال (۱۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک صاحبِ نصاب آدمی ہے، ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں زکوٰۃ نکالتا ہے، اس سال جب زکوٰۃ کا حساب لگایا، تو زید کے پاس کل رقم پانچ لاکھ روپیہ تھی؛ لیکن زید کو عید کے فوراً بعد مکان بنانے میں اور زید کی ایک جسمانی بیماری میں جس کا شوال میں آپریشن بھی کرانا ہے، مکان بنانے اور آپریشن کرانے میں دو لاکھ روپیہ لگ جائے گا۔

تو معلوم یہ کرنا ہے کہ زید رمضان کے آخری عشرہ میں جب اپنی زکوٰۃ ادا کرے گا تو پانچ لاکھ روپیہ کی کرے گا یا تین لاکھ کی؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا کیا رجحان ہے؟ کیا بعد کے خرچ کی ضرورت کو ضرورت سمجھ کر دو لاکھ روپیہ الگ کر کے زکوٰۃ ادا کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سال کے آخر میں جتنی رقم موجود ہے، اُسی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی، بعد میں مکان یا آپریشن کرانے میں جو خرچ ہوگا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ اس لئے زید کے ذمہ پورے ۵/لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامي ۱۷۹/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۱/۱۴۲۴ھ

اینٹ، سیمنٹ، ریت وغیرہ اشیاء زکوٰۃ میں دینا اور تملیک کراکر ان کو تعمیر میں خرچ کرنا؟

سوال (۱۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِدارہ کے تعاون میں جہاں لوگ دیگر مدات سے تعاون کرتے ہیں، اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بعض حضرات اینٹ، سیمنٹ، ریت، سریا وغیرہ مدزکوٰۃ میں دیتے ہیں، تو کیا اس میں حیلہ تملیک کرکے ادارہ کی عمارت میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح تنخواہوں میں بھی یہ حیلہ تملیک کرکے معلمین کی تنخواہ کا نظم کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ دیگر مدات میں اتنی رقم نہیں ہو پاتی جس سے تنخواہ وغیرہ ادا کی جاسکے، شرع شریف کی روشنی میں جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلۂ تملیک کی اجازت صرف اس وقت ہوتی ہے جب اس حیلہ کو اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہے؛ اس لئے بدرجہ مجبوری تعلیمی ضرورتوں مثلاً معلمین کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے تو حیلۂ تملیک کی اجازت ہوگی؛ لیکن تعمیرات میں ایسی ضرورت نہیں پائی جاتی؛ اس لئے تعمیری ضرورت کے لئے حیلہ نہیں کرنا چاہئے، اور معاونین سے کہہ دینا چاہئے کہ وہ تعمیر میں زکوٰۃ کی مد استعمال نہ کریں؛ بلکہ امدادی فنڈ سے تعاون کیا کریں۔

أخرج عبد الرزاق عن سفيان الثوري قال: الرجل لا يعطي زكاة ماله ......

ولا يعطيها في كفن ميت، ولا دين ميت، ولا بناء المسجد...... الخ. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الزكاة / باب لمن الزكاة ۴/۱۱۳ رقم: ۷۱۷۰)

أما ركنه فهو التمليک لقوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ والإيتاء: هو التمليک لقوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليک رأسا. (بدائع الصنائع ۲/۱۸۹ زكريا)

واعلم أن التمليک شرط قال تعالیٰ: واٰتوا الزكاة، والإيتاء: الإعطاء، والإعطاء التمليک فلا بد فيها من قبض الفقير أو نائبه؛ لأن التمليک لا يتم بدون القبض. (الاحتيار التعليل المختار ۱/۱۲۱ الشاملة، درمختار ۳/۲۹۱ زكريا)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطير – إلى قوله – وكل ما لا تمليک فيه. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۸)

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة ...... أو لرجل له مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين لغني. (سنن أبي داؤد ۱/۲۳۱، سنن ابن ماجة ۱/۱۳۲)

من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلیٰ بناء المسجد أو القنطرة لا يجوز، فإن أراد الحيلة فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذٰلک، كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية ۲/۴۷۳، وكذا في فتح القدير ۲/۲۶۷ كراچی)

ويشرط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة. (الدرالمختار مع الرد المحتار / باب المصرف ۲/۳۴۷ كراچی، التفاویٰ التاتارخانية ۳/۲۰۸ رقم: ۴۱۴۰، فتاویٰ رحيميه ۵/۱۴۹-۱۵۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیشگی زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا؟

سوال (۱۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص محرم کے مہینہ میں مالک نصاب ہوا اور پورا سال گزرنے سے پہلے رمضان المبارک کے مہینہ میں زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں، اگر ادا ہوگئی تو آئندہ زکوٰۃ کی مدت رمضان المبارک کے مہینہ سے شروع ہوگی یا محرم کے مہینہ سے شروع ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی درست ہوگئی؛ لیکن حولانِ حول محرم ہی میں پورا ہوگا؛ لہٰذا محرم میں اگر روپیہ زائد ہوجائے، تو اسی حساب سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی اور آئندہ بھی سال کی ابتداء محرم ہی سے مانی جائے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۸)

ولو عجّل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صح لوجود السبب. (شامي / باب زكاة الغنم ۲/۲۹۳ كراچی)

ولو مر بأصحاب الصدقات فأخذوا منه أكثر مما عليه ظنا منهم أن ذٰلك عليه لما أن ماله أكثر يحتسب الزيادة للسنة الثانية. (المحيط البرهاني / الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة ۲/۲۲٦ ڈابهيل، كذا في الطحطاوي ۵۸۸ مصري)

فلو كان عنده مأتا درهم فعجل زكاة ألف فإن استناد مالاً أو ربح حتى صار ألفاً، ثم تم الحول وعنده ألف، فإنه يجوز التعجيل وسقط عنه زكاة الألف. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۷٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲/۱/۱۴۱۴ھ

سال پورا ہونے سے پہلے ضرورت مند کو زکوٰۃ کی نیت سے رقم دینا؟

سوال (۱۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سال پورا ہونے سے قبل حاجت مند کو جو رقم زکوٰۃ کی نیت سے دی جائے وہ زکوٰۃ کے مد میں شمار ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زکوٰۃ کی نیت سے سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ کی رقم فقیر کو دے دی گئی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور یہ رقم زکوٰۃ میں محسوب ہوگی۔

ویجوز تعجیل الزکاۃ قبل الحول إذا ملک نصاباً عندنا. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۲۵۳)

ولو عجل ذو نصاب زکاته لسنین أو لنصب صح لوجود السبب. (الدر المختار ۲/ ۲۹۳ کراچی، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح ۷۱۵)

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰہ عنه أن العباس رضي اللّٰہ عنه سأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم في تعجیل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلک.

(سنن الترمذي / باب ما جاء في تعجیل الزکاة ۱/ ۱٤٦ رقم: ٦٧٣، سنن أبي داؤد / باب في تعجیل الزکاة ۱/ ۲۲۹ رقم: ۱٦۲٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈپاشن کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بھیونڈی میں نوے فیصدی کپڑے کا کاروبار ہوتا ہے، پاورلوم کپڑا تیار کرنے والی مشینوں کے ذریعہ لوگ کپڑا تیار کرتے ہیں، زید بھیونڈی میں رہتا ہے، اس نے پاورلوم لگانے کے لئے ایک جگہ اور پاورلوم کا موٹر بنانے کے لئے ایک دوکان اور رہنے کے لئے ایک مکان غیر مدت متعینہ تک کرایہ پر لیا، اس جگہ دوکان اور مکان والے کو زید نے بطور پیشگی کے ایک لاکھ روپئے (جس کو

بھیونڈی کی عام فہم میں (ڈپاشن) کہتے ہیں) دیئے، جیسا کہ لاکھ روپئے دے کر بھیونڈی میں جگہ، دوکان، مکان وغیرہ کرایہ پر لینے کا دستور ہے، جب زید وہ جگہ دوکان، مکان خالی کرے گا تب ہی وہ صاحب جگہ، دوکان مکان (ڈپاشن) کا ایک لاکھ روپیہ واپس کرے گا، زید اس جگہ دوکان، مکان کا کرایہ ہر ماہ الگ سے دیتا ہے، زید نے وہ ڈپاشن کی رقم جگہ دوکان، مکان خالی کرنے کے ارادہ سے نہیں دی ہے، اور نہ وہ صاحب جگہ خالی کرا سکتا ہے، صاحبِ جگہ نے اس کی قیمت سے زیادہ ڈپاشن لیا ہے، اور اس ڈپاشن کی رقم سے اپنا کاروبار کرتا ہے، روپیہ کماتا ہے، بھیونڈی میں نوے فیصدی مذکورہ بالانوعیت پر کاروبار کرتے ہیں، ڈپاشن کی رقم کی زکوٰۃ صاحب جگہ کے ذمہ فرض ہے، یا کرایہ دار کے؟ ہر دوصورت میں کس علت سے فرض ہے؟

بھیونڈی میں جن لوگوں نے غیر مدت معینہ کے لئے جو بھی جگہ یا دوکان مکان لیا ہے کرایہ دار نے اپنی مرضی سے خالی کیا ہے صاحب جگہ اپنی مرضی سے خالی نہیں کرا سکتا ہے، اس کی مثالیں اکثر ملتی ہیں اور بھیونڈی میں دستور بھی یہی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر معاملہ مذکورہ میں یہ بات طے ہے کہ کرایہ دار کے خالی کرنے کے وقت مالک مکان کو ڈپاشن کی رقم واپس کرنی لازم ہوگی، تو یہ ڈپاشن کا روپیہ مکان کی اجرت میں شامل نہیں ہوا؛ بلکہ یہ مالک مکان کے پاس بطور امانت ہے، یا بطور قرض ہے، قانون حکومت خواہ کچھ ہو یہ مالک مکان جب چاہے وہ روپیہ دے کر اپنی دوکان ومکان کرایہ دار سے خالی کرا سکتا ہے؛ تاہم یہ رقم دین متوسط کے درجہ میں ہے، اس لئے کرایہ دار پر بھی اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

عن الليث بن سعد أن عبد اللّٰه بن عباس وعبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قالا: من أسلف مالا فعليه زكاته في كل عام، إذا كان في ثقة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة / باب زكاة الدين إذا كان على مليّ موفى ٨٦/٦ رقم: ٧٧١٣)

عن محمد قال: نُبِّئتُ أن عليًا قال: إن كان صادقاً فليز كي إذا قبض يعني الدين. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٨٩/٢ رقم: ١٠٢٤٧ دار الكتب العلمية بيروت)

قلت: ينبغي لزومها على المشتري فقط على القول الذي عليه العمل الآن من أن بيع الوفاء منزل منزلة الرهن وعليه فيكون الثمن دينا على البائع. (شامي ١٦٦/٣ بيروت)

ولو كان الدين على مقر الخ فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى. (شامي ٢٦٧/٢ كراچی، ١٨٤/٣-١٨٥ زكريا)

وكذا الوديعة عند غير معارفه أي عند الأجانب فلو عند معارفه تجب الزكاة. (شامي ٢٦٦/٢ كراچی، ١٨٣/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرحومین اور نابالغ بچوں کے نام سے زکوٰۃ کی رسید کٹانا؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمر صاحب مال ہے اور صاحبِ عیال بھی ہے، اور وہ گھر کا مالک بھی ہے، اس کے مال کی زکوٰۃ مثلاً پچاس ہزار روپیہ نکلتی ہے، زکوٰۃ کی رقم جب مدرسوں میں دیتا ہے تو کچھ اپنے نام اور کچھ اپنے اہل وعیال بالغ ونابالغ کے نام اور کچھ اپنے مرحومین دادا، نانا، چچا وغیرہ کے نام رسید کٹاتا ہے، عمر کا یہ عمل بنیت ثواب ہوتا ہے، عمر کا گھر کے مالک ہونے کی حیثیت سے اپنی زکوٰۃ کی رقم بالغ نابالغ زندہ مردہ کو ثواب پہنچانے کی نیت سے مدرسوں میں یا کسی غریب مسکین کو دینا کیسا ہے؟ زکوٰۃ کی رقم کا ثواب مردہ کو ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی میں معطی کی نیت کا اعتبار رہے، صورتِ مسئولہ میں اگر زید اپنی زکوٰۃ کی رقم کی رسیدیں دوسروں کے نام کٹواتا ہے، تو زید اسی کی

زکوٰۃ ادا ہوگی رسید میں لکھے گئے ناموں کا اعتبار نہ ہوگا اور نہ اس کے علاوہ کسی کو ثواب ملے گا۔

لا یجوز أداء الزکاۃ إلا بنیة مقارنة للأداء أو مقارنة لعزل مقدار ما وجب؛ لأن الزکاۃ عبادۃ فکانت من شرطها النیة. (هدایة ۱/۱۸۸، کذا في الدر المختار مع الشامي ۳/۱۸۷، البحر الرائق ۲/۲۱۰ کراچی، الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۷۱، تبیین الحقائق ۲/۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھیت یا گھر کی زمین نصاب کی قیمت میں شمار نہ ہوگی

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پیداوار یا رہائش کی زمین جو پیداوار ہی کے کام آتی ہے، جس کی پیداوار میں سے عشر نکالا جاتا ہے، کیا یہ زمین بھی نصاب کی ملکیت میں شمار ہوگی؟ اور اس زمین کی قیمت کو اصل رقم میں شامل کر کے سالانہ زکوٰۃ دی جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیداواری یار ہائشی زمین کی قیمت نصاب میں شمار نہ ہوگی، ہاں زمین کی پیداوار کو نصاب میں شامل کیا جائے گا، جب کہ وہ ضرورت سے زائد ہو۔

عن علي قال زهیر: أحسبه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: هاتوا ربع العشر من کل أربعین درهماً درهم، ولیس علیکم شيء حتی تتم مائتي درهم، فإذا کانت مائتي درهم ففیها خمسة دراهم، فما زاد فبحساب ذٰلک الخ. (سنن أبي داؤد ۱/۲۲۰-۲۲۱ رقم: ۱۵۷۳)

ولو کانت له دور وحوانیت للغلة وهي لا تکفي عیاله فهو من الفقراء علی قول محمدؒ. (مجمع الأنهر ۱/۲۲۷)

ولا في ...... دور السكنى ونحوها. (التنوير مع الدر المختار ۲/ ۲۶۵)

وسبب افتراضها ملك نصاب حولي ...... فارغ عن حاجته الأصلية.

(تنوير الأبصار على الدر المختار ۳/ ۱۷۴-۱۷۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے چندہ سے نصف یا زائد کمیشن لینا؟

سوال (۱۴۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک یا دوسرے مواقع پر مدرسوں سے اکثر مدرسین اور سفراء حضرات چندہ وصول یابی کے لئے جاتے ہیں، ان میں بہت سے سفراء صرف رمضان ہی کے لئے ہوتے ہیں، اور جب تنخواہ طے کرنے کا نمبر آتا ہے، تو بہت سے مدرسے کے منتظمین یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اپنے پاس سے نہ تمہیں خرچ دیں گے اور نہ اس کے علاوہ کچھ دیں گے؛ بلکہ جو لاؤ گے اسی میں سے نصفا نصف یا ساٹھ یا چالیس فیصد طے ہوجاتا ہے، اور بہت سے سفراء خود ہی نصفا نصف پر طے کرلیتے ہیں۔ تو کیا اس طرح پہلے ہی طے کرلینا درست ہے؟ اس میں شرعاً کچھ حرج تو نہیں؟ اور اگر ہے تو جن مدارس والے اس طرح کے فعل کررہے ہیں، ان کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں تحریر کردہ صورتِ مسئولہ میں مدارس کا چندہ کرنا اور غیر ملازم کا اس پر نصف یا زائد کمیشن لینا ہرگز درست نہیں ہے، جو ذمہ دار ایسا کرتے ہیں وہ اللہ کے یہاں لوگوں کی زکوٰۃ کے ضامن ہوں گے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة ۹/ ۳۹ رقم: ۱۱۸۵۵)

قال في التنوير وشرحه: ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزء من عمله، والأصل في ذٰلك نهيه صلى اللّٰه عليه وسلم عن قفيز الطحان. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على هامش الرد المحتار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار ۷۸/۹-۷۹ زكريا)

لأنها استئجار ببعض ما يخرج من عمله فتكون بمعناه، وقد نهى عنه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وهو أن يستأجر رجلا ليطحن له كذا من الحنطة بقفيز من دقيقها. (شامي، كتاب المزارعة ۳۹۸/۹ زكريا، شامي ۲۷۵/۶ كراچى)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

منی آرڈر اور ڈرافٹ کی فیس مالِ زکوٰۃ سے دینا

سوال (۱۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فطرہ، چرمِ قربانی، زکوٰۃ، عطیات وغیرہ دور دراز کے بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیجنے کی صورت میں منی آرڈر کمیشن کی رقم دینے والا اپنی جیب سے ادا کرے گا یا کمیشن کی رقم بھی زکوٰۃ وغیرہ کی رقم میں جوڑی جائے گی؟ یعنی اگر کوئی ایک سو روپیہ بھیجنا چاہتا ہے تو کمیشن کی رقم پانچ روپیہ بھیجنے والا الگ سے برداشت کرے گا یا پچانوے روپیہ کا منی آرڈر اور پانچ روپیہ کمیشن کل ایک سو روپیہ بنیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منی آرڈر کی فیس اور ڈرافٹ بنوانے کا کمیشن الگ

سے دینا ہوگا، اس کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم سے صحیح نہ ہوگی۔ (امدادالفتاویٰ ۲/۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسائل زکوٰۃ سے متعلق ایک اشتہار اور اس کا جواب

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس اشتہار کا مقصد شمالی امریکہ کے مسلمانوں کو ان کے مال کی زکوٰۃ سے متعلق باخبر کرنا مقصود ہے، مسلمانوں کے مال پر زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یہ مال خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اور کوئی شخص خواہ بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ودانا ہو یا مخبوط الحواس، ہر زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اپنی زکوٰۃ کا حساب جداگانہ لگالینا چاہئے، زکوٰۃ کسی آدمی پر اس کے مال کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوجاتی ہے، جب کہ وہ اس کی حاجت سے زیادہ بڑھ جائے، نصاب ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا کناڈا کی وفاقی حکومتوں کے ذریعہ مقرر کئے جانے کے مطابق ہونا چاہئے، جہاں کا وہ شخص باشندہ ہے یعنی وہاں کی کرنسی کی قیمت جو اس وقت اس ملک میں ہو اس کے حساب سے تمام مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

۱۹۹۵ء میں ہر خاندان کے ممبر پر سات ڈالر فی کس صدقۃ الفطر واجب ہے، جو رمضان المبارک کے ختم ہونے سے قبل ہی ادا کردینا چاہئے۔

منقولہ وغیر منقولہ کی قیمتوں سے متعلق جیسا کہ وہ خرچ کرنے کے لئے مقرر کی گئی سب زکوٰۃ سے مستثنیٰ کی گئی ہیں، مثلاً وہ مکان جو خود کے رہنے کے لئے ہو، کار جو ٹرانسپورٹ کے لئے ہو، کتابیں جو مطالعہ وغیرہ کے لئے ہوں، زیورات جو تمام سنگار وزیبائش کے لئے ہوں، جیسا کہ سماجی روایات کے مطابق پایا جاتا ہے؛ البتہ وہ پیسہ جو ایسا سامان خریدنے کے لئے خرچ کیا جائے، اس پر زکوٰۃ سال بھر گذر جانے کے بعد واجب ہوجاتی ہے، مثلاً اگر ایک آدمی دس ہزار ڈالر سال میں کماتا ہے اور اسی سال میں تین ہزار ڈالر خرچ کردیتا ہے، ایسے مال یا سامان کے خریدنے میں جو اپنے

ذاتی استعمال میں آئے، تو اس کو پورے دس ہزار ڈالر کی رقم پر زکوٰۃ دینا ہوگا، بعد کے سالوں میں اس طرح کی ذاتی اور سامان پیدا کرنے والی رقم زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائے گی؟

تمام مسلمانوں کو حلال ذرائع سے پیسہ کمانا چاہئے اگر ایسا نہیں ہے تو زکوٰۃ ادا کئے جانے پر ایسا حرام مال جو حرام طریقوں سے کمایا گیا ہو حلال میں تبدیل نہیں ہوگا؟

منسلک گوشورہ جو اس پرچھ کی پشت پر ہے، زکوٰۃ سے متعلق مختلف امور کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور واجبات کی قسموں کو بیان کرتا ہے، مال کی ہر قسم کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے، تاہم وہ پھر بھی جامع ہے اور مسلمان آسانی سے اس مال کی قسم کو بھی جان سکے گا، جو اس میں شامل نہیں۔

زکوٰۃ کی دو قسمیں بنائی گئی ہیں:

(۱) ڈھائی فیصد کی شرح سے مندرجہ ذیل پر زکوٰۃ ہوگی:

نقد رقم جس پر سال گذر گیا ہو۔

کل آمدنی ہر قسم کے ٹیکس یا انشورنش کی ادائیگی سے پہلے۔

(۲) ۱۰؍فیصد کی شرح سے مندرجہ ذیل پر زکوٰۃ واجب ہوگی:

زمین کی پیداوار سے آمدنی اخراجات آبپاشی وغیرہ گھٹا کر ٹیکس کی ادائیگی سے پہلے۔

تجارت سے منافع اخراجات نکالنے کے بعد ٹیکس کی ادائیگی سے پہلے۔

شیئر پر منافع۔

کرایہ داری سے آمدنی۔

اسٹاک یا بانڈ کی بکری پر منافع۔

نوٹس:- دراصل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کاشت کی زمین پر زکوٰۃ کا تناسب بلیغ انداز سے مقرر کیا گیا ہے، زکوٰۃ تجارتی کاروبار میں لگائے گئے مال کی پیداوار سے لی جاتی ہے، شریعت نے کاروبار میں نہ لگائے جانے والے مال پر زکوٰۃ زیادہ شرح کے ساتھ تجویز کی ہے؛

تاکہ ترقی اور مال کو بڑھانے کے لئے خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہم رشتہ پرچہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں، اُن میں سے اکثر باتیں فقہ اسلامی حنفی کی رو سے درست نہیں ہے، مثلاً:

الف:- سطر ۳/۴ میں یہ کہا گیا ہے کہ نابالغ اور مخبوط الحواس دیوانہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، حالاں کہ حنفی فقہ کی رو سے زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے عاقل و بالغ ہونا شرعاً شرط ہے، بچے اور دیوانے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لا يجب على مال الصغير زكاة، حتى تجب عليه الصلاة. (رواه الدار قطني ۱۱۲/۲)

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل. (أخرجه أبوداؤد رقم: ٤٣٩٨، والنسائي رقم: ٣٤٣٢، وابن ماجة رقم: ٢٠٤١، إعلاء السنن ٧/٩–٨ دار الكتب العلمية بيروت)

قال في الشامية: فلا تجب على مجنون وصبي؛ لأنها عبادة محضةٌ. (شامي ٢٥٨/٢ کراچی، ١٧٣/٣ زکریا)

وأما شرط وجوبها فمنها:...... ومنها العقل والبلوغ فليس الزكاة على صبي ومجنون إذا وجد منه الجنون في السنة كلها. (الفتاویٰ الهندية ١٧٢/١، وكذا في البحر الرائق ٢٠٢/٢، الفتاویٰ التاتارخانية ١٣٣/٣ زكريا، بدائع الصنائع ٧٨/٢)

ب:- نوٹس نمبر ایک میں کہا گیا ہے کہ شریعت نے کاروبار میں نہ لگائے جانے والی رقم پر زیادہ تناسب سے زکوٰۃ فرض کی ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے، شریعت کی نظر میں روپیہ خواہ نقد موجود ہو یا کاروبار میں لگا ہو، یا سونا چاندی کی شکل میں موجود ہو، ہر وقت ایک ہی تناسب ڈھائی فیصدی کی

شکل میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

عـن عـلي قال زهير: أحسبه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: هاتوا ربـع الـعشـر مـن كـل أربـعيـن درهماً درهم، وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهـم، فـإذا كـانـت مـائتي درهم ففيها خمسة دراهم، فما زاد فبحساب ذٰلک الخ. (سنن أبي داؤد ۱/ ۲۲۰- ۲۲۱ رقم: ۱۵۷۳)

وهـو ربع عشر النصاب. (طحطاوي ۳۸۹، الدرالمختار ۱۷۲/۳ زکریا، البحر الرائق ۳۹۳/۲ زکریا)

ج:- نوٹ نمبر ۲ میں صراحت ہے کہ استعمالی زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے، یہ بھی غلط ہے، شریعت کی نظر میں ہر طرح کے زیورات پر (بشرطیکہ وہ سونے اور چاندی کے ہوں) زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

عـن عـمـرو بـن شـعيب عن أبيه عن جده أن امرأتين أتتا رسول اللّٰه صلى الـلّٰـه عـليـه وسـلـم وفـي أيـديهما سواران من ذهب، فقال لهما: أتؤديان زكاته؟ فـقـالتا: لا، فقال لهما رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أتحبان أن يسوركما اللّٰه بسوارين من نار؟ قالتا: لا، قال: فأدّيا زكاته. (سنن الترمذي، كتاب الزكاة / باب ما جاء في زكاة الحلي ۱/ ۱۳۸ رقم: ٦۳۲، مسند أحمد ۲/ ۱۷۹ رقم: ٦٦٦۷)

عـن عبـد الـلّٰـه بـن شـداد بن الهاد أنه قال: دخلنا على عائشة زوج النبي صـلـى الـلّٰه عليه وسلم فقالت: دخل علي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فرأى فـي يـدي فتـخات من ورق، فقال: ما هٰذا يا عائشة؟ فقلت صنعت أتزين لک يا رسول اللّٰه! قال: أتؤدين زكاتهن؟ قلت: لا، أو ما شاء اللّٰه، قال: هو حسبک من النار. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة / باب الكنز ما هو وزكاة الحلي ۱/ ۲۱۸ رقم: ۱۵٦۵)

فـي مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال

أولا ولو للتجمل والنفقة؛ لأنهما خلقا أثماناً فيزكيهما كيف كانا. (درمختار ۲۹۸/۲ کراچی، ۲۲۷/۳ زکریا)

الزكوٰة واجبة في الذهب والفضة مضروبة كانت أوغير مضروبة ...... حليا كان للرجال أو للنساء عندنا، نوى التجارة أم لا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱٥٤/۳ زكريا)

د:- زکوٰۃ نصاب کی اس مقدار پر ہوتی ہے جو سال کے آخری دن مالک نصاب کی ملکیت میں موجود ہو، درمیان سال میں جو خرچ وغیرہ ہوا ہے اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے، مثلاً اگر کسی شخص کے پاس شروع سال میں ۵۰/ ہزار روپیہ تھا، اس میں سے اس نے ۲۵/ ہزار روپیہ اپنے کام میں لگالیا اور سال ختم پر اس کے پاس صرف ۲۵/ ہزار روپیہ باقی رہے، تو اس پر صرف ۲۵/ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگی۔

عن المغيرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه قال: تحل عليه الزكاة من يوم ملك مأتين درهم ثم يحول عليه الحول. (المصنف لابن أبي شيبة ۲/ ٢٥٥ رقم: ٩٨٤٦)

ثم مال الزكاة يعتبر فيه كمال النصاب في أول الحول وآخره، ونقصان لنصاب بينه طرفي الحول لا يمنع وجوب الزكاة، سواء كان مال التجارة أو الذهب أو الفضة أو السوائم هٰذا عند أصحابنا الثلاثة ...... والصحيح قولنا؛ لأنه كمال النصاب شرط وجوب الزكاة فيعتبر حال انعقاد السبب، ومال ثبوت الحكم، وهو أول الحول وآخره ووسط الحول ليس حال انعقاد السبب ولا حال لوجوب فلا يجب اشتراطه فيه. (تحفة الفقهاء/ باب زكاة أموال التجارة ۲۷۲/۱ الشاملة)

كمال النصاب شرط وجوب الزكاة ...... لكن هذا الشرط يعتبر في أول الحول وفي آخره لا في خلاله، حتى لو انتقص النصاب في أثناء الحول، ثم كمل في آخره تجب الزكاة، سواء كان من السوائم أو من الذهب والفضة، أو مال

التجارة. (بدائع الصنائع ۹۹/۲ زكريا)

فلتزمه الزكاة إذا تم الحول لوجود كمال النصاب فی طرفی الحول مع بقاء شئ منه فی خلال الحول. (المبسوط السرخسي / كتاب نوادر الزكاة ٣/٢ دار الفكر)

وشرط كمال النصاب ولو سائمة في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد، وفي الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما. (درمختار ٣٠٢/٢ کراچی، ٢٣٣/٣ زكريا)

اس لئے مذکورہ پرچہ کے نوٹ نمبر۲ر میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دس ہزار ڈالر میں جو تین ہزر ڈالر ذاتی استعمال میں لائے گئے ہیں، اُن پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ہ:- مذکورہ پرچہ کے اخیر میں زکوٰۃ کے تناسب کی جو دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، ان کی تفصیل بھی صحیح نہیں ہے، صحیح تفصیل یہ ہے:

(ا) درج ذیل صورتوں میں ڈھائی فیصدی کی شرح سے زکوٰۃ فرض ہے:

الف:- نصاب سے زائد رقم جس پر سال گذر چکا ہو۔

عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ...... فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم......الخ. (سنن أبي داؤد / باب في زكاة السائمة ٢٢١/١ رقم: ١٥٧٣)

ب:- تجارت کا سامان اور اس کا منافع۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: ليس في العروض زكاة، إلا ما كان للتجارة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة / باب زكاة التجارة ٦٤/٦ رقم: ٧٦٩٨)

ج:- شیئرز سے حاصل شدہ جائز منافع۔

د:- اسٹاک اور بانڈ کی اصل قیمت (اس کا منافع جائز نہیں سود ہے)

في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما. (تنوير

الأبصار على الدر المختار / باب زكاة المال ٢٢٨/٣ زكريا)

الـزكـاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الذهب والورق. (هـداية ٢١٢/١، الـفتـاوىٰ الهـنـدية ١٧٩/١، الـفتاوىٰ التاتارخانية ١٦٤/٣ زكريا، ومثله في البحر الرائق ٣٩٨/٢ كوئٹه)

٥:- کرایہ داری سے حاصل شدہ آمدنی وغیرہ۔

ولـو آجـر عبـده أو داره بـنـصاب إن لم يكن للتجارة لا تجب ما لم يحل الحول بعد القبض. (البحر الرائق / أول كتاب الزكاة ٢٩٨/٢ كوئٹه)

ان سب رقومات کا نصاب سے زائد ہونا ضروری ہے اور سال گذرنا بھی شرط ہے، اور تجارت کے واجبی اخراجات تو خود بخود منہا ہوجائیں گے، اور غیر واجبی ٹیکس، انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس کا حکم یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ سے قبل ان کو ادا کردیا گیا ہے، تو یہ اخراجات میں شمار ہوجائیں گے، اور ان کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر زکوٰۃ کی تاریخ تک ٹیکس ادا نہیں کیا ہے، تو کل رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگی، ٹیکس کی رقم منہا نہیں کی جائے گی۔

عـن نـافـع أن عبـد الله عمر رضي الله عنهما كان يقول: لا تجب في مال زكاة، حتى يحول عليه الحول. (الـموطأ لإمام مالك، الزكاة / باب الزكاة في العين من الذهب والورق ١٨١ رقم: ٦)

لا تـجـب فيـه الزكاة ما لم يقبض نصاباً ويحول عليه الحول بعد القبض.

(مراقي على الطحطاوي ٧١٦ ديوبند)

۵ رفیصدی کے حساب سے نصف عشر واجب ہوتا ہے، ان عشری زمینوں میں جن کی آب پاشی کے لئے ٹیوب ویل یا ڈول وغیرہ کا نظم کیا گیا ہو، اور ان دونوں شکلوں میں آب پاشی وغیرہ کے اخراجات منہا نہیں کئے جائیں گے؛ بلکہ کل پیداوار پر مطالبہ ہوگا اور اس میں نہ کوئی نصاب ہے نہ سال گذرنا شرط ہے۔

اور دس فیصدی کے حساب سے عشر نکالنا ضروری ہوتا ہے، ان عشری زمینوں کی پیداوار میں جو آسمان کے پانی یا قدرتی نہروں سے آب پاشی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو۔

خراجی زمین کی پیداوار میں پانچواں حصہ بھی واجب ہوتا ہے۔

عن سالم بن عبد اللّٰه عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عشرياً العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر.

(صحيح البخاري ٢٠١/١ رقم: ١٤٦١، صحيح مسلم ٣١٦/١ رقم: ٩٨١)

عن مجاهد قال: سألته عن زكاة طعام؟ فقال: فيما قل منه أو كثر العشر ونصف العشر. (شرح معاني الآثار، الزكاة / باب زكاة ما يخرج من الأرض ٨٨/٢ رقم: ٣٠٢٠)

وتجب في مسقى سماء أي مطر وسيح كنهر. (درمختار ٢٦٥/٣ زكريا)

ويجب نصفه في مسقى غرب أي دلو كبير ......، وفي كتب الشافعية أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه ولو سقي سيحاً وبآلة اعتبر الغالب. (درمختار ٢٤٤/٣ بيروت، درمختار ٢٦٨/٣ زكريا)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ مذکورہ کاغذ میں تجارت وغیرہ کے مال پر جو دسویں حصہ کی فرضیت کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوۃ کے چند مسائل

سوال (۱۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں سنی مسلمان حنفی مسلک کا ماننے والا اور درمیانی طبقہ کا شخص ہوں، آپ سے دخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل نکات پر شریعتِ محمدیہ کے مطابق علماء دین کیا فرماتے ہیں فتویٰ کی شکل میں تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، اللہ پاک آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

سوال نمبر (۱) میں ہر سال ماہ رمضان المبارک کے پہلے ہفتہ میں زکوٰۃ کا پیسہ نکالتا ہوں، زکوٰۃ کا پیسہ نکالنے میں اپنی طرف سے میں بہت احتیاط کرتا ہوں، بایں طور کہ جتنے پیسے میرے پاس جمع ہوگئے ہیں ان پر اور جو چیزیں سونے چاندی کی زیورات کی شکل میں ہیں، ان پر صحیح طور سے زکوٰۃ کا پیسہ نکل جائے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

الف:- یکم رمضان المبارک تک سب جوڑ کر جتنا پیسہ میرے پاس ہوتا ہے، اس میں سے مبلغ ۶؍ ہزار روپیہ ایک سال کے اندر کا جمع خیال کر کے الگ نکال دیتا ہوں اور ۲؍ ہزار روپیہ آنے والی بقرعید پر قربانی کی نیت سے الگ نکال دیتا ہوں، اس طرح ۸؍ ہزار روپیہ نکال کر کل جمع رقم میں سے گھٹا کر باقی روپیوں پر ڈھائی روپیہ سیکڑا کے حساب سے زکوٰۃ کی جو رقم بنتی ہے، وہ اوپر لکھے ۶؍ ہزار روپیوں میں سے زکوٰۃ میں نکال دیتا ہوں۔ کیا یہ طریقۂ حساب صحیح ہے؟ مہربانی کر کے تحریر فرمائیں۔

ب:- میری اہلیہ کا انتقال ہوئے کافی عرصہ ہوگیا، وہ میرے سب سے چھوٹے بیٹے کی شادی کے لئے کچھ سونے چاندی کے زیور دے گئی تھیں، لڑکے کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی ہے، وہ سامان ابھی تک میرے پاس رکھا ہے، اس سامان میں سونے کا سامان کم وبیش ڈھائی یا تین تولہ کا ہوگا اور چاندی کا سامان قریب قریب ۵-۶؍ تولہ کا ہوگا، کیا ان سونے چاندی کے سامان پر الگ الگ چاندی، سونے کی قیمت لگا کر زکوٰۃ دینی چاہئے؟ یا یہ سامان، سونا ساڑھے سات تولہ سے کم اور چاندی ساڑھے باون تولہ سے کم ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ دینے کے دائرہ میں نہیں آتا؟ بتانے کی مہربانی کی جائے۔

ج:- اگر اوپر (ب) میں لکھا سونے چاندی کا سامان زکوٰۃ کی دائرہ میں آتا ہے، تو اس کی زکوٰۃ کی رقم مجھ کو دینا چاہئے یا لڑکے کو جس کے لئے وہ سامان رکھا ہے، لڑکا کم آمدنی والا شخص ہے، وہ زکوٰۃ کا پیسہ دینے کے قابل نہیں ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کا پیسہ کس طرح ادا کرنا چاہئے یا کسی کو بھی ادا نہیں کرنا ہے؛ کیوں کہ سونے چاندی کی مقدار زکوٰۃ دینے کی مقدار سے وزن میں کم ہے

جواب کا ملتجی ہوں۔

د:- ایسے ہی میرے پاس ایک سونے کی انگوٹھی قریب ایک تولہ یا اس سے کم وزن کی موجود ہے، میرے پاس چار پانچ عدد چاندی کے برتنوں کی شکل میں ہیں، جیسے پانوں کی چھوٹی ڈبیہ، چھوٹی تھالی، سرمہ دانی اور ایک چھوٹا سا گلاس وغیرہ، ان سب سامان کا وزن قریب ۶-۷ر تولہ ہوگا؛ لہٰذا سب چیزیں بھی ملا کر زکوٰۃ کے لئے مقررہ سونے کا وزن ساڑھے سات تولہ سے کم ہے اور چاندی کا وزن بھی مقررہ وزن ساڑھے باون تولہ سے کم ہے۔ کیا ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ جواب کا خواستگار رہوں۔

(۲) میری سب سے بڑی ایک بیٹی شادی شدہ بال بچوں دار ہیں اور اس سے چھوٹے تین بیٹے بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں، میرے بڑے بیٹے کی تین لڑکیاں ہیں، ان میں سے دو لڑکیاں نویں کلاس اور ایک لڑکی ساتویں کلاس میں تعلیم پا رہی ہیں، خدا کے فضل سے اول اور دوم پوزیشن سے برابر پاس ہوتی آرہی ہیں، بچیوں کی ماہانہ اسکول فیس، امتحانات کی فیس، کتاب، کاپی کا خرچ، اسکول جانے کا سواری کا ماہانہ خرچ وغیرہ اخراجات، گھر گرہستی کا خرچ، بیماری دکھی میں علاج معالجہ اور دواؤں کا خرچ بڑا بیٹا برداشت کرتا ہے، بڑا بیٹا بھی اپنی مالیت پر سالانہ زکوٰۃ نکالتا ہے، کیا وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم میں سے بچیوں کی اسکول فیس اور سواری کے کرایہ کا خرچ اور کتاب، کاپی کا خرچ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ آگاہ کرنے کی تکلیف فرمائیں۔

(۳) الف: کیا میں اور میرا بیٹا اپنی رقم پر نکالی گئی زکوٰۃ کے پیسوں میں سے اپنی پوتیوں کے اوپر لکھائی پڑھائی کے خرچوں میں پیسہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) کیا میں اور میرا بڑا بیٹا جس موروثی مکان میں ہم سب رہتے ہیں، اس مکان کی مرمت کرانے، سفیدی کرانے، اس میں کچھ نئی تعمیر کرانے میں اپنی اپنی زکوٰۃ میں نکالی گئی رقم میں سے پیسہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) کیا میں اور میرا بڑا بیٹا اپنے رہنے والے مکان مذکورہ کا میونسپلٹی کا ہاؤس ٹیکس وغیرہ

اورجل نگم کا پانی کی قیمت وٹیکس اورسیور وغیرہ بل کی ادائیگی اور گھر کی بجلی کے بل کی ادائیگی کر سکتے ہیں یانہیں؟ اپنے اپنے زکوٰۃ کی رقم میں سے کر سکتے ہیں یانہیں؟

(٦) ایک عرصۂ دراز سے ہمارے محلّہ میں صاف پینے کے پانی کی بڑی قلت ہے، گھر کے استعمال اور پینے کے پانی کی دستیابی کی بڑی دقت پیش آرہی ہے، گھر کے لئے پینے کے پانی اور دوسرے کاموں کے لئے صاف پانی رکھنے کے لئے ایک بڑے ڈرام یا بڑی ٹنکی کی بہت ضرورت ہے، کیا زکوٰۃ کے پیسہ سے بڑی ٹنکی یا بڑا ڈرام پانی رکھنے کے لئے خریدا جاسکتا ہے یانہیں؟ مہربانی کرکے بتانے کی زحمت فرمائیں۔

(٧) میری حقیقی نواسی کی اگلے ماہ دسمبر میں شادی ہے، میری بیٹی چاہتی ہے کہ میں خاموشی سے کسی رشتہ دار کو بتائے بغیر بشکل نیوتہ ان کی پیسہ سے مدد کردوں، میری مالی حالت کمزور ہے، اتنا پیسہ میرے پاس نہیں کہ خاموشی سے بھی دوں اور نیوتے کی شکل میں بھی دوں، میرے پاس کسی جائداد کی کرایہ کی بھی ایک پیسہ کی آمدنی نہیں، نہ کوئی بزنس چل رہی ہے۔

ازراہ کرم بتائیں کہ کیا میں مذکورہ بالا شادی کے موقع پر اپنی بیٹی کو اور میرا بیٹا اپنی بہن کو کچھ اپنے صاف پیسہ میں سے اور کچھ زکوٰۃ کے پیسے میں سے نیوتے کی شکل میں دے سکتے ہیں یانہیں؟ نیوتہ دیتے وقت یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس رقم میں زکوٰۃ کا پیسہ بھی ملا ہوا ہے، کیا ایسا کرنے کی مذہباً اجازت ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوۃ میں احتیاط برتنا امر مستحسن ہے۔ (الف) یکم رمضان کو آپ کی ملکیت میں جتنی رقم اور زیورات وغیرہ ہوں سب پر زکوٰۃ دینا لازم ہے، اس میں سے آپ کی تفصیل کے مطابق ۸/ ہزار روپئے الگ کرنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ یہ رقم بھی اصل میں شامل کی جائے اور پھر ڈھائی فیصدی کے اعتبار سے زکوٰۃ کی رقم نکالی جائے۔

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا بلغ نصابا ملكا تاماً،

وحال عليها الحول. (الفتاوى التاتارخانية ١٣٣/٣ رقم: ٣٩٣٤ زكريا)

الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً ناميا حولا كاملاً. (خلاصة الفتاویٰ ٢٣٥/١ لاهور، النهر الفائق ٤١٢/١ امدادیه)

ب، ج:- اہلیہ نے چھوٹے بیٹے کی شادی کے لئے جو زیورات دیئے ہیں، کیا اس کے لئے وصیت کی تھی یا ہبہ کیا تھا؟ اگر ہبہ کیا تھا تو مرحومہ کی زندگی میں اس بیٹے نے اس پر مالکانہ قبضہ کرلیا تھا یا نہیں؟ اس کی وضاحت کریں اس کے بعد جواب لکھا جائے گا۔

د:- سونے چاندی کے زیوارات مردانہ ہوں یا زنانہ اور سونے چاندی کے برتن وغیرہ ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہوگی، سونا چاندی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی نصاب پورا نہ ہو؛ بلکہ کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو تو دونوں کی قیمت لگائی جائے گی، پھر جب وہ قیمت کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ مرد کے لئے سونا کا کوئی زیور پہننا جائز نہیں ہے۔

فتجب الزكاة فيها سواء كانت حليا مصوغا أو الأواني وغيرها (بدائع الصنائع ١٠١/٢ زكريا)

(و) يضم (الذهب إلى الفضة) قيمة. (درمختار ٢٣٤/٣ زكريا)

الزكاة واجبة في الذهب والفضة مضروبة كانت أو غير مضروبة مصوغاً كان أو غير مصوغ، حليا كان للرجال أو للنساء عندنا. (الفتاوى التاتارخانية ١٥٤/٣ رقم: ٣٩٧٧ زكريا)

ويضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالأخر عند علمائنا، قال أبو حنيفة: يضم باعتبار القيمة، يريد به أن يقوم الذهب بالدراهم، وينظر إن بلغ نصاباً بالدراهم تجب فيها الزكاة وإلا لا. (الفتاوى التاتارخانية ١٥٨/٣ رقم: ٣٩٨٢ زكريا)

عن عبيد الله بن عبيد قال: قلت لمكحول: يا أبا عبد الله! إن لي سيفاً فيه

خمسون و مائة درهم، فهل عليّ فيه زكاة؟ قال أضف إليه ما كان لک من ذهب وفضة، فإذا بلغ مائتي درهم ذهب وفضة فعليک فيه الزكاة. (المصنف لابن أبي شيبة / الزكاة، في الرجل تكون عنده مائة درهم وعشرة ودنانير ٣٩٣/٦ رقم: ٩٩٧٩)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لا بأس أن تجعل زكاتک في ذوي قرابتک ما لم يكونوا في عيالک. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٢/٢ رقم: ١٠٥٣١ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد الملک قال: قلت لعطاء: أيجزئ الرجل أن يضع زكاته في أقاربه؟ قال: نعم، إذا لم يكونوا في عياله. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٢/٢ رقم: ١٠٥٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

عن الحسن في الرجل يعطي زكاته ذوي قرابته؟ قال: نعم، ما لم يكونوا في عياله. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٣/٢ رقم: ١٠٥٣٩ دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) زکوۃ کا پیسہ باپ، دادا، لڑکا، لڑکی، پوتا، پوتی پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، خواہ تعلیمی خرچ ہو یا کوئی اور خرچ؛ البتہ بھائی اپنی بہنوں یا بھانجیوں پر زکوۃ خرچ کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ مستحق زکوۃ ہوں۔

قال علي رضي اللّٰه عنه: ليس لوالد حق في صدقة مفروضة الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٣٠/١٠ رقم: ١٣٥٠٩ دار الكتب العلمية بيروت)

عن زيد قال: سألت إبراهيم عن الأخت تعطي من الزكاة؟ قال: نعم. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٣/٢ رقم: ١٠٥٣٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن سيرين عن أم الرائح بنت صليح عن عمها سلمان ابن عامر الضبي قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصدقة على غير ذي الرحم صدقة وعلى ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة، قال أبو بكر: وسمعت وكيعًا يذكر

عـن سفيان أنه قال: لا يعطها من تجب عليه نفقته. (المصنف لا بن أبي شيبة ٢/٤١٣ رقم: ١٠٥٤١ دار الكتب العلمية بيروت)

عـن عـلـي رضـى الـلّٰـه عـنـه أنـه قال: ليس لولد ولا لوالد حق في صدقة مفروضة. رواه البيهقي في المختصر. (الرحمة المهداة ٩٦، أعلاء السنن ٩/٨٨ رقم: ٢٤٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

قـال الـعـلامة الـعـثـمـانـي: قـولـه: عـن عـلي رضي اللّٰه عنه ...... الخ، قال الـمـؤلف: دلالتـه على أن الزكاة الولد للوالد وبالعكس لا تجوز ظاهرة، والولد عام لجميع الفروع، والوالد عام لجميع الأصول.

وفـي رحـمة الأمة: واتفقوا على أنه لا يجوز دفع الزكاة إلى الوالدين وإن عـلـوا، والـمـولـود وإن سفلوا إلا مالكًا، فإنه أجاز إلى الجد والجدة وبني البنين لسقوط نفقتهم عنده الخ.

قـلت: ولكن لفظ الأثر يعم كل والد وإن علا، وكل ولد وإن سفل، واللّٰه تعالىٰ أعلم. (إعلاء السنن ٩/٨٨-٨٩ دار الكتب العلمية بيروت)

قالوا: الأفضل صرفه الصدقة إلى أخواته ذكوراً أو أناثاً. (مجمع الأنهر ١/٢٦٦)

الأفـضل صرف الزكاتين: يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلى أحد هؤلاء السبـعة الأول: إخـوته الفقراء وأخواته ثم إلى أولادهم. (الـفتاوى التاتارخانية ٣/٢٠٥ رقم: ٤١٣٦ زكريا)

ويـجـوز دفع الزكاة إلـى مـن سـوى الـوالـدين والمولودين من الأقارب ومن الإخـوة والأخوات وغيرهم لانقطاع منافع الأملاك بينهم. (بدائع الصنائع ٢/١٦٢ زكريا)

(۳) زکوٰۃ کا پیسہ اپنے مکان کی مرمت میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

(۴) زکوٰۃ کا پیسہ ہاؤس ٹیکس، پانی کی قیمت اور بجلی کے بل کی ادائیگی میں دینا جائز نہیں۔

(۵) زکوٰۃ کے پیسہ سے اپنے گھر میں پانی کی ٹنکی یا ڈرام خریدنا جائز نہیں ہے۔

ولایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد، وکذا القناطر والسقایات، وکری الأنهار. (الفتاویٰ الهندیة ۱۸۸/۱)

ولا یبنیٰ بها مسجد لإنعدام الملک وهو الرکن (هدایة) فإن اللّٰه تعالیٰ سماها صدقة، وحقیقة الصدقة تملیک المال من الفقیر (فتح القدیر) وقال في العنایة: لأن الأصل في دفع الزکاة تملیک فقیر مسلم غیر هاشمي ولا مولاه جزءً من المال مع قطع منفعة المدفوع عن نفسه، مقروناً بالنیة.

(هدایة مع الفتح القدیر علی هامش العنایة ۲۶۷/۲ کراچی)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (الدرالمختار مع الرد المختار / باب المصرف ۳۴۷/۲ کراچی، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۰۸/۳ رقم: ۴۱۴۰ زکریا)

عن سفیان الثوري قال: الرجل لا یعطي زکاة ماله ...... في کفن میت ولا دین میت ولا بناء مسجد. (المصنف لعبد الرزاق، الزکاة / باب لمن الزکاة ۱۱۳/۴ رقم: ۷۱۷۰)

(۶) اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے؛ البتہ بھائی اپنی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، بشرطیکہ بہن زکوٰۃ لینے کی مستحق ہو۔

عن زید قال: سألت إبراهیم عن الأخت تعطي من الزکاة؟ قال: نعم.

(المصنف لابن أبي شیبة ۴۱۳/۲ رقم: ۱۰۵۳۸ دارالکتب العلمیة بیروت)

ویجوز دفع الزکاة إلی من سوی الوالدین والمولودین في الأقارب ومن الإخوة والأخوات لانقطاع منافع الأملاک بینهم. (بدائع الصنائع ۱۶۲/۲ زکریا، الفتاوی التاتارخانیة ۲۰۵/۳ رقم: ۴۱۳۶ زکریا، کذا في خلاصة الفتاوی، الزکاة / الفصل الثامن أداء الزکاة ۲۴۲/۱، الفتاوی الهندیة / الباب السابع في المصارف ۱۹۰/۱، البحر الرائق / باب المصرف

۲/۵۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۷ھ

مفتی تقی عثمانی کی کتاب ''آپ زکوٰۃ کس طرح نکالیں'' سے متعلق چند سوالات

سوال (۱۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ابھی حال ہی میں حضرت اقدس مفتی تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کی ایک کتاب ''آپ زکوٰۃ کس طرح ادا کریں''؟ پڑھنے کی سعادت ملی، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد سے بہت سی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں اس کے علاوہ بھی چند سوالات زکوٰۃ سے متعلق عرض ہیں، براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) مال تجارت کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں اب تک علماء کرام سے یہی سنتے آئے تھے کہ سرمایہ، خام مال، تیار شدہ مال اور وہ قرضہ جو دوسروں سے وصول ہونا باقی ہے، ان سب کی مجموعی قیمت لگائی جائے اور پھر اپنے ذمہ جتنا قرضہ ہو اس کو وضع کردیا جائے، باقی مال میں ڈھائی فی صد زکوٰۃ نکال دی جائے؛ لیکن اس کتاب میں قرضوں کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں: ایک وہ قرض جو آدمی اپنی ضرورت پر لیتا ہے، دوسرا وہ قرض جو کوئی تاجر سرمایہ بڑھانے کے لئے لیتا ہے، مثلاً فیکٹریاں لگانے یا مشنریاں خریدنے یا مال تجارت امپورٹ کرنے وغیرہ کے لئے یا مثلاً ایک تاجر کے پاس پہلے سے دو فیکٹریاں موجود ہیں؛ لیکن اس نے بینک سے قرض لے کر تیسری فیکٹری لگالی، اب اگر اس دوسری قسم کے قرضوں کو مجموعی مالیت سے منہا کرلیا جائے، تو نہ صرف یہ کہ ان سرمایہ داروں پر ایک پیسے کی بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ وہ لوگ الٹے زکوٰۃ کے مستحق بن جائیں گے، اس لئے پہلی قسم کے قرضے تو مجموعی مالیت سے منہا کئے جائیں گے، مگر دوسری قسم کے قرضوں میں

یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی غرض سے قرض لیا اور اس قرض کو ایسی اشیاء خریدنے میں استعمال کیا جو قابل زکوٰۃ ہیں، مثلاً اس قرض سے خام مال خرید لیا یا مال تجارت خرید لیا، تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا کریں گے؛ لیکن اگر اس قرض کو ایسے اثاثے خریدنے میں استعمال کیا جو نا قابلِ زکوٰۃ ہیں، تو اس قرض کو مجموعی مالیت سے منہا نہیں کریں گے۔

اس نئی تفصیل کے مطابق اگر کسی تاجر نے مثال کے طور پر مشنریوں کے لئے قرضہ لیا ہو یا کارخانہ بنانے کے لئے قرضہ لیا ہو، تو مجموعی مالیت سے اس کو وضع نہیں کیا جائے گا، تو پھر زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطوں میں قرض کا ذکر عام طور پر کیوں کیا جاتا ہے؟ اس تفصیل کی وضاحت کیوں نہیں کی جاتی؟ اگر یہ تفصیل ضروری ہے تو براہ کرم کتبِ فقہ سے اس کی وضاحت فرمائیں، مثلاً کسی تاجر نے دس لاکھ کی مالیت سے تجارت شروع کی اختتام سال پر اس کی مجموعی مالیت تیس لاکھ ہے، مگر بیس لاکھ کا قرض بھی ہے جس میں دس لاکھ کی مشنریاں اور دس لاکھ کا تجارتی مال، تو وہ کتنی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرے گا؟ براہ کرم حضرت دامت برکاتہم کی اس تفصیل کا کتب فقہ سے ضرور حوالہ دیں۔

(۲) ایک ضروری سوال مصرف کے بارے میں یہ ہے کہ مسئلہ یہ بتایا جاتا ہے کہ ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی مالیت کا کوئی بھی ضرورت سے زائد سامان موجود نہ ہو، مگر حضرت نے اس کتاب میں ضرورت سے زائد مال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس کے پاس ٹی وی، وی سی آر وغیرہ چیزیں موجود ہوں، وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ چیزیں اسباب ضرورت میں داخل نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آج کون ایسا ہے جس کے پاس ایسی بے ضرورت چیزیں نہ ہوں، حالاں کہ وہ بظاہر ضرورت مند ہی معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ ان کے پاس اس قسم کی ضرورت سے زائد اشیاء موجود ہیں، تو کیا ایسے کسی مستحق کو زکوٰۃ دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(۳) ایک شخص نے کارخانہ کی ضرورت کے لئے زمین خریدی، مگر بعد میں کارخانہ بنانے کا ارادہ ملتوی ہوگیا، اور اس نے اس زمین کو بیچنے کا ارادہ کرلیا، اور اس کام پر دلالوں کو لگادیا، مگر زمین

فروخت ہوتے ہوتے سال پورا ہوگیا، تو کیا اس زمین کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ یعنی دلالوں کو اس کام پر لگا دینے سے اس کا شمار سامان تجارت میں ہوگا یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتادیں کہ اس کی رقم پر زکوٰۃ فوراً واجب ہوگی یا ایک سال گذرنے کے بعد؟

(۴) ایک شخص نے اپنا معمول یہی بنالیا ہے کہ وہ اپنے تمام مال کی زکوٰۃ کے حسابات رمضان ہی میں کرلیتا ہے، مگر جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کو تجارتی مال سے علیحدہ نہیں کرتا؛ بلکہ حسبِ موقع اس واجب مقدار کو صرف کرتا ہے، کبھی یہ رقم جلد ادا ہوجاتی ہے کبھی کچھ دیر سے؛ لیکن اگلا سال آنے سے پہلے ہی یہ پوری رقم ادا ہوجاتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس زکوٰۃ کی رقم کو تجارتی مال سے علیحدہ کرکے رکھ دینا ضروری ہے؟ یا اس کو اصل مال سے ملاکر رکھ سکتے ہیں؟ یعنی حساب کرنے کے بعد اس واجب مقدار کو وقتاً فوقتاً ادا کرنا کافی ہے یا اس کو فوراً علیحدہ کردینا ضروری ہے؟ کیوں اصل مال سے اس کو ملاکر رکھنے میں زکوٰۃ کی رقم سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے، خصوصاً بڑی تجارتوں میں تو کافی بڑی بڑی رقمیں زکوٰۃ کی واجب ہوتی ہیں، اور ان کو اصل مال سے ملاکر رکھا جائے تو سال بھر میں اس پر کافی منافع حاصل ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں اس رقم کو علیحدہ کردینا ضروری ہے یا نہیں؟ درخواست ہے کہ تمام سوالوں کا جواب فقہی کتابوں کے حوالہ سے عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) عام کتبِ فقہ میں مطلق قرض کو اصل سرمایہ سے منہا کرنے کی بات لکھی گئی ہے؛ لیکن آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے حوالہ سے قرضوں کی جو دو قسمیں کی ہیں، اس کے بارے میں بہتر ہے کہ خود مولانا موصوف سے تحریراً رابطہ کرکے وضاحت حاصل کی جائے، اور مولانا موصوف جو جواب دیں، اس کی ایک کاپی ہمیں بھی روانہ کریں، عنایت ہوگی۔

فإذا كان له مائتا درهم فقط، واستقرض خمسة أقفزة للتجارة قيمتها

خـمسة دراهـم مثلاً كـان مـديـونـاً بقدرها، وبقي له نصاب تام فيزكيه. (شامي ۱۹۵/۳ زكريا)

(۲) احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ ایسی بے ضرورت چیزیں رکھنے والوں کو جن کی مالیت نصاب تک پہنچ جائے زکوٰۃ نہ دی جائے؛ لیکن اگر تحقیق کے بغیر کسی ایسے مستحق شخص کو زکوٰۃ دے دی، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۶۷)

وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها، أو دار غلتها ثـلاثة آلاف، ولا تـكـفي لنفقته ونفقة عياله سنة، يحل له أخذ الزكاة، وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا، وعليه الفتوى. (شامي ۲۹۶/۳ زكريا)

(۳) مسئولہ صورت میں جو زمین کارخانہ کی ضرورت کے لئے خریدی گئی تھی، جب تک وہ فروخت نہ ہو جائے، اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ زمین اصالۃً خرید وفروخت کے لئے نہیں خریدی گئی تھی۔

اشتـرى شيـئـاً للقنية ناويا أنه إن وجد ريحاً باعه لا زكاة عليه. (درمختار مع الشامي ۱۹۵/۳ زكريا)

(۴) ہر قمری سال کی کسی متعین تاریخ کو زکوٰۃ کا مکمل حساب لگانا لازم ہے، جس سے یہ پتہ چل جائے کہ اس کے اوپر اس سال متعین طور پر اتنی رقم زکوٰۃ کی واجب ہے؛ لیکن اس متعینہ رقم کو اپنے دیگر مال سے فوری طور پر الگ کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ دیگر مال میں مخلوط ہونے کے ساتھ اگر بتدریج زکوٰۃ ادا کرتا رہے، تو شرعاً کوئی حرج نہیں، اور مال مخلوط ہونے کے ساتھ اگر چہ اس سے نفع حاصل ہو، اس پر بھی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے؛ تاہم بہتر یہی ہے کہ حساب لگانے کے بعد زکوٰۃ کی رقم الگ کر لی جائے یا اس کا الگ کھاتہ بنالیا جائے، اور اسی میں سے بتدریج سال بھر خرچ کرتا رہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۳۶۴)

ففي أي وقت أدى يكون مؤديا للواجب، ويتعين ذلک الوقت للوجوب.

(شامي ۳/ ۱۹۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ